ترمیم تے اضافے نال

معروضی وانشائی طرز

سنگت

اُردو (لازمی)

پارٹ II

ترتیب

حصہ نثر

1۔ مناقب عمرؒ بن عبدالعزیز ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ علامہ شبلی نعمانی 9

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

2۔ تشکیل پاکستان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میاں بشیر احمد 18

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

3۔ نواب محسن الملک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مولوی عبدالحق 35

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

4۔ محنت پسند خردمند ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مولانا محمد حسین آزاد 44

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

5۔ اکبری کی حماقتیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مولوی نذیر احمد 54

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

6۔ پہلی فتح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نسیم حجازی 64

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

7۔ دستک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میرزا ادیب 70

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

8۔ ہوائی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بیگم اختر ریاض الدین 77

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

9۔ مولانا ظفر علی خان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چراغ حسن حسرت 90

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

10۔ قرطبہ کا قاضی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سیّد امتیاز علی تاج 99

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

11۔ مواصلات کے جدید ذرائع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن 108

مشکل الفاظ کے معنی/ خلاصہ/ اہم اقتباسات کی تشریح/ مشقی سوالات/ مزید معروضی سوالات

12۔مولوی نذیر احمد ۔۔۔

9۔تغیر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔احسان دانش 197
شاعر کا تعارف/مرکزی خیال/مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات
10۔قطعات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔انور مسعود 203
شاعر کا تعارف/مرکزی خیال/مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات

حصہ غزل

1۔کام مردوں کے جو ہیں، سو وہی کر جاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خواجہ میر درد 209
شاعر کا تعارف/مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات
2۔کیا فرق داغ و گل میں، اگر گل میں بو نہ ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔خواجہ میر درد 215
☆مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات
3۔دنیا میں جب تلک کہ میں اندوہ گیں رہا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غلام ہمدانی مصحفی 222
شاعر کا تعارف/مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات
4۔نہ گیا کوئی عدم کو دلِ شاداں لے کر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غلام ہمدانی مصحفی 228
☆مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات
5۔بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مرزا اسد اللہ خاں غالب 235
شاعر کا تعارف/مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات
6۔کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مرزا اسد اللہ خاں غالب 240
☆مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات
7۔جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ اقبالؒ 247
شاعر کا تعارف/مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات
8۔نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ اقبالؒ 252
☆مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات
9۔دل میں ذرا سی لہری اٹھی ہے ابھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ناصر کاظمی 261
شاعر کا تعارف/مشکل الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات

10۔اے ہم سخن! وفا کا تقاضا ہے اب یہی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ناصر کاظمی 265
☆الفاظ کے معانی/اشعار کی تشریح/مشقی سوالات
11۔اُداسی، بے دلی، آشفتہ حالی میں کمی کب تھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فراق گورکھپوری 271
شاعر کا تعارف/مرکزی خیال/مشکل الفاظ کے معانی/مشقی سوالات
12۔سکون درکار ہے لیکن سکوں حاصل نہیں ہوتا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تابش لکھنوی 276
شاعر کا تعارف/مرکزی خیال/مشکل الفاظ کے معانی/مشقی سوالات

نظموں کے خلاصے 290

قواعد

☆حروف کی اغلاط والے جملوں کی درستی 294
☆مطابقت کی اغلاط والے جملوں کی درستی 300
☆رموز اوقاف 310
☆امدادی افعال 313

قواعد و انشا

☆خطوط نویسی، کچھ اہم ہدایات 317

1۔اپنی چھوٹی بہن کے نام خط لکھ کر مطالعے کے لیے چند مفید اور دلچسپ کتابیں تجویز کیجیے۔
2۔مکان کی مرمت کے لیے مالک مکان کو خط لکھیے۔
3۔گھڑی کا تحفہ بھیجنے پر چچا جان کے نام خط لکھ کر شکریہ ادا کیجیے۔
4۔دوست کو خط لکھ کر ایک تفریحی پروگرام مرتب کیجیے۔
5۔چھوٹے بھائی کو خط لکھ کر بُری صحبت سے بچنے کی تلقین کیجیے۔
6۔دوست کی والدہ ماجدہ کے انتقال پر تعزیتی خط لکھ کر اظہار افسوس کیجیے۔
7۔اپنے والد کو خط لکھ کر اپنی پڑھائی اور امتحانی تیاری سے آگاہ کیجیے۔
8۔دوست کو اُس کی شاندار کامیابی پر مبارک باد کا خط لکھیے۔

آپ بیتی

☆ آپ بیتی — کچھ ہدایات 326

1۔ایک پرندے کی آپ بیتی 2۔کرسی کی آپ بیتی

3۔دس روپے کے نوٹ کی آپ بیتی 4۔ایک بائیسکل کی آپ بیتی

5۔ایک پھول کی آپ بیتی 6۔کتاب کی آپ بیتی

7۔ایک درخت کی آپ بیتی 8۔ایک گھوڑے کی آپ بیتی

مضامین

1۔سیرت النبی ﷺ سرچشمہ ہدایت 341

2۔میری پسندیدہ کتاب قرآن مجید 345

3۔عالم اسلام کا اتحاد۔۔۔وقت کی ضرورت 348

4۔میرا پسندیدہ شاعر۔۔۔علامہ اقبالؒ 352

5۔جہیز ایک سماجی برائی 355

6۔دیہی اور شہری زندگی کا موازنہ 360

7۔فرقہ واریت ایک لعنت 364

8۔میری زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ 368

9۔تعلیم نسواں 371

10۔سائنس کے کرشمے 374

11۔اُردو ذریعہ تعلیم 378

12۔ہمارا نظام تعلیم 381

13۔مسئلہ کشمیر 385

14۔دور جدید میں کمپیوٹر کی اہمیت 389

15۔ماحولیاتی آلودگی 392

16۔محنت کی عظمت 395

17-دہشت گردی ایک عالمی مسئلہ 399
18-ایک تفریحی سفر 403
19-سماجی برائیاں اوران کا سدباب 406
20-منشیات کی لعنت 410
21-اسلام میں عورت کا مقام 414
☆معروضی (حصہ نثر) 418
☆ مطابقت کی غلطیاں 473
☆رموز اوقاف 483
☆امدادی افعال 490
☆ماڈل پیپرز 498

حصہ نثر

1۔ مناقب عمر بن عبدالعزیزؒ ــــ علامہ شبلی نعمانی

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 1 : ○ مناقب: منقبت کی جمع، خوبیاں تعریفیں ○ محدث: علم حدیث کا ماہر ○ موصوف: جس کی تعریف کی گئی ہو ○ مجسم: مکمل، سر سے پیروں تک ○ ثانی: دوسرا ○ طرزِ عمل: رویہ، عمل کا انداز ○ مسند: بیٹھنے کی جگہ ○ متمکن: کسی جگہ قرار پکڑنے والا، قائم ○ حمص: شام کا قدیم شہر ○ سند: تصدیق شدہ دستاویز

صفحہ نمبر 2 : ○ مقدم: زیادہ اہم، برتری رکھنے والا ○ سلاطین: سلطان کی جمع ○ ممبر: رکن ○ سلاطین تیموریہ: مغل خاندان سے تعلق رکھنے والے بادشاہ ○ سلاطین بنی اُمیہ: بنی اُمیہ سے تعلق رکھنے والے بادشاہ ○ علما: عالم کی جمع

صفحہ نمبر 3 : ○ غاصب: حق مارنے والا ○ مجاز: اختیار رکھنے والا ○ ہوا چاہتا ہے: ہونے والا ہے ○ دستبردار ہونا: چھوڑ دینا، ہاتھ اُٹھا لینا ○ لحاظ: خیال ○ استغفراللہ: جب کسی کام کے ہونے یا کرنے کے متعلق دریافت کیا جائے اور انکار میں جواب دینا ہو تو اکثر یہ کلمہ بولتے ہیں، میں خدا سے مغفرت اور بخشش چاہتا ہوں ○ خواب راحت: آرام کی نیند ○ لحظہ: لمحہ ○ جانِ پدر: باپ کی جان ○ منادی: اعلان ○ کتر کر: کاٹ کر

صفحہ نمبر 4 : ○ برتاؤ: سلوک ○ دفترِ اعمال: اعمال کی فہرست ○ حق گوئی: سچ بولنا ○ استیصال کرنا: جڑ سے اکھاڑ دینا ○ بدعت: دین میں کوئی اضافہ کرنا، نئی بات داخل کرنا ○ متدین: دین دار ○ راست باز: سچے، کھرے ○ سرزد ہونا: عمل میں آنا ○ بے باکی: بے خوفی ○ اقوال: قول کی جمع، باتیں ○ افعال: فعل کی جمع کام ○ بہ سند: سند کے ساتھ ○ نکتہ چینی: تنقید ○ دست و بازو: ہاتھ اور بازو یعنی مددگار ○ متولی: دیکھ بھال کرنے والا ○ فریق: پارٹی ○ حسبِ قاعدہ: قانون کے مطابق ○ زعم: تکبر، غرور

صفحہ نمبر 5 : ○ متنازعہ: تنازعہ والا، جس پر جھگڑا ہو ○ اَمر: کام، ○ باعث: وجہ ○ سلطنت: حکومت ○ مساوات: برابری ○ جمہوریت: عوام کی حکومت ○ ترجیح: برتری ○ امور: اَمر کی جمع ○ معاشرت: سماجی زندگی ○ جھلانا: غصے میں آنا ○ گستاخی: بے ادبی ○ استفسار کرنا: پوچھنا

صفحہ نمبر 6 : ○ ترکہ: مرنے والے کا چھوڑا ہوا روپیہ اور جائیداد ○ اولاد ذکور: بیٹے ○ تجہیز و تکفین: کفن دفن ○ مصارف: اخراجات

سبق کا خلاصہ

شبلی نعمانی نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے متعلق واقعات محدث ابن جوزی کی کتاب "سیرت العمرین" سے نقل کیے ہیں جو انہوں نے مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں دیکھی تھی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ مذہب کی مجسم تصویر تھے

اسی لیے انہیں 'عمر ثانی'' کہا جاتا ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ ان کا طرزِ عمل اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔ حمص کے ایک عیسائی نے شکایت کی کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے بیٹے عباس نے میری زمین پر قبضہ کرلیا ہے۔ عباس کو یہ زمین خلیفہ ولید نے بطور جاگیر دی تھی۔ عیسائی بولا کہ میں خدا کی تحریر یعنی قرآن کے مطابق فیصلہ چاہتا ہوں عمر بن العزیزؒ نے زمین عیسائی کو دلادی اور عباس سے کہا کہ خدا کی تحریر تمہارے باپ کی تحریر پر مقدم ہے۔

سلاطین بنی امیہ نے ملک کی اراضی کا بڑا حصہ اپنے خاندان کے ارکان میں بطور جاگیر تقسیم کردیا تھا عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت سنبھالتے ہی یہ جاگیریں واپس لینے کا ارادہ کیا تو خاندان والوں نے ان کی پھوپھی ام عمر کو سفیر بنا کر بھیجا۔ ام عمر نے خاندان کی برہمی اور عام بغاوت کے اندیشے کا اظہار کیا تو عمر بن عبدالعزیزؒ بولے میں قیامت کے سوا کسی اور دن سے نہیں ڈرتا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے قبضے میں بھی ایسی ہی جاگیریں تھیں۔ انہوں نے مذہبی علما سے رائے لی تو مکحول نے واضح جواب نہ دیا جب کہ میمون نے کہا کہ آپ اپنے صاحبزادے عبدالملک کو بلائیں۔ عبدالملک سے پوچھا گیا تو وہ بولے جاگیریں واپس کردیں ورنہ آپ کا شمار بھی ظالموں اور غاصبوں میں ہوگا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے معتمد غلام مزاحم سے مشورہ طلب کیا تو وہ بولا آپ کے بال بچوں کا گزارا کس طرح ہوگا۔ عمر بن عبدالعزیز آبدیدہ ہوکر بولے کہ اللہ مالک ہے۔ مزاحم عبدالملک کے پاس پہنچا اور عمر بن عبدالعزیز سے گفتگو کی تفصیل انہیں بتائی۔ عبدالملک نے کہا کہ تم نے بہت بڑی رائے دی اور خود عمر بن عبدالعزیز سے ملنے چلے گئے جو محوِ خواب تھے۔ پہرے دار بولا تم امیر المومنین پر رحم نہیں کرتے۔ تھوڑی دیر تو آرام کرلینے دو۔ عمر بن عبدالعزیز نے بیٹے کی آواز سن کر اندر بلایا اور آنے کی وجہ پوچھی واقعہ سن کر بولے میں ظہر کے بعد اعلان کردوں گا۔ عبدالملک نے کہا کہ آپ اس سے پہلے انتقال کرگئے تو کیا ہوگا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اسی وقت منادی کرائی۔ لوگ مسجد میں جمع ہوگئے تو جاگیروں کی سندیں صندوق سے نکلوائیں اور قینچی سے کتر کتر کر پھینکنے لگے آپ کو ابن سلیمان سے بہت محبت تھی وہ بولے آپ میری زمین کیوں چھینتے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ زمین پہلے کس کی تھی۔ ابن سلیمان نے بتایا کہ پہلے حجاج کے قبضے میں تھی لیکن اصل میں عام مسلمانوں کی زمین ہے۔ عمر بن عبدالعزیز بولے کہ پھر یہ عام مسلمانوں ہی کو ملنی چاہیے۔ ابن سلیمان رونے لگے۔ مزاحم نے کہا آپ ان سے یہ سلوک کرتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز بولے میں انہیں اپنے بیٹے کے برابر چاہتا ہوں لیکن میں خود اپنے نفس کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا ہوں۔

سلاطین بنی امیہ نے آزادیٔ اظہار پر پابندیاں لگادی تھیں۔ عبدالملک نے حکم دیا تھا کہ مجھ پر تنقید کرنے والا شخص سزا کا مستحق ہوگا لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس بدعت کو ختم کردیا اور دو دیندار اور سچے افراد کو مقرر کیا کہ مجھ سے غلطی ہو تو مجھے ٹوک دیں۔ اس طرزِ عمل سے عوام میں جرأت پیدا ہوئی اور وہ بھی خلیفہ کے قول و فعل پر رائے زنی کرنے لگے۔

ایک گرجا کے متولیوں کے مقابلہ میں دعویٰ کی پیشی کے موقع پر مسلمہ بن عبدالملک نے عدالت کے

قواعد نظر انداز کرتے ہوئے بیٹھ کر گفتگو کرنا چاہی اسے خاندان بنی امیہ سے قریبی تعلقات کا زعم تھا لیکن عمر بن عبدالعزیز نے کہا تمہارا فریق مقدمہ کھڑا ہے۔ تم کھڑے ہو جاؤ یا اپنی پیروی کے لیے کسی کو مقرر کرو، مقدمے کا فیصلہ بھی مسلمہ کے خلاف ہوا تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں مہمان ہوتے تو کھانے کی قیمت ادا کیا کرتے۔ اپنے مقبرے کے لیے زمین خریدنا چاہی تو عیسائی نے اصرار کیا کہ مفت لے لیں لیکن آپ نے تیس دینار قیمت ادا کی۔ اِن کی حکومت کا بنیادی اصول مساوات و جمہوریت تھا یعنی سب برابر ہیں اور بادشاہ کو کسی عام فرد پر ترجیح حاصل نہیں۔ وہ عام مسلمانوں کے لنگر خانے میں ایک درہم روزانہ بھیجتے اور وہاں جا کر عوام کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ ایک رات مسجد گئے تو صحن میں لیٹے شخص کو اِن کی ٹھوکر لگ گئی۔ وہ غصے میں بولا کیا تو پاگل ہے، انہوں نے جواب دیا نہیں۔ پولیس نے اِس شخص کو سزا دینا چاہی تو یہ کہہ کر رُوک دیا کہ اِس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری وقت آیا تو مسلمہ بن عبدالملک نے وصیت کے متعلق پوچھا۔ بولے میرے پاس کیا ہے جو وصیت کروں۔ مسلمہ نے ایک لاکھ دینار بھیجنے کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا بہتر ہے یہ رقم اس کے اصل مالکوں کو واپس کر دو۔ آپ کے پیش رو سلاطین بنی امیہ اتنے مال دار تھے کہ ہشام بن عبدالملک کی وفات پر بیٹوں کو وراثت میں ایک کروڑ دس لاکھ دینار ملے تھے۔ عمر بن العزیزؒ نے کل سترہ دینار چھوڑے۔ کفن دفن کے بعد دس دینار بچے جو ورثا میں تقسیم کر دیے گئے۔ آپ نے اسلامی اصول کے بالکل مطابق خلافت کا نمونہ پیش کیا۔

مشقی سوالات

1۔ مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے (جواب تین سطروں سے زیادہ نہ ہو)

الف: ''مذہبی حیثیت سے ان کو ''عمرؓ ثانی'' کا لقب دیا گیا ہے''

وضاحت: عمرؓ بن عبدالعزیز کے اندازِ حکومت نے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ فاروق کی یاد تازہ کر دی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز مساوات و جمہوریت اور عدل و انصاف کے علمبردار تھے۔ وہ غیر مسلموں سے اسلامی تعلیمات کے مطابق حسن سلوک کرتے تھے اور خلیفہ سمیت حکام کے احتساب کو ضروری سمجھتے تھے۔ اسی لیے انھیں ''عمرؓ ثانی'' کا لقب دیا گیا۔

ب: ''اُن کا ایک اور کارنامہ جو نہایت قابلِ قدر ہے۔ سلاطین بنی اُمیہ کی ناجائز کارروائیوں کا مٹانا تھا۔''

وضاحت: سلاطین بنی اُمیہ نے اپنے خاندان کے ارکان میں جاگیریں تقسیم کی تھیں۔ آزادیٔ اظہار پر پابندیاں لگائی تھیں۔ خلیفہ کو ناقابلِ احتساب تصور کر لیا گیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے جاگیریں واپس لیں اور خود اپنے احتساب کے لیے دو افراد کو مقرر کیا۔ ان کے اس رویے سے آزادیٔ اظہار کا ماحول پیدا ہوا۔

ج: عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا ''خدا کا فرمان (قرآن) سب پر مقدم ہے۔''

وضاحت: باغِ فدک کے معاملے میں عمر بن عبدالعزیز نے باغ، خاندانِ رسالتؐ میں منتقل کر دیا جس پر خاندانِ بنو اُمیہ میں سخت برہمی ہوئی۔ سب نے عمر ثانی کے بیٹے عبدالملک کو ان کے پاس بھیجا کہ اس فیصلہ پر

نظر ثانی کریں اور قدما کے فیصلے کو بحال رکھیں۔ انھوں نے کہا کہ خدا کا فرمان (قرآن) سب پر مقدم ہے۔ اس لیے فیصلہ قرآن کے مطابق ہی ہوگا۔

د: ''لوگ نہایت بے باکی سے ان کے اقوال و افعال پر نکتہ چینی کرتے تھے''

وضاحت: عبدالملک بن مروان نے اقتدار سنبھالتے ہی حکم جاری کیا تھا کہ خلیفہ پر تنقید کرنے والے کو سخت سزا ملے گی۔ عمرؒ بن عبدالعزیز نے اس کے برعکس رویہ اپنایا اور خلیفہ کے احتساب کے لیے دو افراد مقرر کر دیے جس سے لوگوں میں جرأتِ اظہار پیدا ہوئی اور وہ ان کے اقوال و افعال پر بلا جھجک تنقید کرنے لگے۔

ہ: ''عمرؒ بن عبدالعزیز کی حکومت و سلطنت کا اصل اصول مساوات و جمہوریت تھا''

وضاحت: عمرؒ بن عبدالعزیز نے خلفائے راشدین کی پیروی کرتے ہوئے یہ اسلامی تصور اُجاگر کیا کہ خلیفہ یا اس کے خاندان کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل ہے نہ یہ لوگ مراعات کے مستحق ہیں۔ عدالتی معاملات میں آپ نے غیر مسلموں کو مکمل انصاف فراہم کرنے کی مثالیں قائم کیں اور آزادیٔ اظہار کو فروغ دیا۔

2: درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

○ خدا لگتی کہنا: چاہے کچھ بھی ہو جائے میں تو خدا لگتی کہوں گا۔

○ دست بردار ہونا: شاہد الیکشن میں جمیل کے حق میں دست بردار ہو گیا۔

○ روک ٹوک کرنا: مطلق العنان حکمرانوں کو یہ بات گوارا نہیں ہوتی کہ کوئی اُن کی روک ٹوک کرے۔

○ زبان بند ہونا: قرآن کا فیصلہ موجود ہو تو کسی بھی معاملے میں معترض مسلمان کی زبان بند ہو جاتی ہے۔

○ نکتہ چینی کرنا: ہر وقت اور ہر معاملے پر نکتہ چینی کرنا، بھلا کہاں کی دانائی ہے۔

○ دست و بازو ہونا: ہم تو آپ کے دست و بازو رہے، آپ ہم پر بھی اتحاد نہیں کر رہے۔

3: سبق کے حوالے سے درست لفظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کیجیے۔

الف۔ عمر بن عبدالعزیز مذہب کی مجسم تصویر تھے۔ (عملی تصویر، مجسم تصویر، مکمل تصویر)

ب۔ دفنہایت متدین اور راست باز شخص اس کام پر مقرر کیے (متدین اور راست باز، نیک اور پارسا، پڑھے لکھے)

ج۔ امیر المومنین! میں خدا کی تحریر قرآن مجید کے مطابق فیصلہ چاہتا ہوں۔ (انجیل، توریت، قرآن مجید)

د۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب وفات پائی تو کُل سترہ دینار چھوڑے۔ (سترہ، ستر، سترہ ہزار)

ہ۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا ''میں قیامت کے سوا اور کسی دِن سے نہیں ڈرتا۔'' (دِن، شخص، بات)

4۔ سیاق و سباق کے حوالے سے اہم اقتباسات کی تشریح کیجیے۔

الف: ''ان کا ایک اور کارنامہ جو نہایت قابلِ قدر ہے، سلاطینِ بنی اُمیہ کی ناجائز کارروائیوں کا مٹانا تھا۔ سلاطینِ بنی اُمیہ نے ملک کا بڑا حصہ، جو زمینداری کی حیثیت سے رعایا کے قبضے میں تھا، اپنے خاندان کے ممبروں کو جاگیر میں دے دیا تھا، جس طرح سلاطینِ تیموریہ کے زمانے میں بڑے بڑے صوبے شہزادوں کی جاگیر میں دے

دیے جاتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ تختِ خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے ان کو اس کا خیال ہوا لیکن ایسا کرنا تمام خاندانِ خلافت کو دشمن بنالینا تھا۔ تاہم انہوں نے اس کی کچھ پروانہ کی۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ نمبر 2)

حوالہ متن: **سبق کا عنوان** : مناقب عمر عبدالعزیزؒ

مصنف کا نام : علامہ شبلی نعمانی

سیاق وسباق: اس سبق میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے طرزِ حکومت اور ان کی سیرت کے روشن پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دورِ خلافت میں مساوات اور جمہوریت کے اسلامی اصول کو اوّلیت دی۔ غیر مسلموں سے ان کا سلوک اسلامی تعلیمات کے عین مطابق رہا۔ انھوں نے خاندان بنی اُمیہ کے ارکان سے وہ جاگیریں واپس لے لیں جو سلاطین بنی اُمیہ نے انھیں عطا کی تھیں۔ انھوں نے خلیفہ پر تنقید کے قابل سزا جرم ہونے کی بدعت ختم کی اور خود اپنے احتساب کے لیے دو دین دار افراد کو مقرر کیا۔ وہ بالکل عام مسلمانوں کی سی زندگی گزارتے تھے۔ وفات کے وقت ان کے پاس کل سترہ دینار تھے جن میں سے کفن دفن کے بعد بچنے والے دس دینار ورثا میں تقسیم کیے گئے تھے۔

تشریح: حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا طرزِ حکومت اسلامی اصولوں کے بالکل مطابق تھا۔ اسی لیے اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین کے بعد انھیں دیگر تمام حکمرانوں سے زیادہ عزت واحترام حاصل ہے۔ ان کے دیگر کارناموں کے علاوہ ایک بہت نمایاں کارنامہ بنی اُمیہ کے حکمران کی غلط بخشیوں کا تدارک کرنا تھا۔ بنی اُمیہ کے سلاطین نے ملکی اراضی کا ایک بڑا حصہ عام مسلمانوں سے چھین کر اپنے خاندان کے لوگوں میں بطور جاگیر تقسیم کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل سراسر غیر اسلامی تھا۔ اسلامی نقطہ نظر تو یہ ہے کہ صاحبِ اقتدار کو قومی دولت اور وسائل کو قوم کی امانت سمجھنا چاہیے اور قومی فلاح و بہبود پر خرچ کرنا چاہیے لیکن سلاطین بنی اُمیہ نے قومی دولت کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھ لیا تھا۔ ان کا رویہ بالکل وہی تھا جو صدیوں بعد ہندوستان کے مغل بادشاہوں نے اپنایا۔ مغل بادشاہوں نے بھی بڑے بڑے صوبے شہزادوں کو بطور جاگیر دے دیئے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلے بنی اُمیہ کے لوگوں سے یہ جاگیریں واپس لیں۔ خود عمر بن عبدالعزیز کا تعلق بھی خاندانِ بنی اُمیہ سے تھا۔ **جاگیریں واپس لینے کا مطلب** اپنے ہی خاندان کو اپنا دشمن بنالینا تھا لیکن عمر بن عبدالعزیز نے اس بات کی بالکل پروانہ کی اور عوام کی امانت عوام تک واپس پہنچا کر ہی رہے۔

ب: ''بنواُمیہ کے دفترِ اعمال میں سب سے زیادہ قوم کو برباد کرنے والا یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے آزادی اور حق گوئی کا استیصال کر دیا تھا۔ عبدالملک نے تخت پر بیٹھ کر حکم دیا تھا کہ کوئی شخص میری کسی بات پر روک ٹوک نہ کرنے پائے اور جو شخص ایسا کرے گا سزا پائے گا۔ اگرچہ اس پر بھی آزادی پسند عرب کی زبانیں بند نہ ہوئیں تاہم بہت کچھ فرق آ گیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس بدعت کو بالکل مٹا دیا۔ دو نہایت متدین اور راستباز شخص اس کام پر مقرر کیے کہ عدالت کے وقت ان کے پاس موجود رہیں اور ان سے جو غلطی سرزد ہو فوراً ٹوک دیں۔ ان

کے اس طرزِ عمل سے لوگوں کو عام طور پر جرأت ہوگئی تھی اور لوگ نہایت بے باکی سے ان کے اقوال و افعال پر نکتہ چینی کرتے تھے۔'' (سرمایۂ اُردو 12 صفحہ 4)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : مناقب عمر عبدالعزیزؒ

مصنف کا نام : علامہ شبلی نعمانی

سیاق و سباق: شبلی نعمانی نے محدث ابن جوزی کی کتاب ''سیرت العمرین'' کے حوالے سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سیرت و کردار اور طرزِ حکومت کی وضاحت کرنے والے اہم واقعات نقل کیے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کا دورِ خلافت اسلامی طرزِ حکومت کا نمونہ تھا۔ وہ جمہوریت و مساوات کے علمبردار تھے۔ اسی لیے ان کے دورِ اقتدار میں غیر مسلموں کو مساوی شہری حقوق حاصل تھے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے خاندان کے ارکان سے وہ زمینیں واپس لے لیں تھیں جو ان کے پیشرو سلاطین نے بطور جاگیر عطا کی تھیں۔ انھوں نے خلیفہ وقت کے قابل احتساب ہونے کے اسلامی تصور کا احیا کیا تھا۔ ایک عظیم فرماں روا ہونے کے باوجود عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ترکے میں صرف سترہ دینار چھوڑے تھے جن میں سے سات دیناران کی تجہیز و تکفین پر خرچ ہو گئے تھے۔

تشریح: سلاطین بنواُمیہ کے فیصلوں اور کارروائیوں کی فہرست میں یہ بھی شامل ہے کہ انھوں نے آزادیٔ اظہار پر پابندیاں عائد کردی تھیں۔ عرب فطری اور روایتی طور پر بے باک اور جرأتِ اظہار رکھنے والے لوگ تھے لیکن بادشاہوں اور حکام کی سخت گیری ان کی بہادری کو بزدلی میں بدلنے کے درپے تھی۔ عبدالملک نے تخت پر بیٹھتے ہی یہ ناروا حکم جاری کیا تھا کہ کوئی فرد میری کسی بات، کسی کام پر تنقید کی جرأت نہ کرے، جو ایسا کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ یہ حکم سراسر غیر اسلامی تھا۔ اسلامی طرزِ حکومت میں خلیفہ سمیت کوئی حکومتی عہدیدار قانون سے بالاتر نہیں اور قوم کے ہر فرد کو اس کے اعمال و افعال پر نکتہ چینی اور جواب طلبی کا پورا حق ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں ہمیں اس خودکار احتسابی سسٹم کی کارفرمائی کے کئی نمونے ملتے ہیں۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر فرماں روا سے ایک عام آدمی یہ سوال کرتا ہے کہ آپ نے مالِ غنیمت سے ملنے والی چادر میں سے اپنا کرتا کیسے تیار کرلیا۔ آپ کا قد لمبا ہے، کہیں آپ نے ایک کے بجائے دو چادریں تو نہیں لیں۔ سلاطین بنواُمیہ نے اسلامی نظامِ سلطنت کے اس روشن پہلو کو فراموش کر دیا تھا۔ حکومت پر تنقید کا سلسلہ بالکل ختم تو نہ ہوا تھا۔ تاہم پہلے کی طرح اظہارِ رائے کی مکمل آزادی بھی نہ تھی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت سنبھالی تو اس برائی کا خاتمہ کردیا۔ اپنا احتساب یقینی بنانے کے لیے انھوں نے دو انتہائی سچے، کھرے اور دین دار لوگوں کو متعین کیا کہ وہ عدالت کے وقت ان کے پاس موجود رہیں اور ان سے کوئی غلطی سرزد ہو تو فوراً ٹوک دیں۔ عام لوگوں نے جب خلیفہ کا یہ طرزِ عمل دیکھا تو ان میں جرأتِ اظہار پیدا ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں لوگ کسی خوف کے بغیر ان کے فیصلوں اور احکامات پر تنقید کیا کرتے تھے اور یہ تنقید اسلامی جمہوریت کے اصول آزادیٔ اظہار کے عین مطابق تھی۔ اس طرزِ عمل سے حکومتی عہدیداروں اور عمال تک یہ پیغام پہنچتا تھا کہ عوام ان کی کارکردگی کا

جائزہ لے رہے ہیں اور ان کی بدعملی یا بدعنوانی پر قوم کسی صورت میں خاموش نہیں رہے گی۔

ج: ''عمر بن عبدالعزیزؒ کی حکومت و سلطنت کا اصل اصول مساوات اور جمہوریت تھا۔ یعنی یہ کہ تمام لوگ یکساں حقوق رکھتے ہیں اور بادشاہ کو کسی پر کسی قسم کی ترجیح حاصل نہیں۔ صرف ملکی اُمور میں نہیں بلکہ معاشرت اور ذاتی زندگی میں بھی وہ اِس کا لحاظ رکھتے تھے۔ ان کے کھانے کا یہ طریقہ تھا کہ عام مسلمانوں کے لیے جو لنگر خانہ تھا اس میں ایک درہم روز بھیج دیا کرتے تھے اور وہیں جا کر عام مسلمانوں کے ساتھ کھا لیتے تھے۔'' (سرمایۂ اُردو 12 صفحہ 5)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : مناقب عمر عبدالعزیزؒ

مصنف کا نام : علامہ شبلی نعمانی

سیاق و سباق: اس سبق میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے طرزِ حکومت، غیر مسلموں سے حسن سلوک، تقویٰ اور خدا خوفی کا تذکرہ بہت موثر اور دلنشیں انداز میں کیا گیا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ امیر المومنین ہونے کے باوجود عام مسلمانوں جیسی معاشرت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے اہلِ خاندان سے وہ جاگیریں واپس لے لی تھیں جو سلاطین بنو اُمیہ نے ناجائز طور پر ان میں تقسیم کی تھیں۔ عمرؒ بن عبدالعزیز غیر مسلموں کے حقوق کا پورا خیال رکھتے تھے۔ انھوں نے مساوات اور جمہوریت کے اسلامی اصول ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ انھوں نے دو نہایت دیندار افراد کے ذمے یہ کام لگا دیا تھا کہ عدالت میں ان سے کوئی غلطی ہو تو فوراً ٹوک دیں۔ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ترکے میں صرف سترہ دینار چھوڑے تھے۔ تجہیز و تکفین کے بعد بچنے والے دس دینار ان کے ورثا میں تقسیم کیے گئے تھے۔

تشریح: حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت اور اندازِ حکومت کا جائزہ لینے سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے سلاطین بنی اُمیہ کی سابقہ روایات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے جمہوریت و مساوات کے زریں اسلامی اصول کو اپنا رہنما بنایا تھا اور خلفائے راشدین کے دور کی یاد تازہ کر دی تھی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر فرد کچھ بنیادی انسانی حقوق رکھتا ہے جن کا احترام حکومت وقت اور معاشرے پر فرض ہے۔ عمرؒ بن عبدالعزیز نے ان بنیادی انسانی حقوق کی نگہداشت کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا۔ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ حکمران کو عام فرد پر کسی قسم کی ترجیح حاصل نہیں اس کی ذاتی اور معاشرتی زندگی بالکل عام مسلمان کی سی ہونی چاہیے۔ عمرؒ بن عبدالعزیز نے اس اسلامی اصول کا بھی پورا خیال رکھا۔ انھوں نے خاندان بنی اُمیہ کے افراد کو ان جاگیروں اور ناجائز مراعات سے محروم کر دیا جو ان کے پیشرو حکمرانوں نے اقربا پروری کی مثال قائم کرتے ہوئے اپنے اہلِ خاندان کے لیے مخصوص کر دی تھیں۔ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود عمر بن عبدالعزیز عام مسلمانوں کے لنگر خانہ میں ایک درہم روزانہ بھیج دیتے تھے اور وہیں جا کر کھانا کھا لیتے تھے۔ ان کی یہ شعوری کوشش تھی کہ عام مسلمانوں کو یہ احساس ہو کہ خلیفہ بھی انھی کی طرح عام انسان ہے اور اسے کوئی خصوصی حقوق یا مراعات حاصل نہیں۔ دراصل یہ احساس ہی اسلامی جمہوریت کی بنیاد ہے۔ عام فرد میں یہ احساس موجود ہو تو پھر وہ اپنے حکمران کے ہر عمل اور ہر

فیصلے پر جواب طلبی کر سکتا ہے اور اسے حکومتِ وقت کا احتساب کرتے ہوئے کوئی خوف نہیں آتا۔

مزید معروضی سوالات

س: عباس کے خلاف دعویٰ کرنے والے عیسائی نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے کیا کہا؟

ج: عیسائی نے کہا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے بیٹے عباس نے میری زمین پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے اور میں خدا کی تحریر (قرآن مجید) کے مطابق فیصلہ چاہتا ہوں۔

س: عمر بن عبدالعزیزؒ نے عباس سے کیا کہا؟

ج: عمرؒ بن عبدالعزیز نے عباس سے کہا۔ عباس! خدا کی تحریر تیرے باپ (ولید بن عبدالملک) کی تحریر پر مقدم ہے اور عیسائی کے حق میں فیصلہ سُنا دیا۔

س: اُم عمر نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے کس خدشے کا اظہار کیا؟

ج: اُم عمر نے کہا کہ جاگیریں واپس لینے کے فیصلے پر تمام خاندان برہم ہے' مجھ کو ڈر ہے کہ عام بغاوت نہ ہو جائے اور لوگ ہنگامہ نہ کر دیں۔

س: عمرؒ بن عبدالعزیز نے اُم عمر کو کیا جواب دیا؟

ج: عمرؒ بن عبدالعزیز نے اُم عمر کو جواب دیا کہ میں قیامت کے سوا اور کسی دن سے نہیں ڈرتا۔ وہ مایوس ہو کر چلی گئیں۔

س: عمرؒ بن عبدالعزیز کے صاحبزادے نے کیا رائے دی؟

ج: ان کے صاحبزادے عبدالملک نے کہا کہ آپ کو سب زمینیں واپس کر دینی چاہئیں ورنہ آپ کا شمار بھی ظالموں اور غاصبوں میں ہوگا۔

س: عمرؒ بن عبدالعزیز کے غلام نے کیا رائے دی؟

ج: ان کے غلام مزاحم نے کہا امیر المومنین! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے بال بچے کتنے ہیں یعنی ان کا گزر کیونکر ہوگا۔

س: عمرؒ بن عبدالعزیز نے مسجد میں کیا اعلان کیا؟

ج: عمرؒ بن عبدالعزیز نے کہا کہ صاحبو! میں ان تمام زمینوں کو جو لوگوں نے ہمارے خاندان کو دی تھیں، واپس کرتا ہوں کیونکہ دینے والوں کو دینے کا اور ہمیں لینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ انہوں نے جاگیروں کی سندیں قینچی سے کتر کر پھینک دیں۔

س: عمرؒ بن عبدالعزیز نے مسلم بن عبدالملک سے کیا کہا؟

ج: انہوں نے کہا کہ تمہارا فریق مقدمہ کھڑا ہے۔ اس لیے تم بیٹھ نہیں سکتے۔ اس کے برابر کھڑے ہو جاؤ یا کسی اور کو مقرر کر دو جو تمہاری طرف سے مقدمے کی پیروی کرے۔

س: عمرؒ بن عبدالعزیز کی سلطنت کا اصل اصول کیا تھا؟

ج: عمرؒ بن عبدالعزیز کی سلطنت کا اصل اصول یہ تھا کہ تمام لوگ یکساں حقوق رکھتے ہیں۔ ملک میں مساوات اور جمہوریت ہونی چاہیے۔ بادشاہ کو کسی قسم کی ترجیح حاصل نہیں۔

س: مسجد میں کیا واقعہ پیش آیا؟

ج: مسجد میں تاریکی کی وجہ سے عمرؒ بن عبدالعزیز کا پاؤں صحن میں لیٹے شخص سے ٹکرایا اس نے کہا کیا تو پاگل ہے۔ عمرؒ بن عبدالعزیز نے جواب دیا نہیں۔ پولیس نے اسے سزا دینا چاہی تو روک دیا۔

س: عمرؒ بن عبدالعزیز نے کتنے دینار چھوڑے؟

ج: انہوں نے وفات پائی تو کل سترہ دینار چھوڑے۔ تجہیز و تکفین کے مصارف ادا کرنے کے بعد دس دینار بچے جو ورثا میں تقسیم کر دیے گئے۔

○○○

2۔ تشکیلِ پاکستان ـــ میاں بشیر احمد

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 8: ○ **تشکیل:** شکل دینا ○ اورنگ زیب عالمگیر: مشہور مغل بادشاہ جس نے ہندوستان پر نصف صدی تک حکومت کی ○ **تکمیل:** مکمل ہونا ○ احیا: زندگی بخشنا، زندہ کرنا ○ اصلاح: درستی ○ شاہ ولی اللہؒ: اٹھارہویں صدی عیسوی کے عظیم عالم دین ○ شاہ عبدالعزیز: شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے جو خود بھی عظیم عالم دین تھے ○ واقفیت: آگاہی ○ مذموم: قابلِ مذمت ○ تخریب: خراب کرنا، بگاڑنا ○ مصلح: اصلاح کرنے والا ○ قبائل: قبیلہ کی جمع۔

صفحہ نمبر 9: ○ **مساعی:** مسعات کی جمع، جدوجہد ○ جانشین: جگہ لینے والا ○ عقیدت مند: عقیدت رکھنے والا ○ فرائضی تحریک: اس کے قائد حاجی شریعت اللہ تھے، تحریک کے مقاصد میں مسلمانوں کو ہندوؤں کے استحصال سے بچانا اور غلط رسوم کا خاتمہ شامل تھا ○ ناگفتہ بہ: ناقابلِ بیان ○ ذلت: بے عزتی ○ بتدریج: آہستہ آہستہ ○ عتاب: غصہ، سختی ○ پسپا ہونا: پیچھے ہٹنا، شکست کھانا ○ بیزار: اُکتایا ہوا ○ بے رُخی: بے توجہی ○ دُوراندیش: دُور کی سوچنے والا، عقلمند ○ ہمدردِ ملت: قوم کا ہمدرد ○ پسماندہ: غیر ترقی یافتہ ○ گو: اگرچہ ○ قدامت پسند: روایات پسند، پرانی سوچ رکھنے والے ○ دِقت: مشکل ○ قدردانی: قدر جاننا، اہمیت پہچاننا

صفحہ نمبر 10: ○ منادی: اعلان ○ موقوف کرنا: ترک کرنا ○ خوشنودی: خوشی، رضامندی ○ پیشِ نظر: نظر کے سامنے ○ پے در پے: مسلسل ○ خوابِ گراں: گہری نیند ○ رفقا: رفیق کی جمع، دوست، ساتھی ○ محسن الملک: سرسیّد کے قریبی ساتھی جو ان کی وفات کے بعد علی گڑھ کالج کی مجلس منتظمہ کے سیکرٹری بنائے گئے ○ وقار الملک: سرسیّد کے قریبی ساتھی، انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام میں اہم کردار ادا کیا ○ حالی: مولانا الطاف حسین حالی، اُردو کے اہم شاعر، پہلے سوانح نگار اور نقاد، یہ بھی سرسیّد کی تحریک کے اہم رکن تھے ○ نذیر احمد: مولوی نذیر احمد دہلوی، اُردو کے پہلے ناول نگار، سرسیّد کے اہم رفیق کار تھے ○ ذکاء اللہ: سرسیّد کے قریبی ساتھی ○ شبلی: علامہ شبلی نعمانی، سیرت نگار، سوانح نگار، شاعر، نقاد، مؤرخ اور عالم دین تھے، علی گڑھ میں پروفیسر بھی رہے ○ مسدس: مولانا الطاف حسین حالی کی مشہور نظم جسے ہندوستان بھر کے مسلمانوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

صفحہ نمبر 11: ○ گزشتہ عظمت: ماضی کی عظمت، وہ عروج جو گزر چکا ○ امیر علی: سرسیّد کے ساتھی جو جج بھی رہے ○ وقعت: اہمیت ○ تحریکات: تحریکیں ○ رُونما ہوئے: سامنے آئے ○ علم الکلام: مذہبی امور کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کا علم ○ بروئے کار آنا: کام میں آنا ○ بیگانگی: دُوری، اجنبیت ○ غائر: گہرا، وسیع ○ اجتماعی: مجموعی ○ نشوونما: پرورش، بڑھنا، پھولنا ○ اطاعت: حکم ماننا، فرماں برداری ○ ضبطِ نفس: نفس کی خواہشات پر قابو پانا ○ نیابتِ الٰہی: اللہ تعالیٰ کا نائب ہونا ○ پرتوفگن: روشنی دینے والا، شعاع ڈالنے والا

○ارتقا: بلندی کی طرف بڑھنا، ترقی ○رجائیت: پر اُمید ہونا، معاملے کے روشن پہلو پہ نظر رکھنا۔

صفحہ نمبر 12 : ○لحظہ: لمحہ، ○آن: عزت، ○گفتار: گفتگو ○کردار: سیرت، عمل ○برہان: قطعی دلیل، جس میں کوئی شبہ نہ ہو ○قہاری: قہر والا ہونا، غصے والا ہونا، قہار اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے ○غفاری: بڑا بخشنے والا، ہونا، غفار بھی اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے ○قدوسی: سب سے زیادہ پاک ہونا، قدوس بھی اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے ○جبروت: عظمت، جلال ○عناصر: اجزا ○لالہ: سرخ رنگ کا پھول ○دہل جانا: خوفزدہ ہونا، ڈر جانا ○جابجا: جگہ جگہ ○انحطاط: زوال، کمی ○منجملہ: سب میں سے، تمام میں سے ○ترقیات: ترقیاں ○متمدن: تہذیب یافتہ ○ہیٹے نہیں رہتے: پیچھے نہیں رہتے، کمتر نہیں ہیں ○اظہر من الشمس: سورج سے زیادہ نمایاں، بہت واضح ○اکارت: ناکارہ، بے فائدہ

صفحہ نمبر 13 : ○بالعموم: عام طور پر ○دگرگوں: اُلٹ پلٹ، متغیر ○حکماً: حکم دے کر، حکم کے ذریعے سے ○تنسیخ: منسوخ کرنا ○میثاق لکھنؤ: کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ۱۹۱۶ء میں طے پانے والا مشہور معاہدہ ○جنگ بلقان وطرابلس: یورپی ملکوں اور ترکی کے درمیان لڑی جانے والی جنگیں ○سیلف گورنمنٹ: حکومت خوداختیاری

صفحہ نمبر 14 : ○طوطے کی طرح آنکھیں پھیرنا: بے وفائی کرنا، دیرینہ تعلقات کو اچانک فراموش کر دینا ○ٹھان لیا: پختہ ارادہ کر لیا ○حصے بخرے کرنا: حصے تقسیم کرنا، آپس میں بانٹنا ○علی برادران: مسلمانوں کے عظیم رہنما مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی ○عدم تعاون کی تحریک: جدوجہد آزادی کی اہم تحریک جس کے دوران میں ہندوستان کے رہنے والوں نے انگریز حکومت کے قوانین پر عملدرآمد سے انکار کیا۔ غیر ملکی مال کی خرید وفروخت ختم کر دی گئی ○شدھی: ہندوؤں کی تحریک جس کا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا ○سنگھٹن: مسلمانوں کا الگ تشخص ختم کرنے کی پرتشدد ہندو تحریک ○سائمن کمیشن: برطانوی حکومت کی طرف سے ہندوستان بھیجا گیا وفد جس کے سربراہ سر جان سائمن تھے ○مسلم کش: مسلمانوں کو ختم کرنے والا ○نہرو رپورٹ: کانگریسی رہنما جواہر لال نہرو کی تیار کردہ رپورٹ ○مسٹر جناح کے چودہ نکات: قائداعظم کی مشہور آئینی اور قانونی تجاویز اور مطالبات جن کا مقصد مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرنا تھا ○ہٹ دھرمی: ضد پر قائم رہنا ○سر پھر گیا: دماغ خراب ہو گیا ○ملیامیٹ کر دینا: مٹا دینا، وجود ختم کر دینا ○مصمم ارادہ: پختہ ارادہ

صفحہ نمبر 15 : ○مدغم کرنا: ضم کر دینا، ملا دینا ○علانیہ وخفیہ: ظاہری اور چھپی ہوئی ○جمعیۃ العلما: مسلمانوں کی مذہبی تنظیم جس کے اکثر رہنماؤں کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے تھا ○خدائی خدمتگار: سرحد کے مسلمانوں کی تنظیم جس کے لیڈر خان عبدالغفار خان کو سرحدی گاندھی کہا جاتا تھا ○مجلس احرار: حریت پسند مسلمانوں کی تنظیم جس نے انگریز کے خلاف دلیرانہ سیاسی جدوجہد کی ○نیشنلسٹ: قوم پرست ○قومی ہستی: قومی وجود ○لاجواب: جس کا جواب نہ ہو، بے مثال ○پراگندہ: منتشر، پریشان ○اقلیت: وہ قوم جو تعداد میں کم ہو ○برقی رو: بجلی کی لہر

○ مراعات: رعایتیں، ○ دعویدار: دعویٰ کرنے والا

صفحہ نمبر 16: ○ یونینسٹ وزارت: یونینسٹ پارٹی کی حکومت ○ وضع کی گئی: بنائی گئی ○ گتھی سلجھانا: مسئلہ حل کرنا ○ سکیم: منصوبہ، تجویز ○ مناقشات: مناقشہ کی جمع، جھگڑے ○ فسادات: لڑایاں، جھگڑے، پرتشدد کارروائیاں ○ دستور: آئین

صفحہ نمبر 17: ○ یکساں: مساوی ○ معرض التوا میں رکھنا: ملتوی رکھنا، تاخیر کرنا ○ اخیر سال تک: سال کے آخر تک ○ منظم سازش: سوچی سمجھی سازش ○ تہ تیغ کرنا: قتل کرنا ○ فرزندانِ توحید: مسلمان ○ پھل لائیں: کامیاب ہوئیں ○ برعظیم: خشکی کا بڑا ٹکڑا ○ قوت آفریں تغیر: قوت پیدا کرنے والا انقلاب ○ ملت اسلامیہ: مسلمان قوم ○ روز بروز: ہر روز، وقت کے ساتھ ساتھ ○ ترقی پرور: ترقی کے عمل کو آگے بڑھانے والا ○ مساوی: یکساں، برابر ○ کارکن: کام کرنے والا ○ بیت المال: اسلامی حکومت کا قومی خزانہ ○ نصب العین: مقصد ○ ڈنکا بجانا: مشہور کرنا ○ مطلق العنان: تمام اختیارات کا مالک ○ حامل: رکھنے والا

صفحہ نمبر 18: ○ خلفائے راشدین: یہ چار ہیں، خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ، خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ اور خلیفہ چہارم حضرت علی المرتضیٰؓ ○ عہد: دَور ○ خود اعتمادی: اپنی صلاحیتوں پہ بھروسا ○ انکسار: عجز ○ تقویٰ: خوف خدا، پرہیزگاری ○ چرخ نیلی فام: نیلے رنگ کا آسمان ○ گردِ راہ: راستے کی مٹی، راستے کا گرد و غبار ○ کارواں: قافلہ

کردار شخصیات، واقعات، مقامات

اورنگزیب عالمگیر: مشہور مغل فرمانروا جو ہندوستان میں اسلامی اقدار و روایات کو دوبارہ زندہ کرنے اور انہیں فروغ دینے کے داعی تھے۔ انہوں نے پچاس برس تک حکومت کی۔ ان میں دُنیادار بادشاہوں کی سی کوئی بات نہ تھی، چونکہ مغل سلطنت اندرونی طور پر بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اس لیے اورنگ زیب کی بہترین کوششیں بھی اس کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اورنگ زیب کے فوت ہوتے ہی سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔

شاہ ولی اللہؒ (1763ء۔1703ء): معروف عالم دین، محدث اور دینی مفکر، ہندوستان میں اسلامی روایات کو زندہ کرنے اور مستحکم کرنے میں علمی اور سیاسی سطح پر آپؒ نے اہم کردار ادا کیا۔ مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے احمد شاہ ابدالی کو آپؒ ہی نے ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ اُس وقت ہندوستان میں ایسی کوئی طاقت نہ تھی جو اس فتنے کا مقابلہ کرنے کی ہمت کرتی۔ قرآن پاک کا سب سے پہلے فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کی سعادت آپ ہی کے حصے میں آئی۔

شاہ عبدالعزیزؒ (1746ء۔1823ء): شاہ ولی اللہؒ کے بڑے صاحبزادے کا نام۔ آپؒ کی دینی خدمات بھی بہت اہم ہیں۔ اس زمانے میں یورپ کے عیسائی پادری ہندوستان میں بڑے زور شور سے عیسائیت کا پرچار کرنے لگے تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے بڑی کامیابی سے ان کا مقابلہ کیا۔

سیّد احمد بریلوی (1786ء۔ 1831ء): ہندوستان میں چلائی جانے والی مشہور تحریک' تحریک مجاہدین کے امیر' جنہوں نے اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے جہاد کی روایت زندہ کی۔ صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں اسلامی شریعت نافذ بھی کی۔ سکھوں کے خلاف بالاکوٹ کے مقام پر جنگ ہوئی۔ بعض سرحدی پٹھانوں کی بدعہدی کی وجہ سے جنگ میں شکست ہوئی اور بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ ان کا مزار اب بھی بالاکوٹ میں مرجع خلائق ہے۔

ع ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں

علامہ اقبالؒ کی نظم خضر راہ (بانگ درا) کا ایک مصرع ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں
حق ترا چشمے عطا کرد است غافل درنگر

یہ شعر بیسوی صدی کے شروع میں ترکوں اور عربوں کے ساتھ لڑائی اور بعد میں ترکوں کی شکست کے پس منظر میں کہا گیا تھا۔ یعنی غیر مسلم قوتوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو نقصان اُٹھانا پڑا۔ اس سانحے کے نتیجے میں ملت اسلامیہ کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو آنکھیں عطا کی ہیں ان سے کام لیتے ہوئے صورت حال کا جائزہ لے کر غور و خوض کرنا ضروری ہے۔ مضمون کے مصنف مہ باں بشیر احمد نے اس مقام پر مصرع لکھ کر یہ تاثر دیا ہے کہ اگرچہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت چھن گئی ہے۔ انگریز قابض ہو گئے ہیں لیکن غور کرنا چاہیے اور اصلاح احوال کی کوشش کرنی چاہیے۔

تہذیب الاخلاق: سرسیّد احمد خاں کا جاری کردہ رسالہ جس نے اُردو ادب اور مسلمانوں کی معاشرتی اور سماجی اصلاح کے سلسلے میں اہم خدمات سرانجام دیں۔

محسن الملک (1837ء۔ 1907ء): سرسیّد احمد خاں کے ایک قریبی ساتھی۔ سرسیّد کی وفات 1898ء کے بعد سے اپنی وفات (1907ء) تک علی گڑھ کالج کے سیکرٹری رہے۔ آپ نے علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دلانے کے لیے بہت محنت کی۔

وقار الملک: سرسیّد احمد خاں کے بہت قریبی ساتھی جن کے بارے میں سرسیّد احمد خاں نے خود لکھا ہے: ''منشی مشتاق حسین وقار الملک سررشتہ دار عدالت نہایت لائق' نہایت محنتی' نہایت کارگزار' نہایت فہیم اور نہایت زود نویس و خوش خط افسر ہے۔ اس افسر کی دیانت داری پر مجھ کو ایسا یقین ہے جیسا کہ اپنی موت پر۔''

تقسیم بنگال: بنگال ایک بہت بڑا صوبہ تھا۔ انتظامی اعتبار سے اتنے بڑے صوبے کا انتظام بہت مشکل تھا۔ اس لیے انگریزوں نے 1905ء میں اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ سے مسلمانوں کو ملازمتوں اور دیگر معاملات میں کچھ فائدہ حاصل ہو گیا۔ اس بات پر ہندو بہت ناراض ہوئے۔ کیونکہ وہ کوئی ایسی بات برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے جس میں مسلمانوں کا بھلا ہو۔ انہوں نے تقسیم بنگال کے خلاف زبردست احتجاجی مہم چلائی۔ انگریز بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ ہندوؤں کے حق میں تھے۔

تنسیخ تقسیم بنگال: ہندوؤں کی احتجاجی مہم اور دل سے مسلمانوں کے خلاف ہونے کی بنا پر انگریزوں نے ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر 1909ء میں تقسیم بنگال کو منسوخ کر کے دو صوبوں کو ایک ہی صوبہ بنا دیا۔

یو۔ پی: ہندوستان کا شمالی صوبہ۔ اُتر پردیش۔

اُردو ہندی جھگڑا: اردو زبان کو ہندو مسلمانوں کی زبان سمجھتے تھے۔ اِس لیے اُردو کے خلاف تھے اور ہندی زبان رائج کروانا چاہتے تھے۔

انتھونی میکڈالڈ: صوبہ یو۔ پی کا گورنر جو مسلمانوں اور اردو زبان کے خلاف خدا واسطے کا بیر رکھتا تھا۔ جب وہ صوبہ بہار کا کلکٹر تھا تو اس نے بہار میں ہندی زبان رائج کرنے کا حکم جاری کیا تھا، چنانچہ اس نے یو۔ پی میں بھی حکماً ہندی زبان اور دیوناگری خط رائج کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا۔

اصلاحات: 1909ء میں منٹو مارلے اصلاحات کی طرف اشارہ ہے، جس کی رُو سے مسلمانوں کا جداگانہ انتخابات کا مطالبہ مان لیا گیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

جنگِ بلقان اور جنگِ طرابلس: یورپ کی بلقانی ریاستوں نے مل کر ترکی پر حملہ کر دیا۔ اس لڑائی کو جنگ بلقان کہتے ہیں۔ اٹلی نے 1912ء میں لیبیا (طرابلس) پر حملہ کر دیا۔ اس لڑائی کو جنگِ طرابلس کہتے ہیں۔

مسلم لیگ: مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم، 1906ء میں نواب سلیم اللہ کے ایما پر ڈھاکا میں قائم ہوئی۔

سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ: 1913ء میں مسلم لیگ نے تاجِ برطانیہ کے تحت ہندوستان میں خود مختار طرزِ حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا۔

میثاقِ لکھنؤ: قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان 1916ء کو لکھنؤ میں ایک معاہدہ ہوا جس میں کانگریس نے مسلمانوں کے بیشتر مطالبات تسلیم کر لیے۔ انگریزی دور میں ہندو مسلم اتحاد کی یہ پہلی کامیاب کوشش تھی۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے جداگانہ حقِ انتخاب کو پہلی اور آخری بار تسلیم کیا۔ اس معاہدہ کی بدولت، قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' قرار دیا گیا۔

ظالمانہ قوانین رولٹ ایکٹ: 1919ء کے قوانین کی طرف اشارہ ہے جو رولٹ ایکٹ کہلائے جس کی رُو سے قرار پایا کہ کسی شخص کا جرم ثابت کرنا پولیس کی ذمہ داری میں ہے بلکہ ملزم یا مجرم کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بے گناہی ثابت کرے۔ ہمارے ہاں آج تک اس قانون پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔

1919ء ہی میں امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا خونی سانحہ پیش آیا اور حکومت نے مارشل لا نافذ کر دیا۔

عدم تعاون کی تحریک: مراد ہے تحریکِ ترکِ موالات جس کے رہنما گاندھی جی، محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی

تھے۔ احتجاج کا طریقہ یہ تھا کہ انگریزی خطابات واپس کر دیے جائیں' نوکریاں چھوڑ دی جائیں' انگریزی امداد پانے والے اداروں میں تعلیم حاصل نہ کی جائے۔ انگریزی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے اور حکومت کے ہر حکم کے خلاف عمل کیا جائے۔

شدھی اور سنگھٹن تحریکیں: مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے ہندوؤں کی تحریکیں' جن سے مسلمان ہندوؤں کے خلاف ہوئے۔

سائمن کمیشن: انگریزی حکومت نے ہندوستان کے سیاسی حالات کا جائزہ لینے کے لیے نومبر 1927ء میں مسٹر سائمن کی سربراہی میں ایک کمیشن ہندوستان بھیجا جس کا کوئی ممبر بھی ہندوستانی نہ تھا۔ سب انگریز تھے۔ اس لیے بیشتر ہندوستانی جماعتوں نے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔

آل انڈیا کانفرنس: سائمن کمیشن کے جواب میں آل پارٹیز کانفرنس بلائی گئی جس نے دستور کے بنیادی اصول مرتب کرنے کے لیے ایک مختصر سی کمیٹی تشکیل دی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اس کمیٹی کے صدر تھے۔

نہرو رپورٹ: آل پارٹیز کانفرنس میں قائم کی جانے والی کمیٹی نے جو رپورٹ مرتب کی مسلمانوں کے نقطہ نظر سے وہ بہت مایوس کن تھی۔ یہ نہرو رپورٹ کہلاتی ہے۔

جناح کے چودہ نکات: نہرو رپورٹ پر غور کرنے کے لیے 31 دسمبر 1928ء اور یکم جنوری 1929ء کو دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہوئی۔ جناح کی مسلم لیگ نے اس میں شرکت نہیں کی تھی۔ مارچ 1929ء میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ دہلی میں ایک قرارداد پاس کی گئی' جس میں مسلمانوں کے کم از کم دستوری مطالبات کو جناح کے چودہ نکات کی صورت میں پیش کیا گیا۔

گول میز کانفرنس: سیاسی مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے محمد علی جناح کے مطالبے پر لندن میں گول میز کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ پہلی گول میز کانفرنس نومبر 1930ء تا جنوری 1931ء' دوسری گول میز کانفرنس ستمبر 1931ء اور تیسری گول میز کانفرنس آخر 1932ء تا آغاز 1933ء منعقد ہوئی۔ آخری دو کانفرنسوں میں علامہ اقبالؒ نے بھی شرکت کی تھی۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ: چونکہ گول میز کانفرنسوں میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا تھا۔ اس لیے حکومتِ برطانیہ نے اپنی مرضی سے نیا دستوری قانون نافذ کر دیا جس میں صوبوں کو مزید اختیارات دیئے گئے۔

اعلانیہ اور خفیہ مساعی: 1937ء کے انتخابات کے نتیجے میں کانگریس کو کئی صوبوں میں وزارتیں بنانے کا موقع ملا تو اس نے کئی اقدامات کیے جو اُس کی مسلمان دشمن ذہنیت کے آئینہ دار تھے' وارد ھا سکیم' ودیا مندر سکیم اور ایسے ہی دوسرے اقدامات کا مقصد ہندو ازم کو فروغ دینا تھا اور مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو مٹانا تھا۔

خدائی خدمتگار: سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کی جماعت کو کہا جاتا ہے جنہیں سرخ پوش بھی کہتے ہیں۔

مجلسِ احرار: تحریکِ آزادی میں حصہ لینے والی ایک تنظیم جو متحدہ ہندوستان کی حامی تھی۔ چودھری فضل حق'

مولانا ظفر علی خاں اور خاص طور پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس مجلس کے ساتھ وابستہ رہے۔

شملہ کانفرنس: برطانوی کابینہ کے تین وزرا لارڈ پیتھک لارنس، سر سٹیفرڈ کرپس اور اے ڈی الیگزینڈر پر مشتمل وفد مارچ 1946ء میں ہندوستان آیا تاکہ یہاں کے حالات کا جائزہ لے کر ہندوستان کے دستوری مسئلے کا قابلِ عمل حل تلاش کرے۔ اس وفد نے 27 اپریل 1946ء کو کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کا ایک اجلاس شملہ میں طلب کیا مگر شملہ کانفرنس میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

وزارتی مشن: برطانوی کابینہ کے تین وزراء لارڈ پیتھک لارنس، سر سٹیفرڈ کرپس اور اے ڈی الیگزینڈر پر مشتمل وفد کی ہندوستان آمد کو وزارتی مشن کہا جاتا ہے اسی وفد نے شملہ کانفرنس کا اجلاس طلب کیا۔

سبق کا خلاصہ

ہندوستان میں اسلامی حکومت اگرچہ 1857ء تک قائم رہی لیکن دراصل اس کی طاقت اٹھارہویں صدی کے وسط تک ختم ہو چکی تھی۔ 1803ء میں انگریز دہلی میں داخل ہو گئے تھے۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی کوششوں سے علم دوست مسلمان حقیقی اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہو رہے تھے لیکن مسلمان عوام نے ہندوؤں کی طرح مذموم معاشرتی رسوم اپنا رکھی تھیں۔ اس نازک دور میں ایک پرخلوص مصلح سید احمد بریلوی نے 1816ء تا 1831ء مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی خرابیاں دور کرنے کی پوری کوشش کی۔ 1826ء میں سکھوں کے خلاف جہاد شروع کیا سات ہزار مجاہدین پشاور کے قریب فتح یاب ہوئے۔ سید احمد نے قبائل کی معاشرتی اصلاح کے احکام نافذ کیے بعض سرداروں کی غداری سے مسلمانوں کو شکست ہوئی اور سید احمد 6 مئی 1831ء کو بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ ان کا اصلاحی کام ان کے جانشینوں نے جاری رکھا۔ سرسید ان کے عقیدت مند تھے۔ بہار میں فرائضی تحریک شروع ہوئی جس کا مقصد غریب مسلمانوں کی امداد اور اصلاح تھا۔

1837ء میں فارسی عدالتوں سے خارج کی گئی۔ 1857ء کے بعد انگریز حکمرانوں نے مسلمانوں سے زمینیں اور عہدے چھین لیے۔ اسلامی تعلیم کے ذرائع ختم کر دیے۔ ان مظالم کے باعث مسلمان، انگریز اور اس کے اداروں سے بیزار ہو گئے۔ ہندوؤں کی بے رُخی نے یہ بیزاری بڑھائی۔ ان ابتر حالات میں سرسید نے قوم کو جدید زمانے کی ضروریات سے آگاہ کرتے ہوئے اُمید، محنت اور ترقی کا پیغام دیا۔ انہیں نئے علوم سیکھنے اور حکومت سے تعاون کرنے پر آمادہ کیا۔ سرسید نے اپنی کتابوں اور رسالہ تہذیب الاخلاق سے اسلام کو عقل کے اصولوں کے مطابق ثابت کیا۔ 1877ء میں علی گڑھ کالج کا افتتاح ہوا۔ 1884ء میں سرسید پنجاب آئے جس سے علی گڑھ کے مشن کو تقویت ملی اور لاہور میں انجمن حمایت اسلام قائم ہوئی۔ 1867ء میں بنارس کے ہندوؤں کی اُردو مخالف سوچ اور جدوجہد نے سرسید کے دل میں یقین پیدا کر دیا تھا کہ اب ہندو مسلم بطور قوم ساتھ نہیں چل سکتے۔ اسی لیے 1885 میں کانگریس قائم ہوئی تو سرسید نے مسلمانوں کو اس میں شرکت سے روکا۔ انہوں نے 1886ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ وہ انگریزوں کی خوشنودی نہیں بلکہ

مسلمانوں کی ترقی چاہتے تھے۔ 1898ء میں ان کا انتقال ہوا تو مسلمان جاگ چکے تھے۔ سرسیّد کے رفقا میں سے محسن الملک نے کالج کو ترقی دی۔ وقار الملک ایک سیاسی جماعت کی تشکیل میں معاون ہوئے۔ حالی، شبلی اور امیر علی نے مختلف ادبی کارنامے انجام دیے۔ سرسیّد، امیر علی اور دیگر بزرگوں نے اسلام اور مغربی علوم کو ملایا تو اس کے ردِ عمل میں شبلی نے لکھنؤ میں ندوۃ العلما قائم کیا اور دیوبند میں علما نے قدیم طرز کی درس گاہ قائم کی۔ اس طرح مذہب سے بیگانگی تو کم ہوگئی لیکن مغرب بیزاری کا رویہ حد سے بڑھ گیا۔ اقبال نے اسلامی اور مغربی علوم کا مطالعہ کر کے اپنا فلسفہ پیش کیا وہ کہتے ہیں کہ اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی کی منزلیں طے کر کے انسان خودی کی بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔ اسے مذہب کی رہنمائی چاہیے۔ اقبال نے توحید، عشقِ رسول ﷺ اور پیروی رسول ﷺ، قرآن کے مطالعہ اور رجائیت پر زور دیا۔ ان کے خیال میں سچا مومن اللہ کی برہان ہے اور مسلمان قہاری، غفاری، قدوسی اور جبروت کا مجموعہ ہے۔ وہ جلال و جمال کا مجموعہ ہے۔ اقبال نے مسلمانوں کو حرکت و عمل کا درس دیا۔ اپنے رہنماؤں کی پکار پر مسلمان تعلیمی میدان میں کچھ آگے بڑھے مگر پسماندہ رہے معیشت میں وہ ہندوؤں سے پیچھے رہے البتہ اُردو زبان کو انہوں نے خوب ترقی دی۔ علی گڑھ کالج 1920ء میں یونیورسٹی بن گیا۔ حیدر آباد میں جامعہ عثمانیہ قائم ہوا۔ اس پیش رفت کے باوجود یہ بات واضح تھی کہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت مضبوط نہ ہوئی تو وہ دوسروں سے پیچھے ہی رہیں گے۔ سرسیّد کا نظریہ یہ تھا کہ مسلمان عملی سیاست سے الگ رہ کر پہلے مغربی علوم حاصل کریں اور اپنی حالت سدھاریں مگر 1905ء میں ہندوؤں کی تقسیم بنگال کے خلاف تحریک اور اُردو ہندی جھگڑے میں یورپی حکومت کے کردار نے مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی ضرورت کا احساس دلایا۔ دسمبر 1906ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی اور 1909ء میں مسلمانوں نے جداگانہ انتخابات کا حق حاصل کیا۔ 1913ء میں انہوں نے ہندوستان کے لیے سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ کیا اور کانگریس کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا ''میثاق لکھنؤ'' کے باعث 20 اگست 1917ء کو اعلان کرنا پڑا کہ ہندوستان کو بتدریج خود اختیاری حکومت دی جائے گی مگر جنگ عظیم ختم ہوئی تو انگریز وعدے سے پھر گئے ترکی کو تقسیم کرنے کی سازش پر گاندھی اور علی برادران نے مل کر تحریک چلائی لیکن ہندو لیڈروں کی شدھی اور سنگھٹن جیسی تحریکوں سے ہندو مسلم تعلقات بگڑ گئے۔ سائمن کمیشن کی آمد اور نہرو رپورٹ نے مسلمان لیڈروں کو خوابِ غفلت سے جگایا۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس نے اپنے مطالبات پیش کیے۔ 1930ء میں کانگریس نے سول نافرمانی تحریک چلائی 1935ء میں نیا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نافذ ہوا۔ 1937ء کے انتخابات میں آٹھ صوبوں میں اقتدار ملنے پر کانگریس نے مسلم کش اقدامات کیے۔ اُردو کو مٹانے، ہندی کو ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ مسلم لیگ کے علاوہ 1919ء میں جمعیت العلما، 1929ء میں خدائی خدمت گار اور مجلس احرار قائم ہو چکی تھیں۔ کانگریس نے مسلمانوں کا قومی وجود مٹانا چاہا تو قائداعظم کی زیرِ قیادت مسلم لیگ ہی وہ جماعت تھی جس نے یہ چیلنج قبول کیا۔ 1937ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ جس کے بعد 23 مارچ 1940 کو لاہور میں قرارداد پاکستان کی

منظوری سے قوم میں زندگی کی برقی رو دوڑ گئی۔ مسلمان جدا حکومت اور وطن کے دعویدار بن گئے۔ 1944 میں پنجاب میں مسلم لیگ اور یونینسٹ وزارت میں جھگڑا اور بمبئی میں گاندھی اور قائداعظم میں ناکام ملاقات ہوئی اگلے برس شملہ کانفرنس میں کانگریس اور مسلم لیگ کو اکٹھا بلایا گیا مگر نتیجہ نہ نکلا آخر کار نئے انتخابات اور ہندوستان کو خود اختیاری حکومت دینے کے ارادے کا اعلان ہوا۔ 46-1945ء کے انتخابات میں ہندوؤں میں کانگریس اور مسلمانوں میں مسلم لیگ کو مکمل کامیابی ملی۔ 1946ء میں وزارتی مشن کی کانگریس نواز سکیم کو مسلم لیگ نے ٹھکرایا بعد میں مسلم لیگ مرکزی حکومت میں شامل تو ہوئی لیکن کانگریس سے اختلافات برقرار رہے۔ ملک بھر میں فرقہ وارانہ کشیدگی پھیل گئی اور فسادات ہونے لگے۔ انگریز حکمرانوں نے فروری 1947ء میں فیصلہ کیا کہ وہ جون 1948ء تک ہندوستان کو خالی کر دیں گے۔ جنوری 1947ء میں پنجاب میں مسلمانوں کی کامیاب تحریک سے برطانوی حکومت کو یقین ہو گیا کہ اب مسلمانوں کو آزادی دینا ہوگی۔ پاکستان کے مخالفین نے منظم سازش کے تحت آٹھ دس لاکھ مسلمان شہید کر دیے۔ 3 جون کو برصغیر کی آزادی کا منصوبہ شائع ہوا جس کے مطابق 15 اگست 1947ء کو دو خود مختار حکومتیں پاکستان اور ہندوستان قائم ہو گئیں۔ قیام پاکستان کے غیر معمولی نتائج کا دُنیا ابھی ادراک نہیں کر سکی پاکستانی مسلمانوں پہ روز بروز واضح ہو رہا ہے کہ اپنا اسلامی اور انسانی فرض ادا کرنے کے لیے انہیں اقلیتوں، غریبوں، کارکنوں اور عورتوں کے حقوق کو تحفظ دینے والی حکومت قائم کرنی ہوگی جس کی بنیاد اسلامی جمہوریت کے اصولوں پر ہوگی۔ مسلمانوں کا نصب العین وہ اسلام ہے جو سچائی، دلیری، امن، صبر، محبت، محنت و مساوات کا درس دیتا ہے۔ وہ اسلام جس کا نمونہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد کے مسلمانوں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔

مشقی سوالات

1۔ مختصر جواب دیجیے:

الف: سیّد احمد بریلوی کے مقاصد کیا تھے؟

جواب: سیّد احمد بریلوی مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی خرابیاں دُور کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے جہاد کی مہم بھی شروع کی جس کا مقصد مذہبی آزادی حاصل کرنا تھا۔

ب: سیّد احمد بریلوی نے کن حالات میں جامِ شہادت نوش کیا؟

جواب: سیّد احمد بریلوی کو پشاور کے قریب میدانِ جنگ میں فتح ملی جس کے بعد انھوں نے اسلامی نظام حکومت قائم کیا اور قبائل کی معاشرتی اصلاح کے احکامات نافذ کیے لیکن بعض سرداروں کی غداری کے نتیجے میں وہ سکھوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

ج: سر سیّد احمد خان نے اپنی قوم کی کیا خدمات سرانجام دیں؟

جواب: سر سیّد نے رسالہ ''اسباب بغاوت ہند'' اور اپنی دیگر تحریروں کے ذریعے انگریز حکمرانوں میں مسلمانوں

کے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے ذریعے مسلمانوں کی سماجی اور سیاسی تربیت کی۔ علی گڑھ کالج قائم کیا اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ کونسل کے ممبر کے طور پر مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کیا۔

و: اس سبق میں سرسید احمد خاں کے جن رفقا کا ذکر آیا ہے، اُن کی کیا خدمات ہیں؟

جواب: محسن الملک نے علی گڑھ کالج کو ترقی دی۔ وقار الملک ایک سیاسی جماعت (آل انڈیا مسلم لیگ) کی تشکیل میں معاون ہوئے۔ حالی کی شاعری اور شبلی نعمانی کی نثر نگاری نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا۔ امیر علی کی انگریزی تصانیف نے مغربی حلقوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے متعارف کروایا۔

ہ: علامہ اقبال کی تعلیمات کا نچوڑ کیا ہے؟

جواب: علامہ اقبال کی تعلیمات کا نچوڑ ان کا فلسفہ خودی ہے۔ اقبال کا خیال ہے کہ انسان اطاعت الٰہی، ضبطِ نفس اور نیابت الٰہی کی تین منزلیں طے کرتا ہوا خودی کی انتہائی بلندی پر پہنچ سکتا ہے۔

و: قائداعظم نے کن حالات میں قوم کی ڈانواں ڈول کشتی کا پتوار اپنے ہاتھ میں لیا؟

جواب: 1937ء کے انتخابات کے بعد آٹھ صوبوں میں حکومت ملنے پر کانگریس مسلمانوں کا قومی وجود ختم کرنے کے درپے ہوگئی تھی۔ مسلمانوں کے لیے خطرناک حالات میں قائداعظم نے قوم کی قیادت سنبھالی اور انگریز حکمرانوں اور کانگریسی لیڈروں کی سازشیں ناکام بنادیں۔

ز: قیامِ پاکستان کے مقاصد کیا تھے؟

جواب: قیامِ پاکستان کا اہم مقصد اسلامی جمہوریت کے اصولوں پر حکومت قائم کرنا تھا، جس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو مساوی حقوق حاصل ہوں۔ غریبوں، کارکنوں اور خواتین کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔ دولت مناسب طور پر عوام میں تقسیم اور بیت المال میں جمع ہو۔

ح: پاکستان کے مسلمانوں کا نصب العین کیا ہے؟

جواب: پاکستان کے مسلمانوں کا نصب العین اسلام ہے۔ مطلق العنان بادشاہوں اور امرا کے طرزِ زندگی کے بجائے پیغمبر اسلام ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد کے مسلمانوں کی زندگیاں ہی اس اسلام کا نمونہ ہیں۔

2۔ مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے:

الف: ''مسلمانوں کی مساعی خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں برباد ہوگئیں۔''

وضاحت: سید احمد بریلوی نے مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے لیے جہاد شروع کیا اور صوبہ سرحد کے کچھ علاقوں میں فتوحات حاصل کرنے کے بعد اسلامی حکومت بھی قائم کردی لیکن بعض سرداروں نے غداری کی اور سید احمد سکھوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ اس طرح مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور مذہبی آزادی کی مساعی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں برباد ہوگئیں۔

ب: ''ملک ہاتھوں سے گیا، ملت کی آنکھیں کھل گئیں۔''

وضاحت: علامہ اقبال کے اس مصرع کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف کہنا چاہتا ہے کہ برصغیر کی حکومت سے محروم ہونے کے بعد مسلمانوں نے اپنی شکست اور انگریز کی فتوحات کے اسباب پر غور کیا۔ سرسیّد احمد خان نے تعلیمی اور سماجی اصلاح کے لیے کوششیں کیں جن کے نتیجے میں مسلمان بیدار ہو گئے یعنی مسلمانوں کو اقتدار گنوانے کے بعد ہی ہوش آیا۔

ج: ''پنجاب کے مسلمان سرسیّد کی منادی پر اس طرح دوڑے جس طرح پیاسا پانی پر دوڑتا ہے۔''

وضاحت: ۱۸۸۴ء میں سرسیّد احمد خان نے پنجاب کا دورہ کیا تو مسلمانانِ پنجاب نے ان کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے ''انجمن حمایتِ اسلام'' قائم کی جس کی تعلیمی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ پنجاب والوں کا ردِعمل بالکل ایسا تھا، جیسے انھیں عرصہ دراز سے سرسیّد جیسے مصلح اور ناصح کا انتظار تھا۔

د: ''1898 میں جب سرسیّد نے انتقال کیا تو اُن کی قوم اپنے خواب گراں سے جاگ چکی تھی۔''

وضاحت: سرسیّد نے علی گڑھ کالج قائم کیا۔ 1886ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ رسالہ تہذیب الاخلاق کے ذریعے تہذیب وتمدن اور ادب کی اصلاح کی۔ ان کی مخلصانہ کوششیں کامیاب ہوئیں اور ان کی زندگی ہی میں ہندوستان کے مسلمان خوابِ غفلت سے بیدار ہو گئے۔

ہ: ''یہ پہلا موقع تھا جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا محال ہے اور دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔''

وضاحت: 1868ء میں بنارس کے ہندوؤں نے اُردو کے خلاف اور بھاشا زبان (ہندی) کو رائج کرنے کے حق میں تحریک چلائی جس کے نتیجے میں سرسیّد دلبرداشتہ ہو گئے۔ اس تحریک سے قبل وہ مذہب کی تفریق کے بغیر پوری ہندوستانی قوم کی فلاح و بہبود کے خواہاں تھے لیکن اس کے بعد انھوں نے مسلمانوں کو الگ قوم سمجھتے ہوئے اپنی اصلاحی کاوشیں اسی قوم تک محدود رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

و: ''امیر علی نے اپنی انگریزی تصانیف سے مغربی حلقوں میں اسلام کی وقعت پیدا کی۔''

وضاحت: جسٹس امیر علی اپنی اعلیٰ سماجی حیثیت اور انگریزی میں غیر معمولی قابلیت کے باعث ہندوستان کے انگریز حکمران طبقہ میں حلقہ اثر رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں اسلام کا حقیقی تعارف پیش کیا، جس سے مغربی حلقوں میں اسلام کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیاں دُور ہوئیں۔

ز: ''جب تک قوم سیاسی حیثیت سے مضبوط و متحد نہ ہوگی، اس کی ساری روایات اکارت جائیں گی۔''

وضاحت: سرسیّد اور ان کے رفقا کی مؤثر کوششوں کے نتیجے میں ہندوستان کے مسلمان تعلیمی، سماجی اور ادبی شعبوں میں ترقی کرنے لگے تھے لیکن سیاسی طور پر وہ منتشر تھے اور کوئی پلیٹ فارم میسر نہ تھا۔ ان حالات میں یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمان سیاسی حیثیت سے مضبوط اور متحد نہ ہوئے تو دیگر شعبوں میں ان کی ترقی غیر مفید ثابت ہوگی۔

3: درست بیان کے سامنے "درست" اور غلط کے سامنے غلط لکھیے:

الف: مذموم معاشرتی رسموں میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں بہت فرق تھا۔ (غلط)

ب: سیّد احمد بریلویؒ 6 مئی 1831ء کو بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ (درست)

ج: فرائضی تحریک کا مقصد مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت کی اصلاح اور ان کی امداد تھا۔ (درست)

د: 1837ء میں فارسی زبان عدالتی زبان قرار پائی۔ (غلط)

ہ: سرسیّد نے مسلمانوں کو انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ (غلط)

و: حالی کی مسدس نے ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب کی لہر دوڑا دی۔ (درست)

4: واقعات کے سامنے درست سن لکھیے:

الف: سیّد احمد بریلویؒ نے سکھوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔ (1826ء)

ب: جنگ بلقان وطرابلس۔ (1912ء)

ج: علی گڑھ کالج یونیورسٹی کے درجے تک پہنچا۔ (1920ء)

د: جامعہ عثمانیہ کا شاندار ادارہ قائم ہوا۔ (1920ء)

ہ: قائداعظمؒ کے چودہ نکات۔ (1929ء)

و: گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ۔ (1935ء)

ز: پنجاب میں مسلم لیگ کی آزادی کی تحریک۔ (1947ء)

5۔ اس سبق میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے۔ اُن کی فہرست مرتب کیجیے اور اُن کے بارے میں سبق میں دی ہوئی معلومات کے علاوہ کتب خانے سے مزید معلومات حاصل کر کے انھیں اپنے رجسٹر میں لکھیے۔

جواب: اورنگ زیب عالمگیر، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، سیّد احمد بریلوی، سرسیّد احمد خاں، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، سیّد امیر علی، ڈپٹی نذیر احمد، ذکاء اللہ، محمد علی جوہر، شوکت علی، علامہ اقبال، قائداعظم، گاندھی۔

6۔ "پاکستان ناگزیر تھا" کے موضوع پر ایک مضمون لکھیے۔

جواب: طلبہ سبق "تشکیلِ پاکستان" سے معلومات اخذ کر کے خود مضمون لکھنے کی کوشش کریں۔

7۔ مندرجہ ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

○ عزت خاک میں ملنا: اولاد کی غلط حرکتوں سے معززینِ علاقہ کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔

○ ذلت کے درپے ہونا: غیر مسلم قومیں ہمیشہ اُمتِ مسلمہ کی ذلت کے درپے ہوئیں اور اسے ذلیل کر کے چھوڑا۔ (اصل محاورہ ہے عزت کے درپے ہونا)

○ زخموں پر نمک چھڑکنا: امتحان میں ناکامی پر میری ڈھارس بندھانے کے بجائے آمنہ نے مجھے طعنے دے کر

میرے زخموں پر نمک چھڑکا ہے۔

○ **نئی زندگی پھونکنا:** 1936ء میں پنجاب کے علاقے میں علامہ اقبال کی کوششوں نے مسلم لیگ میں نئی زندگی پھونک دی (محاورے کے اصل الفاظ ہیں نئی رُوح پھونکنا)

○ **خوابِ گراں سے جاگنا:** اپنے قومی رہنماؤں کی پکار پر مسلمانانِ ہند خوابِ گراں سے جاگے۔

○ **علم کا چراغ روشن کرنا:** تاریخِ عالم گواہ ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی گئے، علم کے چراغ روشن کیے۔

○ **ٹھوکریں کھانا:** بے روزگاری کا یہ عالم ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان بھی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔

○ **اظہر من الشمس ہونا:** اسلام کے خلاف عالم کفر کی دشمنی اب اظہر من الشمس ہوگئی ہے۔

○ **ارادے دھرے کے دھرے رہ جانا:** ماں باپ بیٹے کو ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے۔ بیٹے نے غلط صحبت میں پڑ کر پڑھائی چھوڑ دی اور ماں باپ کے ارادے دھرے کے دھرے رہ گئے۔

○ **ہاتھ بڑھانا:** ہمیں سوچ سمجھ کر بھارت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہیے۔

○ **سر پھر جانا:** گالیاں سُن کر دلاور کا بھی سر پھر گیا۔ اُس نے بھی سکندر کو خوب گالیاں دیں۔

○ **طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لینا:** مطلب نکلتے ہی بے مروت اور بے وفا لوگ طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

○ **ڈنکا بجنا:** مسلسل کامیابیوں کی وجہ سے سکواش کے میدان میں ایک عرصے تک جہانگیر خان اور پھر جان شیر خان کا ڈنکا بجتا رہا ہے۔

امدادی افعال: اردو زبان کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اُردو زبان میں امدادی افعال نے بڑی وسعت اور نزاکت پیدا کر دی ہے۔

تحریر و تقریر میں اکثر اوقات اصل فعل کے ساتھ کوئی دوسرا فعل یا اس کا جز استعمال کیا جاتا ہے، جس سے اصل فعل کے معنوں میں تھوڑا بہت تغیر پیدا ہو جاتا ہے یا تو اصل فعل کے معنوں میں زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے یا کلام میں کوئی حسن و خوبی آ جاتی ہے۔ وہ افعال یا ان کے اجزا جو اصل فعل کی مدد یا معاونت کے طور پر آتے ہیں۔ امدادی افعال یا افعالِ معاون کہلاتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ تمام بنیادی افعال امدادی افعال کے طور پر استعمال نہیں ہوتے جبکہ تمام امدادی افعال، بنیادی افعال بھی ہوتے ہیں۔ اردو میں بالعموم استعمال ہونے والے امدادی افعال جن مصادر سے بنتے ہیں وہ یہ ہیں: دینا، لینا، آنا، جانا، ڈالنا، پڑنا، رہنا، ہونا، بیٹھنا، اُٹھنا، چکنا، سکنا، پانا، کرنا، نکلنا، لگنا، چاہنا اور رکھنا وغیرہ۔

عام طور پر امدادی فعل اصل فعل کے بعد ہی آتا ہے جیسے امدادی افعال دینا اور لینا کی مناسبت سے یہ جملے۔

میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔

یہ رقم رکھ لیجیے۔

لیکن کبھی کبھی امدادی فعل اصل فعل سے پہلے بھی گر جاتا ہے، جیسے یہ جملے

آسمان نے ہم کو ثریا سے زمین پر دے مارا۔

اور تو اور وہ مجھ کو بھی لے ڈوبا۔

☆اب آپ گزشتہ سبق میں سے ایسے تمام افعال تلاش کر کے، جو امدادی افعال کے طور پر آئے ہوں ایک فہرست مرتب کیجیے اور جملے بنائیے۔

- چکنا: مسلمانوں کی سیاسی قوت ختم ہو چکی تھی۔
- ہونا: عوام کی مذہبی حالت بہت گری ہوئی تھی۔
- لگنا: چور پولیس کو دیکھ کر دوڑنے لگا۔
- دکھانا: سرسیّد احمد خاں نے جو کہا وہ کر دکھایا۔
- رہنا: علی گڑھ کالج مسلمانانِ ہند کا واحد قومی مرکز بنا رہا۔
- لینا: سرسیّد کی دُور اندیشی نے مسلمانوں کو ہونے والے نقصان کو دیکھ لیا۔
- ملنا: چند ملاقاتوں کے بعد سرسیّد اور ان کے رفقا اِسلام کو مغربی علوم سے جا ملایا۔
- گیا: بیگانگی بہت حد تک کم ہو گئی۔
- دینا: ایمان عملاً انسان کو خوف اور مایوسی سے آزاد کر دیتا ہے۔
- سکنا: قومی اور بین الاقوامی حقوق حکومتِ برطانیہ کے ہاتھ میں محفوظ نہیں رہ سکتے۔

☆سیاق وسباق کے حوالے سے اہم اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1: ''1937ء میں جب کانگرس برسرِ اقتدار آئی اور اس نے مسلمانوں کی قومی ہستی کو ختم کرنا چاہا تو سوال پیدا ہوا کہ مسلمان اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ اس خطرناک وقت میں مسلم لیگ کی قیادت جس زبردست شخصیت کے ہاتھ میں تھی، اس نے کانگرس کے چیلنج کو دلیری سے قبول کیا۔ یہ قائداعظم محمد علی جناح تھے، جو ایک طرف سیاسی بات چیت میں انگریزی حکومت اور کانگرسی لیڈروں کے ساتھ پورے اُترے اور دوسری طرف اپنی لاجواب شخصیت کے بل پر ایک پراگندہ اقلیت کو ایک مستقل قوم بنانے میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئے۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 15)

سبق کا عنوان : تشکیلِ پاکستان

مصنف کا نام : میاں بشیر احمد

سیاق وسباق: قیامِ پاکستان کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم، مسلسل تاریخی جدوجہد کارفرما ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے سید احمد بریلوی اور سرسید احمد خان جیسے مصلحین کی کاوشوں کے نتیجے میں وہ فضا تیار ہوئی جس میں مسلمان من حیث القوم اپنے سود وزیاں کے متعلق سوچنے کے قابل ہو گئے۔ مولانا الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، محسن الملک، وقار الملک اور امیر علی جیسے بیدار مغز رہنماؤں نے وقت کے تقاضوں کو سمجھا اور مسلمانوں کو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا، پھر علامہ اقبال کے فکر وفن نے مسلمانوں کی سیاسی وسماجی بیداری کے عمل کو تکمیل تک پہنچایا اور قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں ان کی قومی جدوجہد ایک آزاد مملکت کے قیام پر منتج ہوئی۔ ہمیں پاکستان میں حقیقی اسلامی جمہوریت قائم کرنی ہے۔ ایک مسلمان کا نصب العین، وہ اسلام ہونا چاہیے جس کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کی زندگیوں میں ملتا ہے۔

تشریح: 1885ء میں کانگریس کے قیام کے بعد سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو اس میں شرکت سے منع کر دیا تھا۔ سرسید کی دُور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مستقبل میں کانگریس ہندو اکثریت کے مفادات کی محافظ بن جائے گی جس کا لازمی نتیجہ مسلم قومیت، اقدار، ثقافت اور روایات کی مخالفت کی شکل میں سامنے آئے گا۔ سرسید کی سوچ 1937ء میں بالکل درست ثابت ہوئی جب متحدہ ہندوستان کے آٹھ صوبوں میں کانگریس برسِ اقتدار ملا۔ کانگریس کی حکومتوں نے مسلم دُشمنی کے بدترین مظاہرے کیے۔ اُردو کو مسلم قومیت کا نشان سمجھتے ہوئے مٹانے کی سازشیں ہوئیں اور ہندی کو رواج دیا گیا۔ گئوکشی کو ناجائز قرار دینا اور تعلیمی اداروں میں ''بندے ماترم'' جیسے فرقہ وارانہ گیت کو رائج کرنا خالص انتہاپسند ہندو ذہنیت کا اظہار تھا۔ ان حالات میں مسلم لیگ کے قائد، قائداعظم محمد علی جناح نے بے مثال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کانگریس کا چیلنج قبول کیا۔ وہ ایک عظیم سیاستدان اور مدبر ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر وکیل بھی تھے۔ بات چیت اور مذاکرات میں ان کی مہارت مسلمانوں کے بہت کام آئی۔ انھوں نے انگریز حکمرانوں اور کانگریسی لیڈروں کی سیاسی چالوں کا بیک وقت مقابلہ کیا۔ ان کی کرشماتی شخصیت نے ایک منتشر اقلیت کو ایک متحد اور منظم قوم میں تبدیل کر دیا۔ کانگریس کی مسلم دُشمن کارروائیاں اس اعتبار سے مسلمانوں کے لیے مفید رہیں کہ کانگریس کا اصل چہرہ بروقت بے نقاب ہو گیا اور مسلمانوں نے اس سے اُمیدیں لگانے کے بجائے مسلم لیگ کو اپنا واحد پلیٹ فارم قرار دیتے ہوئے ایک آزاد وطن کے لیے فیصلہ کن جدوجہد کا حتمی فیصلہ کر لیا۔

اقتباس 2: ''اِدھر یہ اَمر پاکستان کی ملتِ اسلامیہ پر روز بروز واضح ہو رہا ہے کہ اگر اسے اپنی اور دُنیا کی طرف اپنا اسلامی اور انسانی فرض ادا کرنا ہے تو پاکستان کی حکومت لازمی طور پر اسلامی جمہوریت کے ترقی پرور اصولوں پر قائم ہو گی، جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں سے مساوی سلوک کیا جائے گا، جس میں بڑے بڑے سرمایہ داروں کے لیے جگہ نہ ہو گی بلکہ جس میں غریبوں اور کارکنوں کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا، جس میں عورت کے

حقوق اور اس کی شخصیت محفوظ ہوگی۔" (سرمایۂ اُردو، صفحہ 17)

سبق کا عنوان : تشکیلِ پاکستان

مصنف کا نام : میاں بشیر احمد

سیاق وسباق: قیامِ پاکستان مسلمانانِ برصغیر کی ایک عظیم تاریخی جدوجہد کا منطقی نتیجہ ہے۔ سیّد احمد بریلوی سے سرسیّد احمد خان تک مسلم مصلحین نے مسلسل کوششوں سے وہ فضا تیار کی جس میں مسلمان من حیث القوم اپنے سود وزیاں کے متعلق سوچنے کے قابل ہو گئے۔ علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفہ نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا اور زندگی گزارنے کا باوقار انداز سمجھایا۔ فلسفہ خودی نے مسلمانوں کو آزادی کا سبق دیا۔ قائداعظم نے اقبال کے افکار پر عمل کرتے ہوئے بیک وقت انگریزوں اور ہندوؤں کی سازشوں کا مقابلہ کیا اور اپنی مومنانہ فراست کو استعمال میں لاتے ہوئے ایک آزاد اسلامی مملکت حاصل کر لی۔ اس نظریاتی مملکت کی کچھ اہم ذمہ داریاں ہیں جن کو پورا کرنا ہم سب پر لازم ہے۔ بطور مسلمان ہمارا نصب العین حقیقی اور خالص اسلام ہونا چاہیے۔

تشریح: قیامِ پاکستان کا بنیادی مقصد دُنیا پر یہ حقیقت واضح کرنا تھا کہ اسلام کے ابدی اصول بیسویں صدی میں بھی اتنے ہی مفید اور قابلِ عمل ہیں جتنے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دَور میں تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی بے مثال جدوجہد کے نتیجے میں ایک تجربہ گاہ حاصل کی تھی جسے اسلامی فلاحی ریاست کا نمونہ بنانا مقصود تھا۔ تحریکِ پاکستان کا مقبول نعرہ "پاکستان کا مطلب کیا، لا الٰہ الا اللہ" شاہد ہے کہ مسلمان رب کی دھرتی پر اس کے نظام کے نفاذ کا خواب دیکھ رہے تھے لیکن آزادی کے بعد ان کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا اور مملکتِ خداداد میں اسلامی جمہوری نظام قائم نہ ہونے دیا گیا جس کا نتیجہ سماجی ناانصافی، سیاسی ابتری اور معاشی عدم مساوات کی صورت میں برآمد ہوا۔ وطنِ عزیز کے حالات دیکھتے ہوئے اسلامیانِ پاکستان پر یہ واضح ہو رہا ہے کہ ملک کی حکومت کو اسلامی جمہوریت کے اصولوں پر قائم ہونا چاہیے۔ یہی تشکیلِ پاکستان کا مقصد تھا۔ اس مقصد کو پورا کرنا ہمارا اسلامی اور انسانی فریضہ ہے۔ ہمیں ایسا نظامِ حکومت اختیار کرنا ہے جس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق محفوظ ہوں۔ سرمایہ چند افراد تک محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ غریبوں اور کارکنوں کو عزت کی روٹی ملے۔ عورتوں کو ان کے حقوق ملیں اور ان کا بطور انسان احترام کیا جائے۔ اسلام کے ان حیات پرور اصولوں پر عمل کر کے ہم دُنیا کو دِکھا سکتے ہیں کہ ایک حقیقی اسلامی جمہوریہ میں نظامِ حکومت کس انداز کا ہوتا ہے۔

مزید معروضی سوالات

س: سرسیّد نے اپنی کوششوں سے کیا ثابت کیا؟

ج: سرسیّد نے اپنی مذہبی تصانیف اور رسالہ تہذیب الاخلاق کے اجرا سے ثابت کر دِکھایا کہ اسلام عقل کے اصولوں پر مبنی ہے۔

س: آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد کب ڈالی گئی؟

ج: 1886ء میں سرسیّد نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی جس کے اجلاس ہر سال مختلف مقامات پر منعقد ہو کر مسلمانوں میں نئی رُوح پھونکنے کا باعث ہوئے۔

س: سرسیّد نے مسلمانوں کو آل انڈیا نیشنل کانگریس میں شامل ہونے سے کیوں روکا؟

ج: سرسیّد احمد خان کی دُور اندیشی نے دیکھ لیا تھا کہ کانگریس میں شمولیت سے مسلمانوں کو بحیثیت قوم نقصان پہنچے گا۔

س: اسباب بغاوت ہند میں سرسیّد نے انگریز کی توجہ کس بات کی طرف مبذول کرائی؟

ج: انہوں نے اسباب بغاوت ہند لکھ کر انگریز حکومت کو بتایا کہ غدر کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو ملک کی سیاسی کونسلوں میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

س: سبق میں سرسیّد کے جن ساتھیوں کا ذکر آیا ہے ان کے نام لکھیے؟

ج: سبق میں محسن الملک، وقار الملک، الطاف حسین حالی، ذکاء اللہ، نذیر احمد، شبلی نعمانی اور امیر علی کا ذکر آیا ہے۔

س: سرسیّد کے جدید علم الکلام کے ردِعمل میں کیا ہوا؟

ج: سرسیّد احمد خان کے جدید علم الکلام کے ردِعمل میں شبلی نعمانی نے لکھنؤ میں ندوۃ العلما قائم کیا۔ دیوبند میں علما نے قدیم طرز کی درس گاہ بنا کر قدیم اسلامی علوم کے چراغ روشن کیے۔

س: علامہ اقبال نے کن چار چیزوں پر زور دیا؟

ج: علامہ اقبال نے توحید، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور ان کی مکمل تقلید، قرآن مجید کا مطالعہ اور اس کی تعلیمات کی پیروی اور رجائیت یعنی مایوسی کو ترک کرنے پر زور دیا۔

س: 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں کیا طے پایا؟

ج: 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں طے پایا کہ مرکز میں فیڈریشن اور صوبوں میں خود اختیاری حکومتیں قائم ہوں گی۔

س: کانگریس کی حکومتوں نے مسلمانوں کے خلاف کون سے اقدامات اُٹھائے؟

ج: کانگریس کی حکومتوں نے اُردو کو مٹایا۔ ہندی کو اُبھارا، ہندو وانہ تمدن کے دیگر اداروں اور نشانات کو فروغ دیا اور کوشش کی کہ ہندوستانی مسلمانوں کی جداگانہ ہستی ختم ہو جائے اور وہ ہندوؤں میں مدغم ہو جائیں۔

س: مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں نے کون سی جماعتیں قائم کیں؟

ج: مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں نے جمعیت العلما، خدائی خدمت گار اور مجلس احرار قائم کیں۔

س: 1945-46ء کے انتخابات کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

ج: 1945-46ء کے انتخابات میں ہندوؤں میں کانگریس اور مسلم حلقوں میں مسلم لیگ کو مکمل کامیابی ملی۔

3۔نواب محسن الملک ــــ ڈاکٹر مولوی عبدالحق

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 22 : ○ وجاہت: حسن، خوبصورتی ○ خوش بیانی: عمدہ گفتگو کرنا ○ فیاضی: سخاوت ○ ممتاز: منفرد، نمایاں ○ صفات: خوبیاں ○ خطاب: حکومت کی طرف سے عطا کیا گیا اعزاز ○ انکل: اندازہ، ○ مسمّٰی: جس کا نام رکھا گیا ہو ○ مطلق: بالکل ○ پارس: وہ پتھر جس سے چھو کر لوہا سونا بن جاتا ہے، ○ موزوں: مناسب ○ کندن: خالص سونا ○ بار: بوجھ ○ معاوضہ: اُجرت، بدلا ○ زیرِ بار منت: احسان کے بوجھ تلے دبا ہوا ○ حائل: رکاوٹ ○ دُودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکنا: کوئی پروا کیے بغیر تعلق توڑ لینا ○ ناگوار: ناپسندیدہ ○ دل شکن: دل توڑنے والا۔

صفحہ نمبر 23 : ○ جوہر قابل: غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والا انسان ○ تاک میں: تلاش میں ○ سیاست دانی: سیاست کی سمجھ بوجھ ○ تدبر: غور و فکر ○ رسا: پہنچ رکھنے والا ○ عبور: مہارت ○ فارن منسٹر: وزیرِ خارجہ ○ لوہا ماننا: تسلیم کرنا ○ نظم و نسق: انتظام ○ انفرادی: ذاتی ○ اجتماعی: مجموعی ○ بجٹ: آمدن اور اخراجات کا تخمینہ ○ مرتب کرنا: ترتیب دینا، تیار کرنا ○ فنانس: مالیاتی امور ○ مال گزاری: ٹیکس وصول کرنے کا محکمہ ○ سوانح نویس: حالاتِ زندگی تحریر کرنے والا ○ ہر دلعزیز: جس سے ہر خاص و عام محبت کرے ○ اقتدار: حکومت ○ منصب: عہدہ ○ کہرام مچنا: رونے کا شور ہونا ○ ٹھٹھ: مجمع ○ دل موہ لینا: دل جیت لینا ○ اسباب: وجوہات

صفحہ نمبر 24 : ○ دولت: حکومت ○ اقبال: خوش قسمتی، شان و شوکت ○ جاہ و ثروت: عہدہ اور مال ○ قلم فرسائی کرنا: لکھنا ○ نیچری: نیچر کو کائنات کی بالادست قوت سمجھنے والا فرقہ ○ مرشد: پیر ○ بدعقیدہ: برے عقیدے والا ○ اوڑھنا بچھونا: کل اثاثہ، وہ کام جسے مکمل وابستگی سے اختیار کر لیا جائے ○ حلقہ: گروہ ○ تان ٹوٹنا: بات ختم ہونا ○ حالی: مشہور شاعر، سوانح نگار اور نقاد، مسدس ''مدوجزر اسلام'' کے خالق مولانا الطاف حسین حالی ○ مولوی مشتاق حسین: وقار الملک مشتاق حسین، تحریکِ آزادی کے عظیم رہنما ○ شبلی: شاعر، ادیب اور عالمِ دین ''سیرت النبی ﷺ'' کے مصنف علامہ شبلی نعمانی ○ چراغ علی: سرسیّد کے ایک اہم رفیقِ کار ○ نذیر احمد: اُردو کے پہلے ناول نگار اور سرسیّد کے رفیق ○ میلاد پڑھنا: محفلِ میلاد میں نعت خوانی کرنا ○ وعظ کہنا: مذہبی تقریر کرنا ○ نہج: انداز، ○ فصاحت: زبان کی صفائی اور عمدگی ○ تسلسلِ بیان: بیان کا مربوط ہونا ○ نمایاں: واضح ○ منہ سے پھول جھڑنا: بہت پیاری گفتگو کرنا ○ شیرینی: مٹھاس ○ لیاقت: قابلیت ○ آبدیدہ ہو جانا: آنکھیں بھر آنا

صفحہ نمبر 25 : ○ گراں قدر: قیمتی ○ اندیشہ: خدشہ ○ عطیہ: عطا کی ہوئی چیز ○ ظرافت: مزاح ○ منغص: غصب سے بھرا ہوا ○ مکدر: ناراض ○ بشاش: خوش ○ شگفتہ: تر و تازہ ○ چاشنی: مٹھاس ○ مہر آمیز: محبت سے بھرا ہوا ○ ہمت افزائی کرنا: ہمت بڑھانا ○ تعمیل کرنا: عمل کرنا ○ تندہی: محنت

○ ملکہ: مہارت ○ بھانپ لینا: پہچان لینا ○ بدوں: بروں ○ مذاق: ذوق ○ لکھا پڑھی شروع کر دی: تحریری کاوشیں شروع کر دیں۔

صفحہ نمبر 26: ○ شاہراہ: بڑا راستہ، بڑی سڑک ○ گامزن ہونا: چلنا ○ داغ بیل ڈالنا: بنیاد رکھنا

سبق کا خلاصہ

وجاہت، ذہانت، خوش بیانی اور سخاوت محسن الملک کی نمایاں خوبیاں تھیں۔ خطاب یا نام رکھتے وقت شخصیت کی خصوصیات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا لیکن محسن الملک کا خطاب ان کے لیے انتہائی مناسب ثابت ہوا وہ پارس پتھر تھے۔ چھونے والا سونا بن جاتا تھا۔ ایک بار سلام کرنے والے کو بھی ہمیشہ یاد رکھتے دشمن بھی ان کے احسانات کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ سیاسی مصلحت کی بنا پر بعض اوقات انہیں کچھ لوگوں کو عہدوں سے الگ کرنا پڑا لیکن انہوں نے یہ کام اس سلیقے سے کیا کہ لوگ دعائیں دیتے گئے اور عمر بھر شکر گزار رہے۔ ریاست حیدر آباد، میں محسن الملک کے تدبر، سیاسی مہارت، انتظامی قابلیت اور معاملہ فہمی کے جوہر کھلے وہ پیچیدہ معاملات آسانی سے سلجھا لیتے تھے۔ وہ اگر ترکی یا کسی اور سلطنت کے وزیر خارجہ ہوتے تو دنیا میں بہت شہرت حاصل کرتے اہل حیدر آباد پر ان کے بے شمار احسانات ہیں انہوں نے بندوبست کا محکمہ قائم کیا انگریزی نگرانی کے بعد مصر میں تیار ہونے والے بجٹ کے نمونے پر ریاست کا بجٹ مرتب کیا۔ فنانس اور مال گزاری میں کئی اصلاحات کیں۔ حیدر آباد میں کسی شخصیت کو محسن الملک کی سی مقبولیت اور محبوبیت حاصل نہیں ہوئی دور اقتدار میں تو لوگ گرویدہ ہوتے ہی ہیں لیکن شخصی مقبولیت کی حقیقت اقتدار سے محروم ہونے پر کھلتی ہے۔ محسن الملک کو رخصت کرنے کے لیے حیدر آباد سٹیشن پر ہزاروں غریب، بیوائیں اور یتیم جمع ہو گئے تھے اور کہرام مچ گیا تھا۔

محسن الملک نے ہوش سنبھالا تو مسلمانوں کی مذہب سے محبت عروج پر تھی۔ حکومت اور جاہ و ثروت سے محروم ہونے کے بعد انسان مذہب ہی میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ مسلمان اپنے مذہب کے حوالے سے بہت حساس ہو گئے تھے۔ اس وقت ہر مصنف یا ادیب نے مذہبی موضوعات پر لکھا حتیٰ کہ عام مسلمانوں میں نیچری کہلانے والے بھی پیچھے نہ رہے۔ سرسید اور ان کے ساتھیوں کی تان مذہب پر ہی ٹوٹتی تھی۔ محسن الملک ابتدا ہی سے میلاد پڑھتے اور وعظ کہتے تھے ان کی خالص مذہبی تصنیف تو ایک ہی ہے لیکن تمام تحریروں کا موضوعاتی تعلق اسلام یا مسلمانوں ہی کے ساتھ ہے وہ اعلیٰ درجے کے ادیب نہیں لیکن تحریر میں ادبیت کی شان ہے۔ فصاحت اور روانی خاص اوصاف ہیں۔ انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن تراجم کا مطالعہ کرتے تھے ان کے مضامین میں مغربی خیالات کی ترجمانی نمایاں ہے۔

محسن الملک خوش بیان مقرر تھے آواز شیریں اور دلکش تھی ان کی قوت بیان کا لوہا مخالفین بھی مانتے تھے۔ سرسید احمد خان کے کٹر مخالف بدرالدین طیب جی کے سامنے ایسی پر درد تقریر کی کہ دونوں آبدیدہ ہو گئے اور بدرالدین نے علی گڑھ کالج کے لیے گراں قدر عطیہ دیا اور بعد میں بمبئی میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے

اجلاس کی صدارت بھی کی۔ بڑے جلسوں میں بدنظمی کا خدشہ پیدا ہوتا تو نواب محسن الملک کی خوش بیانی اور ظرافت لوگوں کے غصے کو شگفتگی میں بدل دیتی۔ تقریروں میں ظرافت کی مٹھاس بہت لطف دیتی تھی۔

وہ دوسروں سے کام لینا جانتے تھے۔ ملازموں اور ماتحتوں سے ایسا حسنِ سلوک کرتے کہ وہ ان کے کام کو اپنا ذاتی کام سمجھتے تھے اور وقت پر جان لڑا دیتے تھے۔ مردم شناسی کی ایسی صلاحیت تھی کہ مختصر ملاقات میں آدمی کو پہچان جاتے تھے، وہ صرف نیکوں ہی سے نہیں بدوں سے بھی اچھے طریقے سے کام لیا کرتے تھے۔ مطالعے کا بہت شوق تھا۔ اخبارات، اُردو، عربی، فارسی کتب پڑھتے انگریزی اخبا - ت اور مضامین پڑھوا کر سنتے اپنی پسندیدہ انگریزی کتب کا ترجمہ کرواتے تھے۔ سرسیّد کے انتقال سے کچھ پہلے ہی ہندوؤں نے اُردو کی مخالفت شروع کر دی تھی بعد میں مخالفت نے اور زور پکڑا۔ اُردو کے تحفظ کے لیے بنائی گئی انجمن کا جلسہ لکھنؤ میں ہوا جس میں محسن الملک کی تقریر سے لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا۔ سرسیّد کے بعد محسن الملک نے ان کا کام جس طرح سنبھالا وہ عظیم کارنامہ ہے۔ محسن الملک کا کام ان کی سب سے بڑی یادگار ہے۔

مشقی سوالات

1۔ سبق کے متن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالوں کے جواب دیجیے۔

الف: نواب محسن الملک کو ریاست کے نظم و نسق اور حکومتی معاملات پر کس حد تک عبور حاصل تھا؟

جواب: نواب محسن الملک اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک اور مدبر تھے۔ ریاست حیدر آباد (دکن) میں بندوبست کا محکمہ انھوں نے قائم کیا۔ فنانس اور مال گزاری میں اصلاحات کے علاوہ انھوں نے ریاست کا بجٹ بھی مرتب کیا، جس سے حکومتی معاملات پر ان کی دسترس کا اظہار ہوتا ہے۔

ب: نواب محسن الملک ریاستی عوام میں کس حد تک ہر دلعزیز تھے؟

جواب: حیدر آباد (دکن) میں کسی کو نواب محسن الملک جیسی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل نہیں ہوئی۔ محسن الملک حیدر آباد چھوڑ کر جانے لگے تو ریلوے سٹیشن پر ہزاروں آدمی انھیں رخصت کرنے کے لیے موجود تھے، جن میں سے سیکڑوں زار و قطار رو رہے تھے۔

ج: نواب محسن الملک کی تحریر کی خصوصیات کیا ہیں؟

جواب: نواب محسن الملک کی تحریر میں ادبیت کی شان پائی جاتی ہے۔ روانی، فصاحت اور تسلسل بیان ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ وہ انگریزی نہیں جانتے تھے مگر انگریزی کتب پڑھوا کر سنتے یا تراجم کا مطالعہ کرتے تھے۔ اسی لیے ان کے مضامین میں مغربی خیالات کی ترجمانی صاف نظر آتی ہے۔

د: نواب محسن الملک کی تقریر کا انداز کس حد تک دلکش تھا؟

جواب: نواب محسن الملک کی آواز میں مٹھاس اور کشش تھی۔ تقریر کرتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ گفتگو کرنے والے ان کی ذہانت اور لیاقت کے قائل ہو جاتے۔ ان کی خوش بیانی کو مخالفین بھی تسلیم کرتے تھے۔

تقریروں میں ظرافت کی چاشنی بڑا لطف دیتی تھی۔

۵: نواب محسن الملک نے بدرالدین طیب جی کو، جو سرسیّد اور علی گڑھ کے سخت مخالف تھے، اپنا گرویدہ کیسے بنالیا؟

جواب: محسن الملک نے بدرالدین طیب جی کے سامنے ایسی فصیح اور پُر درد تقریر کی کہ دونوں آبدیدہ ہو گئے۔ بدرالدین کی مخالفت ہمدردی میں بدل گئی اور انھوں نے علی گڑھ کالج کے لیے گراں قدر عطیہ دیا۔

۶: نواب محسن الملک کو مطالعے کا شوق کس حد تک تھا اور وہ کس کی کتابیں پڑھتے تھے؟

جواب: انھیں مطالعے کا بہت شوق تھا۔ اخبارات، اُردو، فارسی اور عربی کتابیں پڑھتے۔ انگریزی اخبارات اور مضامین پڑھوا کر سنتے۔ اپنی پسندیدہ انگریزی کتابوں کا ترجمہ کروا کے پڑھتے تھے۔

2: مندرجہ ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اِس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

○ جوہر کھلنا: حضرت علیؓ کی بہادری کے ہر جنگ میں ایسے جوہر کھلے کہ شیرِ خدا کا لقب پایا۔

○ ٹوٹ کر گرنا: ع بے طرح ٹوٹ کے گرتا ہے محبت کا خمار یا
صاحبِ اقتدار لوگوں پر خوشامدی لوگ ٹوٹ کر گرتے ہیں۔

○ کہرام مچنا: ایک ہی خاندان کے تین افراد جاں بحق ہوئے تو تمام علاقے میں کہرام مچ گیا۔

○ دل موہ لینا: ننھے عبداللہ کی پیاری پیاری باتوں نے سب کا دِل موہ لیا۔

○ قلم فرسائی کرنا: احمد ندیم قاسمی نے شاعری میں تو کمال دِکھایا ہی ہے نثر کے میدان میں بھی خوب قلم فرسائی کی ہے۔

○ منہ سے پھول جھڑنا: عبدالرحمان کی خوش طبعی بے مثال ہے۔ بات کرتا ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔

○ درہم برہم ہونا: دھماکے کی آواز سنتے ہی جلسہ درہم برہم ہو گیا۔

○ جادو کا کام کرنا: استاد کی حوصلہ افزائی نے جمیل پر جادو کا کام کیا۔

○ جان لڑا دینا: عبدالستار ایدھی جیسے مخلص لوگ دوسروں کی مدد کے لیے وقت پر جان لڑا دیتے ہیں۔

○ داغ بیل ڈالنا: سرسیّد احمد خاں نے علی گڑھ کالج کی داغ بیل ڈالی جس میں تحریکِ پاکستان کے بے شمار جاں نثار اور قائدین پیدا ہو گئے۔

○ زیرِ بار منت ہونا: پاکستان بنانے پر پوری پاکستانی قوم اپنے قائدین خصوصاً قائداعظم محمد علی جناح کی زیرِ بار منت ہے۔

○ بھڑک اُٹھنا: وہ پہلے ہی میرے خلاف بھرا بیٹھا تھا۔ میرے بولتے ہی وہ اور بھی بھڑک اُٹھا۔

○ تان ٹوٹنا: حنیف سے اب کوئی نہیں ملتا کیونکہ اُس کی تان ہمیشہ قرض مانگنے پر ٹوٹتی ہے۔

○ آبدیدہ ہونا: بزرگ خاتون کی درد بھری داستان سُن کر سب لوگ آبدیدہ ہو گئے۔

ے وہ آبدیدہ بیٹھے ہیں بیدم کی لاش پر
اب پانی لے کے آئے ہیں جب پیاس مر گئی

○ موقع کی تاک میں رہنا: ہر آدمی دشمن سے بدلہ لینے کے لیے موقع کی تاک میں رہتا ہے۔

○ لوہا ماننا: بڑے بڑے سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی ذہانت کا لوہا مانتے ہیں۔

○ مان جانا: شاہ صاحب سے گفتگو کرنے والا ہر شخص ان کی علمیت کو مان جاتا تھا۔

○ ملکہ حاصل ہونا: غالبؔ کو شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری میں بھی ملکہ حاصل تھا۔

3: بعض اوقات بات کی وضاحت کے لیے یا بات میں زور پیدا کرنے کے لیے مثال دی جاتی ہے۔ اسے تمثیلی انداز کہا جاتا ہے' جیسے اس سبق میں آئے ہوئے جملے دیکھیے:

الف: ان سے چھوا نہیں اور کُندن ہوا نہیں۔

ب: وہ ہر بڑے اور صاحبِ اقتدار آدمی پر اسی طرح نوٹ کر گرتے ہیں جیسے شہد کی مکھیاں۔

ج: وہ ان افراد کو جو ان کی یا حکومت کی راہ میں حائل ہیں دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیں۔

د: اس وقت نواب صاحب کی خوش بیانی' فصاحت اور ظرافت جادو کا کام کرتی تھی۔

اب آپ اس نوعیت کے پانچ جملے مزید لکھیے۔

تمثیلی انداز کے جملے 1۔ نواب محسن الملک میں پارس پتھر کی خاصیت تھی۔

2۔ وہ بات کیا کرتا ہے، منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔

3۔ اس کی سحر بیانی نے محفل پر جادو سا کر دیا۔

4۔ ان کی تقریروں میں ظرافت کی چاشنی بڑا مزہ دیتی تھی۔

5۔ صحرا میں پھول ہیں یا قطار اندر قطار پریاں۔

4: اس سبق میں سرسیّد احمد خاں کے جن جن رفقا کا ذکر آیا ہے۔ اُن کے ناموں کی ایک فہرست مرتب کیجیے۔

جواب: 1۔ نواب محسن الملک 2۔ مولانا الطاف حسین حالی

3۔ مولوی مشتاق حسین (وقار الملک) 4۔ چراغ علی 5۔ مولوی نذیر احمد

5: اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

جواب: دیکھیے سبق کا خلاصہ۔

6: سیاق وسباق کے حوالے سے مندرجہ ذیل اقتباسات کی تشریح کیجیے۔

الف: ''ان کی ایک ہی تصنیف ہے جو خالص مذہبی ہے' ورنہ اس کے سوا ان کی جتنی تحریریں ہیں وہ یا تو تعلیمی ہیں یا معاشرتی یا علمی' لیکن ان سب کا تعلق کسی نہ کسی نہج سے اسلام یا مسلمانوں سے ہے۔ گو وہ اُردو کے اعلیٰ درجے کے ادیبوں میں نہیں لیکن ان کی تحریر میں ادبیت کی شان ضرور پائی جاتی ہے۔ روانی' فصاحت' تسلسلِ بیان ان کے کلام میں نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ اگرچہ انگریزی نہیں جانتے تھے' لیکن انگریزی کتابیں پڑھوا کر سنتے اور ترجمہ کرا کر مطالعہ کرتے تھے۔ ان کے مضامین میں مغربی خیالات کی ترجمانی صاف نظر آتی

ہے۔'' (سرمایۂ اُردو 12 صفحہ 24)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : نواب محسن الملک

مصنف کا نام : ڈاکٹر مولوی عبدالحق

سیاق وسباق: نواب محسن الملک اسلامیانِ ہند کے حقیقی محسن تھے۔ وہ عظیم مدبر، منتظم، دُور اندیش اور معاملہ فہم انسان تھے۔ حیدرآباد کی ریاست میں بندوبست، فنانس اور مال گزاری کے محکموں میں ان کی اصلاحات ان کی غیر معمولی قابلیت کی دلیل ہیں۔ انھوں نے ریاست کا بجٹ بھی مرتب کیا۔ انھیں ریاست حیدرآباد میں بے حد عوامی مقبولیت اور ہر دلعزیزی نصیب ہوئی اور ان کے ریاست سے رخصت ہونے پر ہزاروں لوگ حیدرآباد سٹیشن پر انھیں خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے موجود تھے۔ محسن الملک ایک اعلیٰ مقرر اور صاحبِ مطالعہ نثر نگار بھی تھے۔ ملازموں اور ماتحتوں سے کام لینے کا انھیں بڑا اچھا سلیقہ تھا۔ سرسیّد کے انتقال کے بعد انھوں نے علی گڑھ کے کالج اور مشن کو سنبھالا اور قوم کو سرسیّد کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ محسن الملک مذہب سے بہت لگاؤ رکھتے تھے۔ ابتدائی زندگی میں وہ باقاعدہ وعظ بھی کیا کرتے تھے۔

تشریح: محسن الملک نے اس زمانے میں آنکھ کھولی جب برصغیر کے مسلمانوں کو سیاسی اور سماجی زوال کا سامنا تھا۔ وہ اقتدار کھو چکے تھے اور انگریز کی تہذیبی و ثقافتی یلغار کے سامنے اپنے مذہب کو ڈھال بنائے ہوئے تھے۔ اس دور کے تمام لکھنے والے اپنے اپنے انداز میں مذہب کو موضوعِ سخن بناتے تھے۔ محسن الملک کو بچپن ہی سے اسلام سے محبت اور لگاؤ تھا لیکن ان کی خالص مذہبی تصنیف صرف ایک ہی ہے۔ اس کے سوا ان کی تحریریں تعلیمی، معاشرتی اور علمی موضوعات پر ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بظاہر غیر مذہبی تحریروں کا تعلق کسی نہ کسی موڑ پر دینِ اسلام یا مسلمانوں سے جڑ جاتا ہے۔ محسن الملک تعلیمی مسئلے پر کچھ لکھتے ہیں تو وہ مسئلہ مسلمانانِ ہند ہی کا ہوتا ہے۔ اسی طرح معاشرتی اور سماجی اصلاح کے مقصد کو بھی غیر اسلامی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ درحقیقت محسن الملک کی ہر کوشش کا مقصد مسلمانوں کی بیداری اور ان کے مفادات کا تحفظ ہی ہوتا تھا۔ وہ اعلیٰ درجے کے ادیب تو نہیں تھے لیکن ان کی تحریر بے رنگ اور بے کیف بھی نہیں اور اس میں ادبیت کی شان پائی جاتی ہے۔ روانی، فصاحت اور تسلسل بیان جیسے اوصاف ان کی تحریروں کی ادبی قدر و قیمت متعین کرتے ہیں۔ وہ انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن انھیں اس بات کا پورا احساس تھا کہ جدید علوم سے آگاہی کے لیے انگریزی کتب اور مضامین کا مطالعہ کس قدر ضروری ہے۔ اسی لیے وہ انگریزی کتابیں دوسروں سے پڑھوا کر سنا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مضامین میں جدید سوچ اور مغربی اندازِ فکر کی ترجمانی نمایاں ہے۔

ب: ''دوسروں سے کام لینے کا انھیں بڑا اچھا سلیقہ تھا۔ وہ کچھ ایسے مہر آمیز طریقے سے کہتے تھے اور اس طرح ہمت افزائی کرتے تھے کہ لوگ خوشی خوشی اُن کا کام کرتے تھے۔ اپنے ملازموں اور ماتحتوں سے بھی ان کا سلوک ایسا تھا کہ وہ ان کی فرمائش کی تعمیل ایسی تن دہی اور شوق سے کرتے تھے جیسے ان کا کوئی ذاتی کام ہو اور وقت پر

جان لڑا دیتے تھے۔'' (سرمایۂ اُردو 12 صفحہ 25)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : نواب محسن الملک

مصنف کا نام : ڈاکٹر مولوی عبدالحق

سیاق وسباق: نواب محسن الملک کی شخصیت گوناگوں اوصاف کا مجموعہ تھی۔ وہ ایک عظیم مدبر، موثر منتظم اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے رہنما تھے۔ مذہب سے ان کو بہت لگاؤ تھا۔ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے انھوں نے تعلیمی اور معاشرتی موضوعات پر مضامین بھی لکھے۔ ریاست حیدرآباد کے لیے ان کی خدمات نے انھیں عوام میں بے حد مقبولیت عطا کردی تھی۔ حیدرآباد کا بجٹ مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے بندوبست، فنانس اور مال گزاری کے محکموں میں اصلاحات کی تھیں۔ وہ ایک خوش بیان مقرر تھے اور بپھرے ہوئے ہجوم کو اپنی خطیبانہ صلاحیت سے کام لے کر پُرسکون کردیتے تھے۔ مردم شناسی کا وصف بھی ان میں موجود تھا۔ سرسیّد کی وفات کے بعد انھوں نے علی گڑھ کے مشن کو آگے بڑھایا۔ اسلامیانِ ہند کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

تشریح: نواب محسن الملک کی بطور منتظم کامیابی کا راز اپنے ماتحتوں اور ملازمین سے کام لینے کا وہ خاص انداز تھا جسے انسانی نفسیات سے غیر معمولی شناسائی رکھنے والا شخص ہی اختیار کرسکتا ہے۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ عام افسر اور منتظمین سخت گیری کو اپنا اہم حربہ تصور کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ماتحت ان کے احکامات بجالانے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن اس کوشش میں ان کا قلبی میلان ہرگز شامل نہیں ہوتا۔ اس صورت میں کام مکمل ہو بھی جائے تو اس میں خوبصورتی پیدا نہیں ہوتی اور تشنگی باقی رہتی ہے۔ محسن الملک سخت گیری کے بجائے اپنے ماتحتوں کا دل جیتنے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ بہت محبت آمیز انداز میں ماتحتوں اور ملازمین کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے۔ اس طرح ماتحت انھیں اپنا ہمدرد اور سرپرست تصور کرنے لگتے اور خوشی خوشی ان کے احکامات بجالاتے۔ لوگ ان کی فرمائش کو ان کی فرمائش نہیں بلکہ اپنا ذاتی کام سمجھتے تھے اور وقت پڑنے پر محسن الملک کی خاطر جان لڑا دیا کرتے تھے۔ اسی منفرد طریق کار کے باعث محسن الملک نے ریاست حیدرآباد میں قیام کے دوران میں غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اپنی عملی زندگی میں دیگر کامیابیاں بھی حاصل کیں۔

7: حروف، وہ غیر مستقل الفاظ ہیں جو تنہا بولنے یا لکھنے میں کوئی خاص معنی پیدا نہیں کرتے جب تک کسی جملے میں یا دوسرے الفاظ کے ساتھ استعمال نہ ہوں مثلاً ''نمازی مسجد میں ہے۔۔۔'' اس جملے میں لفظوں کا تعلق ''میں'' کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو جملہ بے جوڑ اور مہمل ہو جائے اور ''میں'' حرف ہے۔

اردو میں ان الفاظ کی چار قسمیں ہیں:

1۔ ربط 2۔ عطف 3۔ تخصیص 4۔ فجائیہ

1۔ حروفِ ربط: وہ حروف ہیں جو ایک لفظ کا علاقہ کسی دوسرے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں مثلاً 'کا' 'کے' 'کی' 'نے' 'تئیں' 'سے' 'میں' 'تک' وغیرہ

2۔ حروفِ عطف: وہ حروف جو دو یا دو سے زیادہ لفظوں یا جملوں کو ملانے کا کام دیتے ہیں مثلاً 'اور' 'مگر' 'تو' وغیرہ

ان کی مزید کئی مثالیں ہیں۔

1۔وصل 2۔تردید 3۔استدراک 4۔استثنا 5۔شرط 6۔علت
7۔بیانیہ 8۔تحاشا

3۔حروفِ تخصیص: وہ حروف جو کسی اسم یا فعل کے ساتھ آتے ہیں تو خصوصیت یا حصر کے معنی پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً ہی، تو، بھی، ہر وغیرہ

4۔حروفِ فجائیہ: وہ حروف ہیں جو جوش یا جذبے میں بے تحاشا زبان سے نکل جاتے ہیں مثلاً اے، اُف، اوہو، ہائے وغیرہ

☆ مندرجہ ذیل حروف کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

کہ، اور، یا، جو، ورنہ، لہٰذا، چاہے، چونکہ، تو، اگر، مگر، جبکہ، کیونکہ، صرف، بلکہ، اگرچہ، چونکہ، لیکن، واہ وغیرہ

- کہ: میں نے بتا دیا تھا کہ میں کل نہیں آؤں گا۔
- اور: محنت اور کامیابی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔
- یا: تمہیں یا مجھے ہر صورت کام مکمل کرنا ہے۔ (مانو یا نہ مانو گلاس تمہی نے توڑا ہے)
- جو: جو محنت نہیں کرتے ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔
- ورنہ: محنت کرو ورنہ امتحان میں ناکام ہو جاؤ گے۔
- لہٰذا: مجھے بہت ضروری کام ہے لہٰذا آج میں کہیں نہیں جاؤں گا۔
- چاہے: چاہے جتنا مرضی زور لگاؤ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔
- چوں کہ: چوں کہ وہ کمزور تھا اس لیے مقابلہ نہ کر سکا۔
- تو: اگر ذرا توجہ سے میری بات سنو تو میں کچھ کہوں۔
- اگر: اگر محنت نہ کرو گے تو امتحان میں ناکام ہو جاؤ گے۔
- مگر: سب دوست موجود تھے مگر خاور غائب تھا۔
- جبکہ: جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود، پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟
- کیوں کر: شفیق نے رفیق کو کیوں کر تھپڑ مارا۔
- صرف: بات صرف اتنی ہے کہ وہ کام نہیں کرتا۔
- بلکہ: وہ جھوٹا ہی نہیں بلکہ چور بھی ہے۔
- اگرچہ: اگرچہ وہ امیر آدمی ہے لیکن بڑا کنجوس ہے۔
- چونکہ: چونکہ رحیم ایماندار آدمی ہے اس لیے جھوٹ نہیں بولتا۔
- لیکن: میں نے بہت کوشش کی لیکن وقت پر اسٹیشن نہ پہنچ سکا۔
- واہ: واہ! کیا سہانا منظر ہے۔

مزید معروضی سوالات

س: محسن الملک نے ریاست حیدرآباد میں کون سا اہم ترین کارنامہ انجام دیا؟

ج: نواب محسن الملک نے ریاست حیدرآباد کا بجٹ مرتب کیا جو مصر کے بجٹ کے نمونے پر تھا جو وہاں انگریزی نگرانی کے بعد پہلی بار تیار ہوا تھا۔

س: مصنف کے خیال میں خوشامدیوں کا طرزِ عمل کیا ہوتا ہے؟

ج: مصنف کے خیال میں خوشامدی ہر بڑے اور صاحب اقتدار آدمی پر اس طرح ٹوٹ کر گرتے ہیں جیسے شہد پر مکھیاں۔

س: نواب محسن الملک کو حیدرآباد والوں نے کس طرح رخصت کیا؟

ج: محسن الملک کی رخصت کے وقت حیدرآباد میں کہرام مچ گیا۔ سٹیشن کے اندر اور باہر ہزاروں آدمی موجود تھے۔ امیر، غریب، بیوائیں اور یتیم سب رو رہے تھے۔ نواب محسن الملک نے سبھی کا دل موہ لیا تھا۔

س: مولوی عبدالحق نے محسن الملک کی تحریروں کی ادبی حیثیت پر کیا تبصرہ کیا ہے؟

ج: مولوی عبدالحق کے مطابق محسن الملک اعلیٰ درجے کے ادیب نہیں مگر ان کی تحریروں میں ادبیت کی شان ہے۔ روانی، فصاحت، تسلسل بیان ان کے کلام میں نمایاں ہے۔

س: محسن الملک کے اندازِ خطابت کے متعلق مولوی عبدالحق نے کیا لکھا ہے؟

ج: تقریر کے وقت ان کے منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ آواز میں شیرینی اور دل کشی تھی۔ ایسے خوش بیان تھے کہ مخالفین کو بھی قائل کر لیا کرتے تھے۔

س: محسن الملک دوسروں سے کس طرح سے کام لیتے تھے؟

ج: وہ ہر کام محبت آمیز طریقے سے کہتے اور دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتے۔ ملازموں اور ماتحتوں سے بھی یہی سلوک تھا۔ سب لوگ خوشی خوشی ان کا کام کرتے تھے۔

س: محسن الملک کا مطالعہ کرنے کا کیا طریق کار تھا؟

ج: نواب محسن الملک کو مطالعے کا بہت شوق تھا۔ اخبارات اور اُردو، فارسی، عربی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ انگریزی کتابوں کا ترجمہ کرا کے پڑھتے تھے۔

س: محسن الملک کے کتب خانے میں کون سی کتابیں تھیں؟

ج: محسن الملک کے کتب خانے میں فارسی، عربی اور انگریزی کی اعلیٰ درجے کی کتابیں تھیں۔

س: محسن الملک کی ظرافت کے متعلق مولوی عبدالحق نے کیا لکھا ہے؟

ج: نواب محسن الملک کی باتوں اور تقریروں میں ظرافت کی چاشنی بہت مزہ دیتی تھی۔ باتوں میں ظرافت کبھی کبھی شوخی کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔

4۔ محنت پسند خردمند ــــ مولانا محمد حسین آزاد

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 29 : ○ خردمند: عقلمند ○ گلشن حال: زمانہ حال ○ دُوربین: وہ آلہ جس کی مدد سے دُور کے مناظر واضح نظر آتے ہیں ○ ماضی : گزرا ہوا زمانہ ○ استقبال : آنے والا زمانہ ○ روایت کرنا : بیان کرنا ○ پیراہن: لباس ○ بدی: برائی ○ غبار : گرد ○ اولادِ آدم: آدم کی اولاد یعنی انسان ○ مسرت عام: عام خوشی ○ مدام: ہمیشہ ○ عالم: کیفیت، حالت ○ ملک فراغ: ہر طرف فراغت تھی ○ خسرو آرام: آرام کا بادشاہ ○ فرشتہ مقام: فرشتوں جیسا ○ رعیت: رعایا ○ خراج باج: لگان، ٹیکس ○ اطاعت: حکم ماننا ○ گلگشت کرنا: باغ کی سیر کرنا ○ آبِ حیات: وہ پانی جس کے پینے والے کو کبھی موت نہیں آتی ○ موافق: ٹھیک، مناسب ○ جاڑا: سردی ○ سوا: زیادہ، علاوہ ○ قوت ہاضمہ: خوراک کو ہضم کرنے کی قوت ○ رفیق: دوست ○ رنگا رنگ: مختلف اقسام کے ○ مقوی: قوت بخش ○ مفرح: فرحت عطا کرنے والا ○ صبا: صبح کی خوشگوار ہوا ○ نسیم: ٹھنڈی ہوا ○ شمیم: خوشبو ○ زمزمے: نغمے ○ کلیل کرنا: جانوروں کا خوشی سے اُچھلنا۔

صفحہ نمبر 30 : ○ جابجا: جگہ جگہ ○ بسر کرنا: گزارنا ○ بہتات: فراوانی ○ رنج: دُکھ ○ مالا مال: بھرپور ○ فارغ البال: بے فکر ○ پھولوں کا تختہ: پھولوں کی کیاری ○ عالم مہک گیا: دُنیا خوشبو سے بھر گئی ○ کھٹک: خدشہ ○ گلزار: باغ ○ شیاطین: شیطان کی جمع ○ ذریات: اولاد ○ غارت: بربادی ○ تاراج: بربادی، لوٹ مار ○ اثر صحبت: تعلق کا نتیجہ ○ بہ موجب: کے مطابق، کی وجہ سے ○ عیش وافر: ضرورت سے زیادہ آرام ○ سامان فراوان: ضرورت سے زیادہ سامان ○ بے احتیاجی: کوئی ضرورت نہ ہونا ○ تونگری: دولت مندی ○ اپنے تئیں: خود کو ○ افلاس: غربت ○ احتیاج: حاجت ○ پیرزادہ: پیر کی اولاد ○ طمع خام کا خمیر: لالچی طبیعت ○ معتقد: اعتقاد رکھنے والا، عقیدت مند

صفحہ نمبر 31 : ○ حاجت مند: ضرورت مند ○ نحس قدم: منحوس ○ انواع و اقسام کی: مختلف قسموں کی ○ ساگ پات: معمولی کھانے ○ نباتات: پودے ○ گزران: گزر اوقات ○ مڈی دل: مڈیوں کا گروہ، بہت بڑی فوج ○ وبا: پھیلنے والی بیماری ○ غول: گروہ ○ تہلکہ: تباہی ○ یک قلم: فوراً ○ بالکل: تمام ○ رنگ بے رنگ: بہت بُرے حالات ○ برائے خدا: خدا کے واسطے ○ خفا: ناراض ○ فرشتہ سیرت: بہت نیک ○ بے کس: بے بس، لاچار ○ سلطنت: حکومت

صفحہ نمبر 32 : ○ سراغ: نشانی، پتا ○ دامن کوہ: پہاڑ کا دامن ○ قوی ہیکل: مضبوط جسم والا ○ جھرجھرایا ہوا چہرہ: ایسا چہرہ جس پر جھریاں پڑی ہوں ○ تمتمایا ہوا: چمکتا ہوا ○ ریاضت: محنت ○ اوزار: آلات ○ سب کے منہ کا نوالہ: سب کی بات ماننے والا، کمزور ○ ریلا: لہر، دھکا ○ منجدھار: سمندر یا دریا کا وسط

○ شوریت: بنجر پن ○ آزار: مشکل، دُکھ، مصیبت۔

صفحہ نمبر 33: ○ **اپنے ڈھب پر:** اپنی مرضی کے مطابق ○ **تسخیر کر لینا:** فتح کر لینا ○ **دل لبھایا:** دل جیت لیا ○ **خیر خواہ:** بھلائی چاہنے والا ○ **مذکور:** جس کا ذکر کیا گیا ہو ○ **تحمل:** برداشت ○ **سینچنا:** سیراب کرنا ○ **کمر باندھنا:** پختہ ارادہ کر لینا ○ **دیمک کی طرح روئے زمین کو لپٹ گئے:** مستقل مزاجی سے اپنے اپنے کام کرنے لگے ○ **رعیت:** رعایا ○ **سلطان:** بادشاہ ○ **لقب:** وہ نام جو کسی خوبی یا خامی کی وجہ سے مشہور ہو جائے۔

سبق کا خلاصہ

زمانے کے لباس پر گناہ کا داغ لگنے سے قبل ہر انسان خوشی اور بے فکری کی زندگی گزارتا تھا گویا یہ دُنیا ملک فراغ تھی جس میں خسرو آرام کی حکومت قائم تھی۔ لوگ قدرتی گلزاروں میں سیر کرتے، آبِ حیات کے دریاؤں میں نہاتے۔ ہمیشہ صبح کا وقت اور بہار کا موسم رہتا۔ نہروں کے ٹھنڈے میٹھے پانی میں شربت سے زیادہ لذت اور دودھ سے زیادہ طاقت تھی۔ جنگلوں کی پیداوار لذیز اور طاقت بخش کھانے کا کام دیتی تھی۔ خوشبودار ہوائیں چلتی تھیں اور خوش آواز پرندے نغمہ سرا رہتے تھے۔ عیش و آرام کا قدرتی سامان سب کے لیے وافر تھا سب خوش رہتے تھے اور کوئی دوسرے کو رنج نہ پہنچاتا تھا پھر ایک میدان میں تیز اور گرم بو والے پھولوں کا ایک تختہ کھلا جس کی تاثیر سے ہر شخص کو یہ خیال پیدا ہوا کہ سامان عیش و آرام صرف اسی کو میسر ہونا چاہیے اور دوسروں کو محروم رہنا چاہیے۔ اس طرح فریب کے جاسوس، سینہ زوری کے شیاطین اور ان کی اولاد یعنی غارت، تاراج اور لوٹ مار بھی آ پہنچے اور ڈاکے مارنے لگے۔ غرور، خود پسندی اور حسد نے بھی ڈیرے ڈال لیے پہلے لوگ بے احتیاجی اور سامان عیش میسر ہونے کو تونگری کہتے تھے لیکن اب یہ سمجھنے لگے کہ سب کچھ میسر ہونے کے باوجود کوئی اس وقت تک تونگر نہیں ہو سکتا جب تک ہمسایہ اس کا محتاج نہ ہو۔ لوگ اپنے خوش حال ہمسایوں سے جل جاتے اور خود کو محتاج خیال کرتے تھے۔ اس بدنیتی کے زیر اثر سب انسان احتیاج اور افلاس کے مرید ہو گئے اور ہر شخص خود کو حاجت مند ظاہر کر کے فخر کرنے لگا اب ملک فراغ کا رنگ بدل گیا سال میں چار موسم ہو گئے زمین بنجر ہو گئی اور لوگ ساگ پات اور ادنیٰ نباتات پر گزارا کرنے لگے، پھر مختلف وبائی امراض حملہ آور ہوئے اور قحط نے اولاد آدم کو لاچار کر کے رکھ دیا۔ تدبیر اور مشورہ نے دُنیا سے الگ ہو کر سیب کے درخت میں جھولا ڈال رکھا تھا لوگ ان کے پاس گئے اور احتیاج و افلاس سے نجات پانے کی تدبیر پوچھی وہ ناراض ہوئے اور کہا کہ اپنے کیے کا علاج نہیں تم نے خسرو آرام جیسے نیک سیرت بادشاہ کی قدر نہ کی اور یہ دن دیکھے۔ ہم نے سنا ہے کہ احتیاج و افلاس کا ایک بیٹا ہے جس کا نام محنت پسند خردمند ہے۔ اس نے اُمید کا دودھ پیا ہے ہنرمندی کے ہاتھوں پلا ہے اور کمال کا شاگرد ہے اس کی خدمت کرو لوگوں نے تدبیر اور مشورے کا شکریہ ادا کیا اور محنت پسند خردمند کی تلاش میں نکلے جو دامن کوہ میں ملا، چہرہ ہوا سے جھرجھرایا، دُھوپ سے تمتمایا ہوا، بدن مشقت کی ریاضت سے اینٹھا، پسلیاں ابھری ہوئی تھیں، کھیتی باڑی اور معماری کا سامان پاس تھا، لوگوں کی بات سن کر قہقہہ مارا اور بولا عیش پسند اور نادان انسانو! خسرو آرام کمزور کام چور اور کم

حوصلہ تھا تمہیں مصیبت سے نکال نہ سکا آج سے تم ہماری بات مانو گے اور اپنے حالات سدھارو گے، خوراک اگاؤ، موسموں پر قابو پاؤ گے، زمین سے معدنیات اور جواہرات نکالو گے اور دُنیا کو تسخیر کرلو گے۔ لوگ محنت پسند خردمند کے پاؤں پر گرے اس نے ہمت اور تحمل کو ان پر افسر مقرر کیا جو لوگوں کو جنگلوں اور پہاڑوں میں لے گئے۔ لوگوں نے سخت محنت کی تو چند روز میں دُنیا کی صورت ہی بدل گئی۔ گاؤں، قصبے، شہر آباد ہوئے۔ اناج اور میووں کی فراوانی ہوگئی، بازار سج گئے اور عمارتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ محنت پسند خردمند نے سلطان محنت پسند کا لقب حاصل کیا اور ایک وسیع سلطنت قائم کرلی۔

مشقی سوالات

1۔ مختصر جواب دیجیے:

الف: زمانے کے پیراہن پر گناہ کا داغ لگنے سے پہلے لوگ کس طرح کی زندگی بسر کرتے تھے؟

جواب: جب زمانے کے پیراہن پر گناہ کا داغ نہیں لگا تھا تو لوگ خوش حالی اور بے فکری کی زندگی گزارتے تھے۔ خسروِ آرام بادشاہ کی حکومت تھی اور ملک میں ہر طرف فراغت تھی۔ ہمیشہ صبح کا وقت اور بہار کا موسم رہتا تھا۔

ب: جب غرور، خود پسندی اور حسد نے دُنیا میں ڈیرے ڈالے تو لوگوں پر کیا اثرات ہوئے؟

جواب: غرور، خود پسندی اور حسد نے لوگوں کے مزاج بدل دیئے۔ پہلے سب اپنی خوش حالی اور بے احتیاجی ہی کو تونگری سمجھتے تھے لیکن اب یہ سوچ پیدا ہوئی کہ اپنی خوش حالی کے باوجود تونگر ہم اسی وقت ہوں گے جب ہمسایہ ہمارا محتاج ہو اور اگر ہمسایہ خوش حال ہے تو ہم تونگر نہیں بلکہ محتاج ہیں۔

ج: احتیاج اور افلاس نے حضرت انسان پر کیا کیا اثرات ڈالے؟

جواب: احتیاج اور افلاس کا بزرگانہ لباس دیکھ کر حضرت انسان نے ان کی مریدی اختیار کی۔ ہر شخص خود کو حاجت مند ظاہر کر کے فخر کرنے لگا۔ طرح طرح کی حاجتوں نے لوگوں کو گھیر لیا۔

د: محنت پسند خردمند سے رجوع کرنے کے کیا اسباب ہوئے؟

جواب: تدبیر اور مشورہ نے لوگوں کو بتایا کہ احتیاج و افلاس کا ایک بیٹا محنت پسند خردمند ہے۔ اس نے اُمید کا دُودھ پیا ہے۔ ہنرمندی نے اسے پالا ہے۔ کمال کا شاگرد ہے۔ جاؤ اور اس کی خدمت کرو۔ یہ سن کر سب محنت پسند خردمند کے پاس پہنچے۔

ہ: محنت پسند خردمند کی شکل و شباہت کیسی ہے؟

جواب: محنت پسند خردمند قوی ہیکل جوان ہے۔ اس کا چہرہ ہوا سے جھرجھرایا، دُھوپ سے تمتمایا ہوا، بدن مشقت کی ریاضت سے اینٹھا ہوا، پسلیاں اُبھری ہوئی ہیں۔ اس کے ایک ہاتھ میں زراعت کا سامان، دوسرے میں معماری کے اوزار ہیں۔

و: زمانے میں ہمت اور تحمل کا عمل دخل ہوا تو اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

جواب: ہمت اور تحمل نے انسانوں کو کان کنی، زمین ہموار کرنا اور آبپاشی سکھائی۔ لوگوں کی محنت سے چند روز میں

زمین پر شہر، قصبے اور گاؤں آباد ہو گئے۔ کھیت اناج سے اور باغ میووں سے بھر گئے۔

ز: انسان کو دُنیا میں کون سے رویے زیب دیتے ہیں؟

جواب: انسان کو محنت، ہمت اور تحمل کے رویے زیب دیتے ہیں۔ یہ رویے اپنا کر ہی وہ دُنیا میں باعزت زندگی گزار سکتا ہے۔

2۔ سبق کے متن کے پیشِ نظر "محنت کی برکات" پر ایک مضمون لکھیے:

جواب:

محنت کی برکات (مضمون)

محنت سے مراد مشقت، ریاضت، کوشش، سرگرمی، جانفشانی، مزدوری اور ذہن و بدن کی قوت استعمال کرنا ہے۔ جب انسان کوئی کام سرانجام دینا چاہتا ہے تو ذہن میں اُس کا خاکہ بنا کر وسائل مہیا کرتا ہے۔ وسائل مہیا کرنے میں بھی محنت کرتا ہے، پھر کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مشقت برداشت کرتا ہے، جس کی برکت سے کام مکمل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم کے وقت جب اس میں اپنی رُوح پھونکی تو اس کے ساتھ ہی انسانی فطرت میں اپنی صفات پیدا کر دیں اور اس کے وجود میں جوہر رکھ دیئے، جن کو کام میں لا کر انسان تخلیقی عمل انجام دیتا ہے۔ کسی جوہر سے کام لینا کوئی آسان عمل نہیں ہے۔ انسان جتنے بڑے مقصد کو حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کے لیے اسے اتنی ہی زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے، جو لوگ زندگی کو حسرت و یاس کے سائے میں دیکھتے ہیں وہ ہمت سے کام نہیں لیتے۔ اس لیے زندگی بھی ناکام گزارتے ہیں۔ بعض لوگ زندگی میں اُمید کا عمل دخل زیادہ دیکھتے ہیں وہ محنت کرتے ہیں اور مایوسیوں کے اندھیروں کو اُمیدوں، محنتوں اور مشقتوں کے چراغوں سے روشن کرتے ہیں۔ انسانی زندگی پر جتنا بھی غور کریں ہمیں زندگی، مسلسل جدوجہد اور کوشش پیہم ہی کا دوسرا نام نظر آتی ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "انسان کے لیے اور کچھ نہیں سوائے اس کے، کہ جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔" دنیا کے ہر مفکر نے کامیاب زندگی گزارنے کے لیے انسانوں کو محنت ہی کا درس دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کی ساری شاعری اس سبق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہ تو کسی منزل پر پہنچنے کے بعد بھی کوشش ختم کر دینے کا سبق نہیں دیتے۔

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اسی طرح ایک اور جگہ کہتے ہیں:

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دِل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

محنت کا پھل دراصل محنت کی برکت ہے، جس سے انسان اپنے اعلیٰ مقاصد حاصل کرتا ہے۔ ان

مقاصد کے سامنے وقت کی ہر رفعت سر جھکاتی ہے۔ ہر منزل سرنگوں ہوتی ہے۔ ہر کامیابی قدم چومتی ہے۔

تاریخِ عالم کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں دُنیا میں جن لوگوں کو ناموری میسر ہوئی انہوں نے مسلسل محنت کی' اور عام گھرانوں میں پیدا ہو کر بھی محنت کی برکات سے نام کمایا۔ انہوں نے مشقت کی ذلت اُٹھا کر بڑائی پائی ہے۔ مشقت اور محنت کے بغیر کبھی کسی کو فضیلت' عزت اور فرماں روائی نہیں ملی۔ مولانا حالؔی کہتے ہیں:

؎ نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اُوپر چڑھے ہیں

بزرگوں نے اپنے مشاہدات اور تجربات کا نچوڑ اِن لفظوں میں پیش کیا ہے کہ زمانے کی رو میں نہ بہہ جانا بلکہ زمانے کو اپنے ساتھ ملے کر چلنا، زمانے کے ساتھ لڑو گے تو عزت پاؤ گے' ورنہ زمانے کے دریا کی موجیں تمہیں اپنے ساتھ بہا کر لے جائیں گی اور تمہارے وجود کو مٹا کر رکھ دیں گی۔ کیونکہ بقول حالؔی

؎ دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

وہ شخص جو عمل کی قوت سے عاری ہو اُس کی زندگی موت سے بدتر ہے۔ اسی طرح جو قوم قوتِ عمل سے محروم ہو جاتی ہے۔ وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دی جاتی ہے۔ کیونکہ عمل ہی کا دوسرا نام زندگی ہے۔ محنت ہی کی برکات کا ثمرہ کامیاب زندگی ہے، بقول علامہ اقبال:

جنبش سے ہے زندگی جہاں کی — یہ رسمِ قدیم ہے یہاں کی
چلنے والے نکل گئے ہیں — جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

عظیم آدمی، کسی رہبر و رہنما، کسی جنگجو اور جرنیل، پیغمبروں، صحابہ، کرام یا کسی اور کی زندگی کا مطالعہ کریں تو مسلسل محنت ہی محنت نظر آتی ہے۔ طرح طرح کی مشکلات سے عہدہ برآ ہونا' مصائب و آلام کے خلاف نبرد آزما ہونا۔ اپنی تقدیر آپ بنانے کا عمل ہر طرف نظر آتا ہے۔ وہ اپنی خاک کو مکوی انجم میں مقید نہیں رکھتے بلکہ گردشِ افلاک سے ٹکرا جاتے ہیں اور ہمیشہ اپنا جہاں آپ پیدا کرتے ہیں۔ دنیا اگر غالبؔ کو بازیچۂ اطفال نظر آتی ہے، دن رات کے عمل میں اُسے ایک تماشا ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اورنگِ سلیماں محض ایک معمولی کھیل دکھائی دیتا ہے۔ اعجازِ مسیحا اگر صرف ایک معمولی سی بات محسوس ہوتی ہے تو یہ سب محنت ہی کی برکات ہیں۔ سائنس کے تمام کرشمے محنت کے عمل ہی کے مرہونِ منت ہیں۔

انسانی زندگی کا آغاز جنت میں یقیناً آرام طلبی اور بے عملی سے ہوا تھا لیکن وہ اس جنت کو حقیقی جنت نہیں سمجھتا، وہ چیز جو بغیر محنت کیے مل جائے، اس کی قدر نہیں ہوتی' بخشے ہوئے فردوس انسان کی نظر میں جچتے نہیں ہیں۔ وہ اپنی جنت کو اپنے خونِ جگر' اپنی محنت کے عمل اور کوششِ پیہم کی جزا سمجھتا ہے۔ اسی بات کو مولانا محمد حسین آزادؔ نے اپنے مضمون ''آغازِ آفرینش میں باغِ عالم کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہو گیا'' میں بیان کیا

ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی نظم ''رُوحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے'' میں بیان کیا ہے۔ ان کی شاعری میں اکثر مقامات پر ان خیالات کا اظہار ملتا ہے۔ مثلاً

؎ یہ کاروانِ ہستی ہے تیز گام ایسا
قومیں کچل گئی ہیں جس کی رواروی میں

پتھر اور غار کے زمانے سے لے کر انسانی زندگی کا ارتقا محنت ہی کی برکات کا پرتو ہے۔ ہر آدمی کی زندگی میں جہاں کہیں کامیابی نظر آتی ہے تو درحقیقت وہ محنت ہی کی برکت سے ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں ہمیں عطا کی ہیں اور جو خوبیاں اور کاملات ہمارے وجود میں رکھ دیئے ہیں انہیں پہچانیں اور اپنے ہر مخفی جوہر کو اُجاگر کر کے ان سے کام لیں۔ اگر کہیں ناکامی کا سامنا بھی کرنا پڑے تو ہمت نہ ہاریں بلکہ ہر ناکامی کو کامیابی کا زینہ سمجھ کر آگے بڑھتے رہیں اپنی خامیوں پر نظر رکھیں انہیں دُور کریں اور کامیابیوں کے لیے محنت کرتے رہیں۔ کسی دوسرے کا محتاج ہونے کے بجائے اپنی ہمت سے کام لے کر اپنی دنیا آپ پیدا کریں۔ اپنی ہر مشکل کو آسان بنانا' ہماری محنت کی بدولت ہے۔

مولانا حالی کا فرمان ہے:

؎ چھپا دستِ قدرت میں زورِ قضا ہے
مشل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

3: سبق کے حوالے سے درست لفظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کیجیے۔

الف: ہمیشہ صبح کا اور سدا موسم بہار کا رہتا تھا۔ (گرمی' خزاں' بہار)

ب: یہ افلاس ایسی بُری بلا ہے کہ انسان کو بے کس اور بے بس کر دیتی ہے۔ (دولت' مشقت' افلاس)

ج: اپنے کیے کا علاج نہیں۔ (علاج' فائدہ' نقصان)

د: جاڑے نے بالکل لاچار کر دیا۔ (بے حال' افسردہ' لاچار)

ہ: عمارتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ (زمین' آسمان' درختوں)

4: درست بیان کے سامنے ''درست'' اور ''غلط'' کے سامنے ''غلط'' لکھیے۔

الف۔ خسرو آرام رعیت سے خدمت چاہتا تھا۔ غلط

ب۔ جب راحت و آرام کے سامان پیدا ہونے لگے تو رفتہ رفتہ غرور' خود پسندی اور حسد نے باغ سے کوچ کیا۔ غلط

ج۔ پہلے اسی بے احتیاجی کو لوگ تونگری کہتے تھے۔ درست

د۔ چونکہ یہ ساری نحوستیں' احتیاج اور افلاس کی نحوست سے نصیب ہوئی تھیں' اس لیے سب اپنے کیے پر پچھتائے۔ درست

ہ۔ خسرو آرام ایک ظالم و جابر بادشاہ تھا۔ غلط

و۔ محنت پسند خردمند احتیاج وافلاس کا بیٹا ہے۔ درست

ز۔ محنت پسند خردمند نے اُمید کا دودھ پیا ہے ہنرمندی نے اسے پالا ہے اور وہ کمال کا شاگرد ہے۔ درست

5: رموزِ اوقاف: (Punctuation)

رموزِ اوقاف کی علامتوں کے بغیر تحریر میں نکھار نہیں آتا۔ یہ دراصل وہ علامتیں ہیں جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے یا کسی جملے کے ایک حصے کو دوسرے حصوں سے علیحدہ کریں۔ رموزِ اوقاف کی مدد سے پڑھنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جملوں کو کس طرح پڑھنا ہے۔ جملے کے کس حصے کو کس طرح ادا کرنا ہے اور کہاں کہاں اور کس قدر توقف کرنا ہے۔ اگر یہ علامتیں نہ ہوں تو عبارت الفاظ وحروف کا ملغوبہ بن کر رہ جائے اور اس کا مفہوم سمجھنے میں دُشواری پیش آئے۔ ان کے نہ ہونے سے عبارت کے خلط ملط ہونے کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ رموزِ اوقاف کا فائدہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے پڑھنا آسان ہو جاتا ہے۔ نظر کو سکون ملتا ہے اور پڑھنے والا ہر جملے کے ہر حرف کی اہمیت جان لیتا ہے۔

رموزِ اوقاف کا آغاز بغداد، دمشق اور اُندلس کے عرب علما نے کیا۔ اہلِ یورپ نے علمائے اندلس کی تقلید کی اور تھوڑے سے تغیر سے ان ہی اوقاف کو اپنے یہاں رائج کر لیا۔ آج دنیا کی کم وبیش ہر علمی وادبی زبان میں رموزِ اوقاف کے طور پر کچھ نہ کچھ علامتیں مقرر اور مستعمل ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے لیے جو معروف علامتیں استعمال کی جاتی ہیں ان کے نام اور شکلیں حسب ذیل ہیں:

نام علامت	شکل	نام علامت	شکل
سکتہ یا وقف خفیف	،	وقفہ یا نصف وقف	؛
رابطہ یا وقف لازم	:	تفصیلیہ	:-
ختمہ یا وقف مطلق	۔	استفہامیہ یا سوالیہ	؟
ندائیہ یا فجائیہ	!	قوسین	( )
خط یا لکیر	ـــــ	واوین	“ ”

سبق میں رموزِ اوقاف کے طور پر جو علامتیں استعمال ہوئی ہیں۔ ان علامتوں کو تلاش کیجیے اور اپنے استاد کی مدد سے ان کا استعمال ذہن نشین کیجیے۔

جواب: سبق میں رموز واوقات کے طور پر درج ذیل علامتیں استعمال ہوئی ہیں۔

،	سکتہ یا وقف خفیف	ندائیہ یا فجائیہ !
۔	ختمہ یا وقف مطلق	قوسین ( )

☆ سیاق وسباق کے حوالے سے اہم اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1: ''وہ انھیں دیکھتے ہی ہنسا اور ایک قہقہہ مار کر پکارا کہ آؤ انسانو! نادانو! آرام کے بندو! عیش کے پابندو! آؤ آؤ آج سے تم ہمارے سپرد ہوئے۔ اب تمھاری خوشی کی اُمید اور بچاؤ کی راہ اگر ہے تو ہمارے ہاتھ ہے۔ خسرو آرام ایک کمزور، کام چور، بے ہمت، کم حوصلہ، بھولا بھالا، سب کے منہ کا نوالا تھا۔ نہ تمھیں سنبھال سکا، نہ مصیبت سے نکال سکا۔ بیماری اور قحط سالی کا ایک ریلا بھی نہ ٹال سکا۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 32)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : محنت پسند خردمند

مصنف کا نام : مولانا محمد حسین آزاد

سیاق وسباق: شامل نصاب مضمون ''محنت پسند خردمند'' مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب ''نیرنگ خیال'' کے ایک مضمون ''آغاز آفرینش میں باغ عالم کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہو گیا'' سے اقتباس ہے۔ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ شروع میں دُنیا میں سامانِ عیش اور قدرتی نعمتوں کی بہتات تھی اور سب لوگ آرام کی زندگی گزارتے تھے، لیکن پھر حسد، غرور اور خود پسندی کے منفی جذبات نے انسانوں کا مزاج بدل دیا۔ ایک دوسرے کی بدخواہی کا نتیجہ قدرتی نعمتوں سے محرومی کی صورت میں برآمد ہوا۔ قحط اور بیماریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان حالات میں تدبیر ومشورہ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے لوگوں نے محنت پسند خردمند سے رجوع کیا جس نے انھیں سخت محنت کا درس دیا۔ لوگوں کی محنت سے دُنیا میں ایک بار پھر خوش حالی آ گئی۔

تشریح: انسان اپنی فطرت میں موجود نیکی اور خیر خواہی کے تعمیری جذبے کی پرورش کرتا رہے تو دُنیا جنت کا نمونہ بن جاتی ہے لیکن یہی انسان حسد، غرور اور خود پسندی، جیسی اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہو جائے تو اپنی اور دوسروں کی زندگیاں برباد کر دیتا ہے۔ آزاد لکھتے ہیں کہ لوگوں کے دِلوں میں حسد کا جذبہ نہیں تھا تو ہر طرف سامانِ عیش وافر تھا لیکن جب لوگ ہمسائے کی خوشحالی دیکھ کر جلن محسوس کرنے لگے تو دُنیا میں بیماریاں پھیل گئیں اور قحط کا سامنا کرنا پڑا۔ ان حالات سے تنگ آ کر لوگ محنت پسند خردمند کے پاس پہنچے تو انھیں دیکھتے ہی اس نے قہقہہ لگایا اور بولا آؤ اے نادان انسانو! تم عیش وآرام کے رسیا تھے لیکن آج سے تم ہمارے سپرد ہو۔ دوبارہ خوشحالی کی منزل تک پہنچنا ہے تو ہماری بات ماننا ہوگی یعنی مسلسل محنت کرنا ہوگی۔ وہ خسرو آرام جسے تم فرشتہ سیرت سمجھتے ہو دراصل ایک مست اور بے عمل بادشاہ تھا۔ وہ کمزور، کام چور، بے ہمت اور کم حوصلہ تھا۔ اسی لیے اپنی رعایا کو سنبھال نہ سکا، جب تک سامان عیش میسر اور قدرتی نعمتیں مہیا رہیں، اس وقت تک تو کاروبار حکومت چلاتا رہا لیکن جب بیماری اور قحط سالی نے حملہ کیا تو فوراً پسپائی اختیار کر لی۔ خسرو آرام گردشِ حالات کا ایک وار بھی برداشت نہ کر سکا۔ اب تم ہماری رعایا ہو۔ ہم تمھیں مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا سکھائیں گے۔

اقتباس 2: ''اتفاقاً ایک میدانِ وسیع میں تخم پھولوں کا کھلا کہ اس سے عالم مہک گیا مگر بُو اس کی گرم اور تیز تھی۔ تاثیر یہ ہوئی کہ لوگوں کی طبیعتیں بدل گئیں اور ہر ایک کے دِل میں خود بہ خود یہ کھٹک پیدا ہوئی کہ سامانِ عیش وآرام

کا جو کچھ ہے میرے ہی کام آئے اور کسی کے پاس نہ جائے۔ اس غرض سے اس گلزار میں گلگشت کے بہانے کبھی تو فریب کے جاسوس اور کبھی سینہ زوری کے شیاطین آ کر چالاکیاں دکھانے لگے۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 30)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : محنت پسند خردمند

مصنف کا نام : مولانا محمد حسین آزاد

سیاق وسباق: مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب ''نیرنگِ خیال'' میں شامل مضمون ''آغازِ آفرینش'' میں باغ عالم کا رنگ کیا تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہوگیا۔'' میں سے ایک اقتباس بہ عنوان ''محنت پسند خردمند'' نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ زمانے کے پیراہن پر گناہ کا داغ لگنے سے پہلے اولادِ آدم عیش و آرام کی زندگی گزارتی تھی۔ دُنیا جنت کا نمونہ تھی۔ نعمتوں کا شمار نہ تھا لیکن پھر حسد، غرور اور خود پسندی جیسی برائیوں نے انسان کو آلیا اور اُس کے نتیجے میں دُنیا کا رنگ ہی بدل گیا۔ اولادِ آدم کو موسموں کی شدت، قحط اور مختلف امراض کا سامنا کرنا پڑا۔ بدحالی سے تنگ آ کر لوگ محنت پسند خردمند کے پاس گئے جس نے ان کو مسلسل محنت کا درس دیا۔ محنت پسند خردمند کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے لوگوں نے سخت مشقت کی اور ایک بار پھر خوشحال ہو گئے۔

تشریح: مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ ابتدائی زمانے میں عیش و آرام کے سامان کی فراوانی تھی۔ ہر طرح کی نعمتیں میسر تھیں۔ لوگ فارغ البال تھے۔ دوسروں کی خوش حالی دیکھ کر ان کے دِل میں کوئی منفی جذبہ پیدا نہ ہوتا تھا، پھر اتفاق سے ایک وسیع میدان میں پھولوں کی کیاری کھلی جس کی بو گرم اور تیز تھی۔ اس کیاری کی مہک پوری دُنیا میں پھیل گئی۔ اس مہک کی تاثیر ایسی زبردست تھی کہ لوگوں کے مزاج ہی بدل گئے۔ پہلے لوگ اپنی خوش حالی پر مطمئن تھے اور انھیں اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ سامانِ عیش سے دوسرے بھی لطف اندوز ہو رہے ہیں لیکن اب ہر ایک کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ ہر نعمت صرف میرے کام آئے اور دُنیا میں میرے علاوہ سب لوگ اس سے محروم رہیں۔ یہ منفی سوچ، منفی جذبات پیدا کرنے کا باعث بنی۔ نعمتوں کو خود تک محدود رکھنے اور دوسروں کو محروم رکھنے کے تباہ کن خیال نے انسان کو فریب اور سینہ زوری جیسی برائیاں سکھا دیں۔ اب وہ یہ سمجھنے لگا کہ دوسروں سے بہتر زندگی گزارنے کا مقصد حاصل کرنے کے لیے دھوکا دہی بھی جائز ہے اور دھونس بھی ناروا نہیں۔ یہ منفی سوچ پھیلتی گئی اور اسی سوچ نے دُنیا کو بدامنی اور لاقانونیت جیسے مسائل سے دوچار کر دیا جن کا حل تلاش کرنا آج کی جدید دُنیا کے لیے بھی ایک بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔

مزید معروضی سوالات

س: لوگوں کی طبیعتیں کس وجہ سے بدل گئیں؟

ج: ایک میدان میں پھولوں کا تختہ کھلا جن کی بو گرم اور تیز تھی۔ اس کی تاثیر سے لوگوں کی طبیعتیں بدل گئیں۔ ہر ایک کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہوئی کہ سامانِ عیش اسی کے کام آئے اور کسی اور کے پاس نہ جانے پائے۔

س: لوگوں کو بد نیتی کی کیا سزا ملی؟

ج: بد نیتی کی سزا یہ ملی کہ سب لوگ احتیاج اور افلاس کے مرید بن گئے اور ہر شخص اپنے تئیں حاجت مند ظاہر کر کے فخر کرنے لگا۔ ملک فراغ کا رنگ بالکل بدل گیا۔

س: تدبیر اور مشورہ نے کیا کیا؟

ج: تدبیر اور مشورہ دو تجربہ کار دنیا سے کنارہ کش ہو گئے اور ایک باغ میں سیب کے درخت میں جھولا ڈال لیا۔ لوگوں نے ان سے مشورہ مانگا تو انہوں نے محنت پسند خردمند کا نام بتایا۔

س: محنت پسند خردمند کون ہے؟

ج: محنت پسند خردمند احتیاج و افلاس کا بیٹا ہے۔ اس نے اُمید کا دودھ پیا ہے۔ ہنرمندی نے اس کو پالا ہے اور وہ کمال کا شاگرد ہے۔

س: محنت پسند خردمند کا کیا حلیہ بیان کیا گیا ہے؟

ج: محنت پسند خردمند ایک قوی ہیکل جوان ہے۔ اس کا چہرہ ہوا سے جھرجھرایا ہوا، دھوپ سے تمتمایا ہوا، مشقت کی ریاضت سے بدن اینٹھا ہوا، پسلیاں اُبھری ہوئیں، ایک ہاتھ میں کھیتی کا سامان، دوسرے میں معماری کے اوزار لیے ہانپ رہا ہے۔

س: لوگوں کے محنت پسند خردمند کے متعلق کیا تاثرات تھے؟

ج: اس کی باتوں نے سب کے دِلوں کو لبھا لیا۔ وہ سمجھے کہ محنت پسند خردمند بنی آدم کا خیر خواہ اور ہمارا دِلی دوست ہے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر اس کے پاؤں پر گرنے لگے۔

س: خسرو آرام کیسا حکمران تھا؟

ج: خسرو آرام کمزور حکمران تھا۔ وہ کام چور، بے ہمت اور کم حوصلہ تھا۔ بھولا بھالا اور سب کے منہ کا نوالہ تھا۔ وہ عوام کو سنبھال سکا نہ بیماری اور قحط سالی کا مقابلہ کر سکا۔

س: محنت پسند خردمند کے مشورے سے کیا تبدیلی آئی؟

ج: محنت پسند خردمند کے مشورے نے عوام کی دُنیا بدل دی۔ کھیت اناج سے، باغ پھلوں سے بھر گئے۔ فلک بوس عمارتیں کھڑی ہو گئیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں کامیابی قدم چومنے لگی۔

س: حسد کیا ہے۔ اس کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟

ج: وہ جذبہ جس کے تحت انسان دوسرے انسان کی خوش حالی، فارغ البالی اور تونگری کو دیکھ کر جلتا ہے، حسد کہلاتا ہے۔ معاشرے پر اس کے اثرات تباہ کن ہوتے ہیں۔

5۔ اکبری کی حماقتیں ـــــ مولوی نذیر احمد

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 37 : ○ **پھوہڑ:** بے سلیقہ ○ **کٹنی:** ٹھگ عورت ○ **وارد تھی:** آئی ہوئی تھی ○ **غل:** شور، چرچا ○ **بی بی:** بیوی ○ **اجنبی:** ناواقف ○ **گھل مل جانا:** بے تکلف ہو جانا ○ **مجن:** وہ عورت جس نے حج کیا ہو ○ **تبرکات:** برکت والی اشیا ○ **صدہا:** سیکڑوں ○ **خاک شفا:** شفا دینے والی مٹی ○ **زمزمیاں:** آبِ زم زم رکھنے کے برتن ○ **کوہ طور:** وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی ملا تھا ○ **عقیق البحر:** سرخ رنگ کا پتھر جو سمندر سے نکلتا ہے ○ **پنج سورہ:** قرآن پاک کی پانچ سورتوں کا مجموعہ ○ **نادِ علی:** حضرت علیؓ سے منسوب ایک دُعا ○ **زیارت کرنا:** دیکھنا ○ **زلفن:** اکبری کی نوکرانی ○ **خاطرداری:** آؤ بھگت، احترام ○ **تاڑلیا:** اندازہ کرلیا، بھانپ لیا

صفحہ نمبر 38 : ○ **ڈھب پر چڑھ جانا:** فریب کھانا ○ **فیروزہ:** نیلے اور سبز رنگ کا قیمتی پتھر ○ **التفات:** توجہ ○ **ریجھ جانا:** فریفتہ ہو جانا ○ **کمال شوق سے:** بہت دلچسپی کے ساتھ ○ **برس روز نہیں ہوا:** ایک برس نہیں گزرا ○ **اُمیدوار:** اُمید رکھنے والا ○ **بالفعل:** سردست، موجودہ حالت میں ○ **حال جزو کل:** تمام حال، تفصیلی حالات ○ **بھید:** راز ○ **ایک پہر کامل:** پورا پہر، تین گھنٹے ○ **موم گروں کا چھتا:** ایک محلے کا نام ○ **آگرہ:** ہندوستان کا شہر ○ **ازار بند:** کمر بند، ناڑا۔

صفحہ نمبر 39 : ○ **بکاؤ ہے:** قابل فروخت ہے، بیچنے کے لیے ہے ○ **اسباب:** سامان، ○ **لوٹ ہوگئی:** ریجھ گئی، بے قرار ہوگئی ○ **گڑگڑا کر کہا:** منت کرتے ہوئے کہا ○ **شبہ:** شک ○ **کلاوہ:** کچا سوت، کچا دھاگا ○ **گنڈا:** دھاگا جس پر منتر پڑھ کر گرہ دیتے جاتے ہیں ○ **لونڈی:** کنیز ○ **بھوپال:** ہندوستان کی ایک ریاست ○ **پالکی:** ایک سواری جسے کہار اُٹھا کر چلتے ہیں ○ **نالکی:** کھلی پالکی ○ **رنجیدہ:** غمگین ○ **مطلق التفات نہ تھا:** بالکل توجہ نہ تھی ○ **چندے آفتاب چندے ماہتاب:** حسن و جمال میں سورج اور چاند کے برابر ہونا

صفحہ نمبر 40 : ○ **ناچیز:** عاجز ○ **اعتقاد:** یقین، عقیدہ ○ **کوس:** فاصلہ ناپنے کا پیمانہ، تین کلومیٹر سے کچھ زیادہ ○ **کامل:** ماہر، یہاں مرشد کامل مراد ہے ○ **وارد ہے:** آیا ہوا ہے ○ **پیادہ پا:** پیدل ○ **بشارت:** خوشخبری ○ **پان سو:** پانچ سو ○ **مسکین:** غریب ○ **سرخ رو:** کامیاب ○ **ناخدا:** ملاح ○ **کوہِ حبشہ:** حبشہ کا پہاڑ ○ **ارشاد کریں:** حکم دیں، فرمائیں ○ **جہاز کو لنگر کریں:** جہاز کو ٹھہرا دیں ○ **ہو کا مقام:** مکمل خاموشی ○ **آدم زاد:** آدم کی اولاد ○ **تن تنہا:** بالکل اکیلا

صفحہ نمبر 41 : ○ **خطا:** غلطی، قصور ○ **اُوپر تلے:** یکے بعد دیگرے، ایک کے بعد ایک، مسلسل ○ **دیس:** وطن ○ **چاروناچار:** ناچاہتے ہوئے بھی ○ **اللہ رکھے:** اللہ سلامت رکھے ○ **حکایت دلچسپ:** دلچسپ کہانی

○ معتقد: عقیدت مند، یقین رکھنے والا ○ بے کہے: کہے بغیر ○ آنکو: قیمت کا اندازہ لگاؤ ○ کلابتو: سونے یا چاندی کے تاروں کی ڈور ○ لچھے دار ہڑ: ایک قسم کی لمبی گھنڈی جو ہڑ سے مشابہ ہوتی ہے اور گوٹے کے پاروں اور ازار بند میں لگائی جاتی ہے۔

صفحہ نمبر 42: ○ نیک بخت: اچھے نصیب والی ○ سیانا: عقلمند ○ لال: ایک چھوٹا سا خوش آواز پرندہ ○ طمع: لالچ ○ پیچھے خرابی پڑے: بعد میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے ○ ٹھگنی: ٹھگ عورت، ○ خدا خدا کرو: خدا کا نام لو، توبہ کرو ○ اعتقاد جم گیا: یقین پختہ ہو گیا ○ بے وجہ: وجہ کے بغیر ○ ممانعت کرتا: روک دیتا، منع کر دیتا ○ پھروا دینا: واپس کروا دینا ○ تہ: پوشیدہ بات

صفحہ نمبر 43: ○ چاٹ لگنا: عادت پڑ جانا، چسکا لگ جانا ○ تمہارے ڈھب کی: تمہارے مطلب کی ○ لٹو ہو گیا: عاشق ہو گیا ○ پلے باندھنا: کوئی چیز زبردستی تھما دینا ○ صندوقچہ: چھوٹا صندوق ○ پہنچی: ایک زیور کا نام جو کلائی میں پہنا جاتا ہے ○ دھگدگی: گلے میں پہننے والا ایک زیور ○ بالی پتے: پتوں کی شکل کے جڑاؤ آویزے جو بالیوں میں لٹکاتے ہیں ○ گلوبند: گلے میں پہننے کا زیور ○ میلے چیکٹ: بہت میلے ○ اجلوانا: جلا دینا، چمکانا، صفائی کروانا ○ پٹوا: زری باف، مالا، تسبیح یا زیور میں ڈوری ڈالنے والا شخص

صفحہ نمبر 44: ○ کیل کیا ہوئی: کیل کہاں گئی ○ پاندان: وہ برتن جس میں پان اور اس کے لوازمات، چونا، کتھا، چھالیا اور تمباکو وغیرہ رکھے جاتے ہیں ○ بنیا: ہندو دکان دار ○ ماتھا ٹھنکا: شک ہوا ○ باؤلی: پاگل ○ اُلٹے پاؤں دوڑنا: بہت تیز دوڑنا ○ سر پیٹنے لگی: شدتِ غم سے سر پر ہاتھ مارنے لگی ○ گھر کو خاک سیاہ کرنا: گھر کو برباد کرنا۔

صفحہ نمبر 45: ○ خوب مزے کی لڑائی ہوئی: بہت لڑائی ہوئی، زبردست تکرار ہوئی ○ حیلہ: بہانہ، ترکیب، ربہ ○ دونا: دوگنا ○ کٹڑا: محلہ ○ غارت ہوا: برباد ہوا ○ اطلاع: خبر ○ سراغ: پتا، نشان ○ دھوپ دینا: دھوپ لگانا ○ دولائی: ہلکی رضائی ○ بغارے: بڑے بڑے چھید، سوراخ ○ مزاج: طبیعت ○ اصلاح: درستی ، ہاتھ کان سے ننگی رہ گئی: ہاتھوں اور کانوں کے زیورات سے محروم ہو گئی ○ احمق: بے وقوف، ○ قطع تعلق کرنا: تعلق توڑ لینا ○ طبیعت کڑھتی ہے: شدید رنج ہوتا ہے

سبق کا خلاصہ

اکبری ایک بے وقوف لڑکی تھی۔ محمد عاقل سے شادی کے بعد وہ ساس سسر سے جھگڑ کر الگ گھر میں رہنے لگی۔ شہر میں کٹنی کے آنے کا چرچا ہوا تو عاقل نے اکبری سے کہا کہ کسی اجنبی عورت کو گھر میں مت آنے دینا۔ ایک دن کٹنی جن کے روپ میں اکبری کے محلے میں آئی اور دکان سجالی۔ اکبری نے اپنی ملازمہ زلفن کو بھیج کر جن کو گھر بلوایا اور تسبیح، خاک شفا، زمزمیاں، مدینے کی کھجوروں، کوہ طور کا سرمہ، خانہ کعبہ کے غلاف کے ٹکڑے، عقیق البحر مونگے کے دانے، نادعلی اور پنجسورہ میں سے دو چیزیں سرمہ اور نادعلی پسند کیں۔ جن نے فیروزے کی انگوٹھی

مفت دیدی۔ اکبری جمن کی چرب زبانی سے بہت متاثر ہوئی۔ اکبری نے بے اولادی پر اظہار افسوس کے بعد جب یہ بتایا کہ شادی کو ایک برس بھی نہیں ہوا تو جمن کو یقین ہو گیا کہ لڑکی بے وقوف ہے۔ اگلے روز جمن پھر آموجود ہوئی اور ریشمی ازار بند صرف چار آنے میں اکبری کو بیچا۔ یہ بھی بتایا کہ ایک بیگم صاحبہ غریب ہو گئی ہیں اور اسباب بیچ کر گزارا کرتی ہیں۔ اکبری نے وعدہ لیا کہ جمن بکاؤ مال پہلے اسے دکھایا کرے گی جمن نے دو لونگیں دے کر اکبری سے کہا کہ ایک اپنی چوٹی میں رکھو دوسری میاں کے تکیے میں دو۔ گنڈا بنوانے کے لیے اپنے قد کے برابر کلاوہ مجھے ناپ دو جمن نے بھوپال کی بیگم صاحبہ کی خود ساختہ حکایت بھی سنائی کہ وہ بے اولاد تھیں ایک فقیر کے حکم سے حج پر گئیں اور اپنے ساتھ پانچ سو مساکین کو بھی لے کر گئیں۔ ان میں سے ایک جمن بھی تھی۔ سمندر کے سفر کے دوران میں گیارہویں روز ''کوہ حبشہ'' نامی پہاڑ آیا۔ بیگم بھوپال جمن سمیت پانچ عورتوں کو ساتھ لے کر کوہ حبشہ کے مرد کامل شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ شاہ صاحب نے دم کیا اور بارہ لونگیں دیں جمن کو آگرہ اور دلی میں لوگوں کی خدمت کا حکم دیا۔ بیگم حج سے واپس آئیں تو نواب صاحب ایک ماہ سے منتظر تھے اپنے سابقہ رویے کی معافی مانگی۔ فقیر کی دعا سے اب بیگم کے چار بیٹے ہیں یہ کہانی سن کر اکبری دل و جان سے جمن کی معتقد ہو گئی۔ چوٹی میں لونگ رکھنے کے لیے نہا دھو کر کپڑے بدلے اور خوشبو لگائی جس پر شوہر متوجہ ہوا تو اکبری نے اسے جمن کی کرامت سمجھا۔ اکبری نے چار آنے کا ازار بند، سرمہ نادعلی اور فیروزے کی انگوٹھی میاں کو دکھائی عاقل بولا مال ضرور دیکھو مگر چوری کا مال نہ ہو۔ اکبری کہنے لگی جمن ایسی نہیں چند روز کے بعد جمن جھوٹے موتیوں کی ایک جوڑی لائی اور بتایا کہ بیگم کی نتھ کے موتی ہیں۔ ہزار پانچ سو کا مال ہے پنامل جوہری نے دو سو روپے لگائے ہیں۔ میں بیگم سے پچاس میں لائی ہوں تم لے لو، اکبری نے کہا میرے پاس پچاس روپے نہیں جمن بولی پہنچیاں بیچ کر لے لو۔ اکبری زیور کا ڈبہ لائی تو جمن زیور دیکھ کر کہنے لگی میل سونے کو کھا جاتا ہے۔ دھگدگی میں ڈورا ڈلواؤ اور زیور اجلواؤ۔ اکبری بولی کون اجلوائے تو جمن نے جواب دیا یہ کام میں کر دیتی ہوں اور زیورات اور زلفن کو ساتھ لے کر گھر سے نکل گئی۔ گلی سے باہر جا کر جمن نے اجلوانے اور ڈورے ڈالونے کا زیور الگ کرنے کے بہانے رومال کھولا اور زلفن سے کہنے لگی کہ ناک کی کیل پاندان کے ڈھکنے پر رکھی رہ گئی ہے، تو جلدی سے لے آ۔

زلفن نے آ کر ناک کی کیل مانگی تو اکبری کا ماتھا ٹھنکا اور اس نے زلفن کو فوراً واپس بھیجا لیکن اتنی دیر میں جمن غائب ہو چکی تھی۔ اکبری کے شور مچانے پر لوگ موم گروں کے چھتے گئے وہاں سے معلوم ہوا کہ کٹنی کرایہ دار تھی۔ مکان چھوڑ چکی ہے۔ عاقل نے بیوی کو سخت سست کہا تو اکبری نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور میاں بیوی میں خوب لڑائی ہوئی بعد میں پتا چلا کہ جمن نے احمد بخش خان کی بی بی کا زیور فقیر سے دوگنا کرانے کے بہانے ٹھگ لیا تھا اور میاں مسیتا کی بیٹی کا زیور بھی اڑا لے گئی تھی۔ تھانے میں اطلاع کی گئی مگر جمن کا سراغ نہ ملا اکبری ساس کے ساتھ رہتی تھی تو ساس اس کے جہیز کے کپڑوں کو دھوپ دیا کرتی تھیں الگ گھر میں آنے کے بعد اکبری کی غفلت کے باعث قیمتی کپڑوں کو دیمک چاٹ گئی اور چوہوں نے کاٹ کر سوراخ بنا دیے۔ اس طرح اپنی حماقتوں

اور پھوہڑ پن کے باعث اکبری نے اپنی اور میاں کی زندگی میں آسانیوں کے بجائے مشکلات پیدا کیں۔

مشقی سوالات

1۔ مختصر جواب دیجیے:

الف: کٹنی نے اکبری کو پھانسنے کیلئے اسے کن کن تبرکات کی زیارت کرائی اور اکبری نے کن دو چیزوں کو پسند کیا؟

جواب: کٹنی نے اکبری کو تسبیح، خاکِ شفا، زمزمیاں، مدینہ منورہ کی کھجوریں، کوہِ طور کا سرمہ، خانہ کعبہ کے غلاف کا ٹکڑا، عقیق البحر، مونگے کے دانے؛ نادِ علی، پنج سورہ اور بہت سی دُعائیں دِکھائیں۔ اکبری نے دو چیزیں سرمہ اور نادِ علی پسند کیں۔

ب: اکبری نے دو روپے والا ازار بند چار آنے میں خریدا تو محمد عاقل نے اس کی حوصلہ افزائی کیوں کی؟

جواب: محمد عاقل اپنا فائدہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہ عقل مند آدمی تھا لیکن لالچ اور طمع نے اس کی عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اس نے بیوی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ سستی اشیا مل رہی ہیں تو ضرور دیکھنی چاہئیں۔

ج: کٹنی نے اکبری سے اس کا سارا زیور کس بہانے سے ہتھیا لیا؟

جواب: کٹنی نے اکبری سے کہا کہ میل سونے کو کھا جاتا ہے۔ تم زیور کو اجلواؤ اور دھگدگی میں ڈورا ڈلواؤ۔ اکبری نے اپنے میاں کی مصروفیات کی مجبوری ظاہر کی تو کٹنی نے زیور اجلوانے کے لیے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ اکبری نے بھی زیور اس کے حوالے کر دیا۔

د: کٹنی نے زلفن کو کیا کہہ کر واپس گھر بھیج دیا؟

جواب: کٹنی نے اکبری کی نوکرانی زلفن سے کہا کہ ناک کی کیل تو میں پان دان کے ڈبے کے اُوپر رکھ کر بھول آئی ہوں۔ تم دوڑ کر جاؤ اور لے آؤ۔

ہ: کٹنی نے اکبری کے علاوہ اور کس کس کو اپنے جال میں پھنسایا؟

جواب: کٹنی نے کنچنی کی گلی میں احمد بخش خاں کی بی بی کا سارا زیور اس بہانے سے ٹھگ لیا کہ فقیر سے دوگنا کرا دوں گی۔ روئی کے کٹڑے میں میاں مسیتا کی بیٹی سے محبت بڑھا کر اس کا زیور بھی لے اُڑی۔

و: اکبری نے اپنے جہیز کے کپڑوں کا ستیاناس کیسے کیا؟

جواب: اکبری کی ساس دسویں دِن اس کے کپڑوں کو دُھوپ دے دیا کرتی تھیں۔ شروع برسات میں اکبری نے ساس سے الگ گھر لیا۔ برسات گزر گئی۔ اکبری نے کپڑوں کے صندوق کو ہاتھ نہ لگایا۔ سردی آئی تو دلائی نکالنے کے لیے صندوق کھولا۔ اس وقت تک کچھ کپڑوں کو دیمک چاٹ چکی تھی اور کچھ میں چوہوں نے کاٹ کر سوراخ بنا دیئے تھے۔

2: کٹنی نے اکبری (مزاج دار بہو) کو بھوپال کی بیگم کا جو خود ساختہ واقعہ سُنایا' اسے اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: کٹنی نے بتایا کہ بھوپال کی ایک بیگم مجھے اپنے ساتھ حج پر لے گئی تھیں۔ بلقیس جہانی بیگم بہت مالدار تھیں

لیکن اولاد نہیں تھی۔ ان کے میاں نواب صاحب اسی وجہ سے اُن کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ بڑی خوبصورت مگر بڑی سادہ مزاج اور فقیروں کی بڑی معتقد۔ گھر سے تین میل کے فاصلے پر کسی فقیر کے بارے میں سنا تو ایک اندھیری رات میں پیدل چل کر اُس فقیر کے پاس گئیں اور پہر تک ہاتھ باندھے کھڑی رہیں۔ بیگم کو خواب میں حج پر جانے کی بشارت ہوئی۔ پانچ سو مسکینوں کو بھی اپنی گرہ سے کرایہ ادا کر کے جہاز پر سوار کروایا' جن میں ایک میں بھی تھی۔ گیارہویں دن سمندر کے بیچ ایک پہاڑ دکھائی دیا۔ کوہِ حبشہ، ناخدا نے اس کے غار میں موجود ایک کامل فقیر کے بارے میں بھی بتایا۔ بیگم صاحبہ پانچ عورتوں کے ہمراہ غار تک پہنچیں۔ نورانی اور فرشتہ صورت شاہ صاحب نے دُعا دی اور بیگم صاحبہ کو بارہ لونگیں دیں، اور کچھ پڑھ کر دم کیا۔ اُن کی قسمت سنور گئی۔ شوہر پیار کرنے لگا۔ اُوپر تلے چار بیٹے ہوئے۔ شاہ صاحب نے مجھے دِلّی آگرے کے ضرورت مندوں کی خدمت سپرد کی تھی اس طرح میں بیگم صاحبہ سے اجازت لے کر آپ لوگوں کے پاس آ گئی ہوں۔

3: آپ کے خیال میں اکبری (مزاج دار بہو) سے کون کونسی حماقت سرزد ہوئی؟

جواب: ناسمجھی کی بدولت ساس سے لڑ جھگڑ کر الگ گھر میں رہنا، ہر کسی کے ساتھ بہت جلد دوستی کر لینا۔ جاہل ہونے کی وجہ سے ضعیف الاعتقاد ہونا۔ معمولی چیزوں کو کٹنی کے کہنے پر بہت متبرک خیال کرنا۔ خود ساختہ قصے کو حقیقی سمجھ کر یقین کر لینا۔ چوری کی چیزوں کو غریب ہو جانے والی ضرورت مند خاتون کی چیزیں سمجھ کر خرید لینا۔ شوہر کا التفات دیکھ کر لونگوں پر اعتقاد بڑھ جانا اور دھگدگی میں ڈورا ڈلوانے، میلے زیور کو اُجلوانے کے لیے زیور کٹنی کے حوالے کر دینا۔

4: بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ مولوی نذیر احمد اپنے ناپسندیدہ کرداروں کے عیب بیان کرتے ہوئے مبالغے سے کام لیتے ہیں۔ آپ کے خیال میں اکبری (مزاج دار بہو) کی حماقتیں معاشرتی نوعیت کی ہیں یا انہیں بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے؟

جواب: پڑھے لکھے لوگوں کو اکبری (مزاج دار بہو) کے عیب غیر فطری لگیں گے لیکن آج بھی ہمارے ہاں اَن پڑھ طبقے میں اور ضعیف الاعتقاد لوگوں میں یہ سارے عیب موجود ہیں اور یہ سارے عیب معاشرتی نوعیت ہی کے ہیں۔

5: اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: دیکھیے سبق کا خلاصہ۔

6: جاہل اور کمزور ایمان کے لوگ عموماً توہم پرست ہوتے ہیں۔ سبق میں توہم پرستی کی چند مثالیں موجود ہیں۔ ان میں سے دو کی نشاندہی کیجیے اور انہیں اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: i۔ اپنے شوہر کے التفات کو اکبری لونگوں کا کرشمہ سمجھ لیتی ہے۔ اُسے یہ خیال نہیں آتا کہ اُس نے اپنے بدن اور لباس کا میل کچیل دُور کیا۔ کمرے اور بستر صاف کیے تو شوہر ملتفت ہوا ہے۔ اسی طرح وہ کوہِ حبشہ

کے غار والے شاہ صاحب کا وجود نہ صرف درست سمجھ لیتی ہے بلکہ اُس کے دم کرنے اور لونگیں دینے سے بھوپال کی بیگم بلقیس جہانی کے ہاں اُوپر تلے چار بیٹوں کی پیدائش کو کرامت سمجھتی ہے۔

ii۔ اکبری گنڈوں پر اعتقاد رکھتی ہے۔ کٹنی جب یہ کہتی ہے کہ اپنے قد کے برابر ایک کلاوہ (کچاسوت) مجھ کو ناپ دو تو وہ اس پر بغیر سوچے سمجھے فوراً عمل کرتی ہے۔

7: درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اِس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

○ **ڈھب پر چڑھنا:** کٹنی نے اکبری کی ضعیف الاعتقادی اور جہالت کو دیکھ کر اُسے ڈھب پر چڑھا لیا اور اس کا زیور لے اُڑی۔

○ **ریجھ جانا:** طوطے کو باتیں کرتے سن کر تنویر طوطے پر ریجھ گیا اور ضد کر کے والد کو مجبور کر دیا کہ وہ اسے گھر لے آئیں۔

○ **آہ کھینچنا:** مقدس خاموشی سے ظلم سہتا رہا، آہ تک نہ کھینچی۔

○ **لوٹ ہو جانا:** قیمتی چیز کو سستے داموں بکتے دیکھ کر اکثر لوگ لوٹ ہو جاتے ہیں۔

○ **چاٹ لگنا:** اسلم کو جوا کھیلنے کی ایسی چاٹ لگی کہ گھر کے برتن تک بیچ کر ہار گیا۔

○ **لٹو ہو جانا:** لڑکی کا شائستہ انداز دیکھ کر لڑکے کی ماں اس پر لٹو ہو گئی اور فوراً رشتے کے لیے ہاں کر دی۔

○ **ماتھا ٹھنکنا:** محلے کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ ناصر کی دوستی دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ اب ناصر تعلیم حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ دے سکے گا۔

○ **سر پیٹ لینا:** شوہر نے جب گھر آ کر سُنا کہ بیوی نے زیور دگنا کروانے کے لالچ میں نوسر باز کے حوالے کر دیا ہے تو غصے میں اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

○ **گھر کو خاک سیاہ کر کے چھوڑنا:** جاہل اور ضعیف الاعتقاد عورتیں کٹنیوں کے ڈھب پر چڑھ کر بہت جلد گھر کو خاک سیاہ کر کے چھوڑتی ہیں۔

○ **اُڑا لینا:** دیکھتے ہی دیکھتے نوسر باز نے بزرگ خاتون کی رقم اُڑا لی، پتا بھی نہ چلنے دیا۔

8۔ درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے:

الف: ''جمن نے مزاج دار کو باتوں ہی باتوں میں تاڑ لیا کہ یہ عورت جلد ڈھب پر چڑھ جائے گی۔''

وضاحت: جمن کے رُوپ میں کٹنی نے پہلی ملاقات کے دوران میں ہی بھانپ لیا تھا کہ اکبری بے وقوف عورت ہے۔ کٹنیوں کا دھندا ایسی ہی کم عقل عورتوں کے دم سے چلتا ہے۔ اکبری سے ملاقات ہوئی تو کٹنی یہ سوچ کر خوش ہو گئی کہ یہ عورت جلد قابو میں آ جائے گی۔

ب: ''اپنے قد کے برابر ایک کلاوہ مجھ کو ناپ دو۔ میں تم کو ایک گنڈا بنوا لا دوں گی۔''

وضاحت: اکبری نے بتایا کہ اس کے ہاں اولاد نہیں اور میاں کا رویہ بھی کچھ اچھا نہیں۔ جمن باتوں ہی باتوں میں اکبری کی بے وقوفی اور ضعیف الاعتقادی کا اندازہ لگا چکی تھی۔ اکبری کو رام کرنے کے لیے بولی کہ تم اپنے قد کے برابر کپڑا دھاگا مجھے لا کر دو تا کہ میں تمہیں گنڈا بنوا کر لا دوں جس کی برکت سے تمہارے ہاں بہت اولاد ہوگی۔

ج: ''مزاج دار بیٹی بنیں اور جمن کو ماں بنایا''

وضاحت: جمن نے اکبری کو ازار بند سستے داموں بیچا۔ بیگم بھوپال کی حکایت سنائی اور متبرک لونگیں دیں تو اکبری کو اس سے بہت عقیدت ہوگئی اور اسے اپنی منہ بولی ماں بنالیا۔

د: ''کہیں کی بہتی بہاتی مہینے بھر سے کرائے پر آ کر رہی تھی۔''

وضاحت: جمن اکبری کا زیور لے کر رفو چکر ہوگئی۔ لوگ اس کے پتے پر پہنچے تو انکشاف ہوا کہ وہ مکان کی مالک نہیں بلکہ کرایہ دار تھی۔ اس کی مستقل رہائش گاہ کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ پتا نہیں کہاں سے پھرتی پھراتی آئی تھی اور اب کہیں اور جا چکی تھی۔

ہ: ''جمن کا سراغ نہ ملا پر نہ ملا۔''

وضاحت: لوگوں نے جمن کو بہت تلاش کیا۔ تھانے میں بھی اطلاع دی گئی لیکن سب کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور جمن کا سراغ نہ ملا۔

و: ''ایک ہی برس میں ہاتھ کان سے ننگی رہ گئی۔''

وضاحت: اپنی حماقتوں کے باعث اکبری اپنا سارا زیور گنوا بیٹھی۔ اس کی شادی کو ایک برس گزرا تھا اور وہ ہاتھوں اور کانوں کے زیورات سے محروم ہو چکی تھی۔

9۔ درج ذیل اقتباسات کی سیاق وسباق کے حوالے سے تشریح کیجیے۔

الف: ''طمع ایسی چیز ہے کہ بڑا سیانا آدمی بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ جنگلی جانور، مینا، طوطا، لال، بلبل آدمی کی شکل سے بھاگتے ہیں، لیکن دانے کی طمع سے جال میں پھنس جاتے ہیں اور زندگی بھر قفس میں قید رہتے ہیں۔ اسی طرح محمد عاقل اپنا فائدہ دیکھ کر خوش ہوا اور جب مزاج دار نے کہا کہ وہ جمن بیگم کا تمام اسباب جو بکنے کو نکلے گا، میرے پاس لانے کا وعدہ کر گئی ہے تو محمد عاقل نے کہا: ''ضرور دیکھنا چاہیے لیکن ایسا نہ ہو چوری کا مال ہو۔ پیچھے خرابی پڑے اور ہاں جمن کوئی ٹھگنی نہ ہو۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 42)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : اکبری کی حماقتیں

مصنف کا نام : مولوی نذیر احمد

سیاق وسباق: اکبری ایک بے وقوف اور بدسلیقہ لڑکی تھی۔ محمد عاقل سے شادی کے بعد وہ سسرال والوں سے لڑ جھگڑ کر الگ ہوگئی۔ جمن کے روپ میں کٹنی محلے میں آئی تو اسے گھر میں بلا لیا۔ جمن نے نمائشی تبرکات کی وہ تعریفیں کیں اور بیگم بھوپال کے سفرِ حج کا قصہ اس چرب زبانی کے ساتھ سنایا کہ اکبری گرویدہ ہوگئی۔ کٹنی نے سستا سامان

بیچ کر اور شوہر کو مائل کرنے کے تعویذ گنڈے بتا کر اکبری کو بیٹی بنالیا۔ ایک روز کٹنی موتیوں کی مالا لائی۔ ہزار، پانچ سو قیمت بتا کر اکبری کو صرف پچاس روپے میں دینے کی پیشکش کی اور کہا کہ اپنی پہنچیاں بیچ کر خرید لو۔ اکبری نے زیور کھولا تو اسے اجلوانے کا مشورہ دیتے ہوئے اپنی خدمات پیش کر دیں اور اس طرح زیور لے کر رفو چکر ہوگئی۔

تشریح: اکبری نے کٹنی سے خریدا ہوا ازار بند محمد عاقل کو دکھایا تو شوہر نے اس کی قیمت دو روپے بتائی۔ اکبری نے کہا کہ میں نے چار آنے میں لیا ہے اور ساتھ ہی جمن کا تعارف بیان کیا اور سرمہ، نادِعلی اور فیروزے کی انگوٹھی بھی دکھائی۔ سچ ہے کہ لالچ بُری بلا ہے اور بڑے سے بڑا عقلمند آدمی بھی طمع میں مبتلا ہو کر دھوکا کھا جاتا ہے۔ لالچ صرف انسان ہی کو نہیں دیگر جانداروں کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ طوطا، مینا، لال اور بلبل آدمی کی شکل دیکھتے ہی اُڑ جاتے ہیں لیکن زمین پر بکھرے دانے کا لالچ انھیں زمین پر اُتارتا اور جال میں پھنسا لیتا ہے اور پھر ان کی زندگی پنجرے میں قید گزرتی ہے۔ محمد عاقل نام ہی کا عاقل نہ تھا بلکہ واقعی ذی شعور انسان تھا لیکن بیوی کی اس خریداری میں اپنا فائدہ دیکھ کر وہ بھی بہت خوش ہوا۔ اکبری نے اسے مزید بتایا کہ جمن کے پاس جو بھی سامان بکنے کے لیے آئے گا وہ میرے پاس ضرور لایا کرے گی کیونکہ اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے۔ محمد عاقل کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا کہ دال میں کالا ہے لیکن کسی ثبوت کے بغیر اس نے جمن کو کٹنی قرار دے کر بیوی سے جھگڑا مول لینا مناسب نہ سمجھا اور محتاط لہجے میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ ضرور دیکھنا چاہیے لیکن چوری کا مال نہ ہو اور جمن کوئی ٹھگنی نہ ہو۔ اکبری نے اس وقت تو شوہر کے خدشے کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا تھا لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ عاقل نے درست کہا تھا اور اکبری اسی جمن یعنی کٹنی کے ہاتھوں اپنے زیورات سے محروم ہوگئی۔

ب: ''اکبری کو نانی کے لاڈ پیار نے زندگی بھر کیسی مصیبت میں رکھا۔ لڑکپن میں اکبری نے نہ کوئی ہنر سیکھا نہ کچھ اس کے مزاج کی اصلاح ہوئی' جب اکبری نے ساس سے جدا ہو کر الگ گھر کیا' برتن بھانڈا' کپڑا زیور سب کچھ اس کے پاس موجود تھا۔ چونکہ خانہ داری کا سلیقہ نہیں رکھتی تھی چند روز میں تمام مال و اسباب خاک میں ملا دیا اور ایک ہی برس میں ہاتھ کان سے ننگی رہ گئی۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 45)

حوالہ متن:

سبق کا عنوان : اکبری کی حماقتیں

مصنف کا نام : مولوی نذیر احمد

سیاق و سباق: اکبری ایک بے وقوف لڑکی تھی۔ محمد عاقل سے شادی کے بعد اس نے سسرال والوں سے لڑ جھگڑ کر الگ گھر میں رہنا شروع کیا۔ اپنی جہالت اور ضعیف الاعتقادی کے باعث وہ ایک کٹنی کی معتقد ہوگئی، جس نے جمن کا رُوپ دھار رکھا تھا۔ کٹنی نے اسے جھوٹے سچے تبرکات دکھائے۔ سستے داموں سامان بیچ کر اعتبار قائم کیا اور بیگم بھوپال کے سفر حج کی فرضی داستان سنا کر یقین دلایا کہ اس کے تعویذ گنڈے سے عاقل اکبری سے محبت کرنے لگے گا۔ ایک روز کٹنی جھوٹے موتیوں کی جوڑی لائی۔ ہزار، پانچ سو قیمت بتا کر اکبری سے صرف پچاس روپے طلب کیے اور بولی رقم موجود نہیں تو پہنچیاں بیچ دو۔ اکبری نے زیور نکالا تو کٹنی نے اسے اجلوانے کا مشورہ دیا اور اس

بہانے زیور لے کر رفو چکر ہو گئی۔

تشریح: اُردو کے پہلے ناول نگار مولوی نذیر احمد کی تحریری کاوشوں کا مقصد مسلمانوں کی سماجی اصلاح تھا۔ ناول مرآۃ العروس میں انھوں نے لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی اہمیت واضح کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ بے جا لاڈ پیار اولاد کے حق میں کس قدر مضر ثابت ہوتا ہے۔ نانی کی حد سے بڑھی ہوئی محبت کے باعث اکبری تعلیم حاصل کر سکی نہ امور خانہ داری میں طاق ہو سکی۔ اس کی شخصیت میں چڑچڑا پن، احساسِ برتری اور ضعیف الاعتقادی کے عناصر جمع ہو گئے تھے، جو عمر کچھ سیکھنے اور سمجھنے کی ہوتی ہے وہ اس نے کھیل کود میں گزاری تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شادی کے بعد سسرال میں اپنا مقام نہ بنا سکی اور اپنی بدمزاجی کے باعث ساس سسر سے لڑ جھگڑ کر الگ ہو گئی۔ خانہ داری کی سمجھ بوجھ ہوتی تو الگ گھر میں بخوبی گزارا کر لیتی لیکن وہ ایسی ناسمجھ اور بدسلیقہ تھی کہ ایک برس میں بھرا گھر اُجاڑ کر رکھ دیا۔ الگ ہوئی تو برتن، کپڑا، زیور سب کچھ موجود تھا لیکن مال اسباب اور گھریلو سامان کی مؤثر حفاظت و نگہداشت ہی ان چیزوں کی عمر بڑھاتی ہے۔ اکبری میں گھر سنبھالنے اور چلانے کی صلاحیت ہی نہ تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ کٹنی کے ہتھے چڑھ گئی۔ بزرگوں نے برسوں کی محنت سے حاصل ہونے والے روپے سے جو زیور بنا کر دیا تھا وہ کٹنی لے اُڑی اور اکبری کچھ بھی نہ کر پائی۔ داناؤں کا یہ قول بالکل سچ ہے کہ ایسی محبت دراصل اولاد سے دشمنی ہوا کرتی ہے جس کے جوش میں تربیت کا پہلو فراموش کر دیا جائے۔ اکبری نانی کی لاڈلی نہ ہوتی اور اسے مناسب تربیت دی جاتی تو اس سے یہ حماقتیں سرزد نہ ہوتیں اور وہ سگھڑ عورتوں کی طرح کامیاب زندگی گزارتی۔

مطابقت

مطابقت کے معنی ہیں مطابق ہونا' موافق ہونا یا برابر ہونا لیکن قواعد کی رُو سے فعل کی اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ' صفت کی اپنے موصوف کے ساتھ اور علامت اضافت (کا' کے' کی) کی اپنے مضاف کے ساتھ نسبت کے بدلنے کو مطابقت کہتے ہیں۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ' صفت اپنے موصوف کے ساتھ اور علامت اضافت اپنے مضاف کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ مثلاً ان جملوں پر غور کیجیے:

ماں چلی گئی۔ — بیٹا چلا گیا۔

ماں اور بیٹا دونوں چلے گئے۔ — علم انسان کا درجہ بڑھا دیتا ہے۔

علم اور نیک چلنی انسان کا درجہ بڑھا دیتے ہیں۔ — لڑکی نے پانی پیا۔

لڑکے نے کہانی پڑھی۔

مزید معروضی سوالات

س: محمد عاقل نے اکبری سے کیا کہا؟

ج: محمد عاقل نے اکبری سے کہا کہ ان دنوں ایک کٹنی شہر میں آئی ہوئی ہے۔ کئی گھروں کو لوٹ چکی ہے۔ تم کسی اجنبی عورت کو گھر میں مت آنے دینا۔

س: مکار جن اپنے پاس کس قسم کی چیزیں رکھا کرتی تھی؟

ج: بے وقوف عورتوں کو بہلانے پھسلانے کے لیے جن اپنے پاس تسبیح' خاک شفا' زمزمیاں' مدینہ منورہ کی کھجوریں' کوہِ طور کا سرمہ' غلاف کعبہ کا ٹکڑا' عقیق البحر' مونگے کے دانے' نادِ علی، پنج سورہ اور دُعائیں رکھتی تھی۔

س: اکبری نے جن سے کیا کچھ خریدا۔

ج: اکبری نے ایک پیسے کا سرمہ اور دو آنے کے عوض نادِ علی خریدا تو کٹنی نے فیروزے کی ایک انگوٹھی تبرک کے طور پر اسے مفت دے دی۔

س: جن نے لونگیں دیتے ہوئے اکبری سے کیا کہا؟

ج: جن نے کہا کہ ایک لونگ اپنی چوٹی میں باندھ لو۔ دوسری میاں کی پگڑی یا تکیے میں سی دو۔ اپنے قد کے برابر کلاوہ مجھے ناپ دو تا کہ گنڈا بنوا کر لا دوں۔ یہ لونگیں حج کے سفر کے دوران میں کوہ حبشہ کے شاہ صاحب نے دی تھیں۔

س: محمد عاقل نے جن سے مال خریدنے کے متعلق کیا خدشہ ظاہر کیا؟

ج: محمد عاقل نے کہا کہ مال ضرور دیکھنا چاہیے لیکن ایسا نہ ہو کہ چوری کا مال ہو۔ پیچھے خرابی پڑے اور ہاں جن کوئی بھگنی نہ ہو۔

س: جن نے جھوٹے موتی دِکھا کر اکبری سے کیا کہا؟

ج: جن کہنے لگی بیگم کی نتھ کے موتی ہیں۔ ہزار پانچ سو کے ہوں گے۔ جوہری نے دو سو روپے قیمت لگائی ہے۔ تم لے لو۔ میں نے بیگم کو پچاس روپے دیئے ہیں۔ تمہارے پاس نقد نہیں تو پہنچیاں بیچ کر خرید لو۔

س: اکبری کا زیور دیکھ کر جن نے کیا مشورہ دیا؟

ج: جن بولی کہ تم نے زیور کو مولی گاجر کی طرح ڈال رکھا ہے۔ دھگدگی میں ذرا ڈلواؤ۔ زیور میلے ہو گئے ہیں۔ میل ہونے کو کھائے جاتا ہے۔ زیور کو اجلواؤ۔

س: زیور لٹنے کی خبر سن کر محمد عاقل نے کیا ردِعمل ظاہر کیا؟

ج: محمد عاقل نے خبر سُن کر سر پیٹ لیا اور بیوی سے کہنے لگا ری! تو گھر کو خاک سیاہ کر کے چھوڑے گی۔ میں تو تجھ کو پہلے سے جانتا ہوں۔

س: جن نے اکبری کے علاوہ کن عورتوں کا زیور اُڑایا تھا؟

ج: اکبری کے علاوہ جن نے کنجنی کی گلی میں احمد بخش کی بی بی کا اور روئی کے کٹڑے میں میاں مسیتا کی بیٹی کا زیور بھی بہانے سے اُڑایا تھا۔

س: اکبری کے جہیز کے کپڑوں کا کیا حال ہوا؟

ج: برسات گزر گئی مگر اکبری نے کپڑوں کو دھوپ نہیں دی۔ سردی آئی تو صندوق کھولا۔ اس وقت تک کپڑوں کو دیمک چاٹ گئی تھی اور چوہوں نے کاٹ کاٹ کر سوراخ بنا دیے تھے۔

6۔ پہلی فتح ـــ نسیم حجازی

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 49 : ○ دمشق: شام کا مشہور شہر ○ قیادت: سربراہی، رہنمائی ○ کم سن: کم عمر ○ بصرہ: عراق کا مشہور شہر ○ کوفہ: عراق کے مشہور شہر کا نام ○ سالار: سربراہ، قائد ○ غیور: غیرت مند ○ بے کس: بے بس، لاچار ○ تبلیغ: کسی مقصد کی اشاعت کرنا ○ معمر: بوڑھا، عمر رسیدہ ○ بہم پہنچانا: مہیا کرنا ○ تقلید: پیروی ○ اعانت: مدد ○ بیت المال: حکومتی خزانہ

صفحہ نمبر 50 : ○ حجاج بن یوسف: عراق کا گورنر ○ دیبل: سندھ کی قدیم بندرگاہ ○ مکران: بلوچستان کا ساحلی شہر ○ سامانِ رسد: فوج کی ضرورت کا سامان ○ شیراز: ایران کا مشہور شہر ○ لسبیلہ: بلوچستان کا ایک شہر ○ تیرانداز: تیر چلانے والے ○ آن کی آن میں: بہت تھوڑے وقت میں ○ شتر سوار: اُونٹ سوار ○ پریشان کن: پریشان کرنے والا ○ بدکنا: سواری کے جانور کا بدحواس ہو جانا ○ منظم کرنا: ترتیب دینا ○ ہراول: فوج کا سب سے آگے چلنے والا دستہ ○ پیادہ: پیدل

صفحہ نمبر 51 : ○ کترا کر بھاگتی: پیچھا چھڑا کر بھاگتی ○ پڑاؤ ڈالنا: عارضی طور پر رکنا، آرام کے لیے ٹھہرنا ○ شب خون: رات کو اچانک حملہ ○ آس پاس کے: قریبی ○ کوس: فاصلے کا قدیم پیمانہ، تین کلومیٹر سے کچھ زائد فاصلہ ○ مستقر: مرکز، ٹھکانہ ○ مجلس شوریٰ: مشاورت کی مجلس ○ صلاح: مشورہ ○ شکست خوردہ ذہنیت: ہاری ہوئی سوچ ○ عقب: پچھلا حصہ ○ پیش قدمی: آگے بڑھنا ○ منقسم: تقسیم

صفحہ نمبر 52 : ○ اطراف: طرف کی جمع ○ احکام: حکم کی جمع، ○ ان شاء اللہ: اگر اللہ نے چاہا تو ○ تدبیر: حربہ ○ رستم: جنگِ قادسیہ میں ایرانی فوج کا سپہ سالار جو اپنی طاقت اور بہادری کی وجہ سے مشہور تھا ○ خود اعتمادی: خود پر بھروسا ○ عدم موجودگی: غیر موجودگی، موجود نہ ہونا ○ بددل ہونا: مایوس ہونا ○ مثنیٰ: مثنیٰ بن حارثہ، مسلمان سپہ سالار جو شہادت کے رُتبے پر فائز ہوئے۔

صفحہ نمبر 53: ○ ترغیب دینا: راغب کرنا ○ متقاضی: تقاضا کرنے والا

سبق کا خلاصہ

دیبل (سندھ) پر حملہ کرنے کے لیے مسلم فوج کی قیادت سترہ سالہ محمد بن قاسم کے سپرد کی گئی تھی۔ نمازِ فجر کے بعد دمشق کے لوگ اس فوج کا جلوس دیکھ رہے تھے۔ دمشق تا بصرہ راستے کے ہر شہر سے لوگ فوج میں شامل ہوئے۔ کوفہ اور بصرہ میں مسلم خواتین اپنے مردوں کو لشکر کا حصہ بننے پر آمادہ کر رہی تھیں۔ زبیدہ سمیت نوجوان خواتین اور محمد بن قاسم کی والدہ کی تبلیغ سے قوم میں زبردست جوش و جذبہ پیدا ہوا تھا۔ زبیدہ نے فوجیوں کو جنگی ساز و سامان مہیا کرنے کے لیے اپنے زیورات بیچ دیئے تھے۔ بصرے کی دیگر لڑکیوں نے اس

مثال سے متاثر ہو کر بیت المال کو سونے چاندی سے بھر دیا تھا دیگر شہروں میں بھی لاکھوں روپے جمع ہوئے تھے۔ قوم کی غیور بیٹی ناہید کی فریاد ہر گھر تک پہنچی تھی۔ محمد بن قاسم کی بصرہ آمد سے پہلے گورنر مکران نے حجاج کو پیغام بھیجا تھا کہ گورنر دیبل نے مسلمانوں کے بیس رکنی۔ غارتی وفد کے اٹھارہ ارکان کو قتل کر دیا ہے۔ اس خبر نے عوام کو مزید مشتعل کر دیا تھا۔ دمشق سے روانگی کے وقت مسلم فوج کی تعداد پانچ ہزار تھی جو بصرہ سے روانگی کے وقت بارہ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ محمد بن قاسم شیراز سے مکران اور پھر لسبیلہ پہنچا۔ اس علاقے میں بھیم سنگھ اپنے بیس ہزار فوجیوں سمیت موجود تھا۔ اس نے گوریلا جنگ کا طریقہ اپنایا تھا۔ اس کے تیس چالیس سپاہیوں کا گروہ اچانک نمودار ہوتا مسلم فوج پر تیر اور پتھر برساتا اور غائب ہو جاتا۔ گھڑ سوار تو اپنا بچاؤ کر لیتے لیکن شتر سوار دستوں کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ محمد بن قاسم نے پیادہ دستوں کی تعداد بڑھا دی مگر مسئلہ حل نہ ہوا گوریلا حملہ آوروں کا ایک گروہ مسلم فوج کو اپنی طرف متوجہ کرتا اور دوسرا گروہ دوسری طرف سے ہلہ بول دیتا۔ شب خون کے ڈر سے کم از کم چوتھائی فوج کو پہرہ دینا پڑتا تھا۔

جاسوس نے اطلاع دی کہ شمال میں بیس کوس دور ایک مضبوط قلعہ بھیم سنگھ کے لشکر کا مرکز ہے۔ محمد بن قاسم نے مجلس شوریٰ بلائی بعض سالاروں نے قلعے سے دور رہتے ہوئے ساحل کا قریبی ہموار راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا لیکن محمد بن قاسم نے کہا ہمیں علاقہ کو دشمن سے پاک کرنا چاہیے قلعہ دشمن کی اہم دفاعی چوکی ہے۔ ہم نے اسے فتح کر لیا تو دشمن علاقہ خالی کر دے گا اور اس کے دیبل پہنچنے والے سپاہی شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ کریں گے ہم یہاں سے کترا کر نکل گئے تو دشمن کا حوصلہ بڑھ جائے گا اور ہمارا عقب غیر محفوظ رہے گا۔ قلعہ فتح ہونے کے بعد پہاڑیوں میں موجود دشمن فوج ہمارے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کی کوشش کرے گی۔ محمد بن قاسم نے خیال ظاہر کیا کہ قلعہ کے محافظین پہاڑیوں پر منقسم ہیں۔ میں پانچ سو پیادے سپاہی لے کر آج سورج نکلنے سے پہلے قلعے پر حملہ کرنا چاہتا ہوں باقی فوج پیش قدمی جاری رکھے صبح تک قلعہ فتح ہونے کی خبر پہنچ جائے تو پیش قدمی روک کر میرے احکام کا انتظار کریں۔ قلعہ فتح ہونے کے بعد دشمن نے کسی جگہ منظم ہو کر مقابلہ کرنا چاہا تو میں آپ سے آملوں گا اور اگر دشمن نے قلعہ دوبارہ فتح کرنا چاہا تو آپ وہاں پہنچ جائیں۔ اس پر ایک بوڑھا سالار بولا کہ سپہ سالار فوج کا آخری سہارا ہوتا ہے اس لیے آپ کا فوج کے ساتھ رہنا ہی مناسب ہے۔ محمد بن قاسم نے جواب دیا کہ جنگ قادسیہ میں ایرانیوں نے اپنے سپہ سالار رستم پر مکمل انحصار کیا۔ رستم مارا گیا تو ایرانی فوج مٹھی بھر مسلمانوں سے شکست کھا گئی۔ مسلمان سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص گھوڑے پر چڑھنے کے قابل نہ تھے لیکن مسلم فوج کو ان کی عدم موجودگی کا احساس نہ تھا غیر مسلم بادشاہوں اور سالاروں کے لیے لڑتے ہیں جب کہ مسلمان صرف خدا کے لیے جہاد کرتا ہے اسی لیے مجاہدین اسلام نے سپہ سالار کی شہادت پر بھی ہتھیار نہیں ڈالے۔ میری دعا ہے کہ خدا مجھے رستم نہیں بلکہ مثنیٰؓ بنائے جن کی شہادت نے مجاہدین کو شوق شہادت سے سرشار کر دیا تھا۔ میرے نزدیک سپاہیوں کے پہرے میں چھپے سپہ سالار کی جان کی

کوئی قیمت نہیں۔ قلعہ فتح کرنے کی مہم اہم ترین اور خطرناک ہے لہٰذا میں خود اس کی رہنمائی کروں گا۔ زبیر نے کہا کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔ محمد بن قاسم نے جواب دیا ایک قلعہ فتح کرنے کے لیے دو دماغوں کی ضرورت نہیں میں اپنی غیر موجودگی میں محمد بن ہارون کو سپہ سالار اور تمہیں اس کا نائب مقرر کرتا ہوں۔

مشقی سوالات

1۔ مندرجہ ذیل کے مختصر جواب لکھیے۔

الف: کس خبر نے بصرے کے لوگوں کو زیادہ مشتعل کیا؟

جواب: گورنر مکران نے حجاج بن یوسف کو یہ پیغام بھیجا کہ دیبل جانے والے بیس رکنی سفارتی وفد کے صرف دو ارکان زندہ واپس آئے ہیں اور اٹھارہ ارکان کو گورنر دیبل نے قتل کر دیا ہے۔ اس خبر نے بصرے کے لوگوں کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا۔

ب: راستے کا قلعہ پہلے فتح کرنے میں محمد بن قاسم نے کیا مصلحت محسوس کی؟

جواب: محمد بن قاسم کا خیال تھا کہ یہ قلعہ دشمن کی اہم دفاعی چوکی ہے جسے فتح کر لیا گیا تو پسپا فوج فرار ہو کر دیبل پہنچے گی اور شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ کرے گی۔ اس کے علاوہ مسلمان فوج کا عقب بھی حملے کے خطرے سے محفوظ ہو جائے گا۔

ج: قادسیہ کی جنگ میں زبردست فوج کے باوجود ایرانیوں کو کیوں شکست ہوئی؟

جواب: ایرانی فوج نے اپنی تمام تر اُمیدیں اپنے سپہ سالار رستم سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ رستم مارا گیا تو ایرانی فوج میں بددلی پھیل گئی۔ اس طرح ایرانی مٹھی بھر مسلمانوں سے شکست کھا گئے۔

د: مسلمانوں اور غیر مسلموں کی جنگ کا کیا فرق ہے؟

جواب: غیر مسلم اپنے بادشاہ یا سپہ سالار کی خوشنودی کے لیے لڑتے ہیں۔ بادشاہ یا سپہ سالار مر جائے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں اس طرح شکست ان کا مقدر بنتی ہے۔ اس کے برعکس مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جہاد کرتے ہیں۔ سپہ سالار شہید بھی ہو جائے تو ان کے جوش اور ولولے میں فرق نہیں آتا کیونکہ جس کی خاطر وہ جنگ کرتے ہیں وہ تو ہر وقت موجود اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

2۔ اپنے استاد کی رہنمائی سے مندرجہ ذیل فقروں کی وضاحت کیجیے۔

الف: ''غیور قوم کی ایک بے کس بیٹی کی فریاد بصرے اور کوفے کے ہر گھر میں پہنچ چکی تھی۔''

وضاحت: مسلمانوں کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے والوں نے مردوں کو شہید کر کے خواتین کو قیدی بنا لیا تھا۔ ان قیدی خواتین میں سے ایک ناہید نے حجاج بن یوسف اور مسلمان قوم کے نام خط لکھ کر ان سے مدد مانگی تھی۔ اس خط نے مسلمانوں میں زبردست جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ کوفے اور بصرے کا ہر مرد اسلامی فوج کا حصہ بن کر سندھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ خواتین مردوں کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں۔ اس ماحول کو واضح کرنے کے لیے نسیم حجازی

لکھتے ہیں کہ غیور قوم کی ایک بے کس بیٹی کی فریاد بصرے اور کوفے کے ہر گھر میں پہنچ چکی تھی۔

ب: ''خدا مجھے قوم کے لیے رستم نہ بنائے بلکہ مجھے مثنیٰؓ بننے کی توفیق دے۔''

وضاحت: جنگِ قادسیہ میں ایرانیوں نے اپنی تمام تر اُمیدیں اپنے سپہ سالار رستم سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ رستم مارا گیا تو ایرانی فوج مایوس ہو کر شکست کھا گئی جب کہ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت مثنیٰؓ کی شہادت نے مسلم فوج کو نیا جوش اور جذبہ بخشا تھا جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے کئی گنا بڑی ایرانی فوج کو ہرا دیا تھا اسی لیے محمد بن قاسم نے دُعا کی کہ خدا مجھے قوم کے لیے رستم نہ بنائے بلکہ مجھے مثنیٰؓ بننے کی توفیق دے۔

3: مندرجہ ذیل مصادر کو امدادی افعال کے طور پر اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

دینا۔ لینا۔ آنا۔ جانا۔ پڑنا۔ چکنا۔ رکھنا۔ اٹھنا۔

جواب:
- دینا: اختر نے نوکری سے استعفا دے دیا۔
- لینا: پہلے چائے پی لو پھر پودوں کو پانی دے لینا۔
- آنا: ذرا مجھے سکول تک چھوڑ آنا۔
- جانا: تھوڑی دیر کے لیے رُک جانا' میں آ رہا ہوں۔
- پڑنا: فیل ہونے کی خبر سن کی ابرار رو پڑا۔
- چکنا: وہ چائے پی چکا ہے۔
- رکھنا: میں نے یہ کہانی سن رکھی ہے۔
- اٹھنا: سیڑھیوں سے نیچے گرتے ہی اسد درد سے بلبلا اٹھا۔

4: مندرجہ ذیل حروف کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

نہ صرف ۔۔۔۔۔ بلکہ جوں جوں ۔۔۔۔ توں توں

جیسے جیسے ۔۔۔۔۔ ویسے ویسے چونکہ ۔۔۔۔۔ اس لیے

جواب:
- نہ صرف ۔۔۔۔۔ بلکہ: وہ نہ صرف محنتی ہے بلکہ ڈسپلن کی پابندی بھی کرتا ہے۔
- جوں جوں ۔۔۔۔ توں توں: جوں جوں امتحان نزدیک آتے گئے توں توں اسد کی پریشانی بڑھتی گئی۔
- جیسے جیسے ۔۔۔۔۔ ویسے ویسے: جیسے جیسے سورج ڈھلتا گیا، ویسے ویسے اندھیرے میں اضافہ ہوتا گیا۔
- چونکہ ۔۔۔۔۔ اس لیے: چونکہ وہ بیمار ہے، اس لیے آج کالج نہیں آئے گا۔

مضمون

مضمون ایک ایسی نثری تحریر ہوتی ہے جس میں زندگی کے کسی بھی شعبے سے متعلق، کسی بھی موضوع پر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مضمون کی بالعموم ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔ سب سے پہلے زیرِ بحث موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے اور پھر اس کے بارے میں معلومات پیش کر کے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔

مضمون قدرے مختصر مگر جامع ہونا چاہیے۔ چونکہ روزمرہ بول چال کی زبان سب سے عمدہ تحریر ہوتی ہے اس لیے مضمون نگار کو چاہیے کہ وہ روزمرہ سے قریب رہ کر حتی الامکان شگفتہ اور رواں زبان استعمال کرے۔ مضمون نگار کے لیے موضوع کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر مضمون نگار موضوع سے منسلک نہ رہے گا یا خیالات کی ترتیب کو گڈمڈ کر دے گا تو اس کا مضمون اچھا تاثر پیش نہیں کرے گا۔

5: آپ ناول ''محمد بن قاسم'' کا مطالعہ کیجیے اور ناول کے ہیرو محمد بن قاسم کے کردار کی خوبیاں بیان کیجیے۔

جواب: طالب علم خود کوشش کریں۔

☆ سیاق وسباق کے حوالے سے اہم اقتباس کی تشریح

اقتباس: ''محمد بن قاسم شیراز سے ہوتا ہوا مکران پہنچا۔ مکران کی سرحد عبور کرنے کے بعد لسبیلے کے پہاڑی علاقے میں اُسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بھیم سنگھ بیس ہزار فوج کے ساتھ لسبیلے کے سندھی گورنر کی اعانت کے لیے پہنچ چکا تھا۔ اُس نے ایک مضبوط پہاڑی قلعے کو اپنا مرکز بنا کر تمام راستوں پر اپنے تیرانداز بٹھا دیے۔ اپنے باپ کی مخالفت کے باوجود وہ راجا داہر کو اس بات کا یقین دلا چکا تھا کہ اُس کے بیس ہزار سپاہی بارہ ہزار مسلمانوں کو لسبیلے سے آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔'' (سرمایۂ اُردو 12 ص 50)

حوالۂ متن: سبق کا عنوان : پہلی فتح

مصنف کا نام : نسیم حجازی

سیاق وسباق: اسیر مسلمان خاتون کا خط ملنے پر گورنر حجاج بن یوسف نے اموی خلیفہ سے اجازت لی اور سترہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم کو سپہ سالار بنا کر اسلامی لشکر کو دیبل فتح کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اس موقع پر اہل دمشق میں زبردست جوش اور ولولہ تھا۔ خواتین اسلام نے اپنے زیورات عطیے میں دے کر بیت المال کو سونے چاندی سے بھر دیا تھا۔ بصرہ میں تین روزہ قیام کے دوران میں محمد بن قاسم کو معلوم ہوا کہ دیبل جانے والے بیس رکنی وفد کے اٹھارہ ارکان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ دمشق سے پانچ ہزار مجاہدین اسلام بصرہ پہنچے تھے لیکن بصرہ سے روانگی کے وقت مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

تشریح: محمد بن قاسم کی سربراہی میں اسلامی فوج شیراز سے مکران پہنچی۔ مکران کی سرحد پار کرنے کے بعد لسبیلہ کا پہاڑی علاقہ آ گیا جہاں اسلامی فوج کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان مشکلات کا سبب بھیم سنگھ کی بیس ہزار فوج تھی۔ بھیم سنگھ کے فوجیوں نے مسلمانوں کے خلاف گوریلا جنگ کا طریقہ اپنا رکھا تھا۔ وہ تیس چالیس کی ٹولیوں میں مسلمانوں پر حملے کرتے اور پھر غائب ہو جاتے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود ہندو مسلمانوں سے خوفزدہ اور مرعوب تھے۔ بھیم سنگھ بیس ہزار فوج لے کر آیا تھا جب کہ محمد بن قاسم کے ساتھ صرف بارہ ہزار مجاہدین تھے اس کے باوجود پیش قدمی کرنے کے بجائے بھیم سنگھ نے ایک قلعہ

کو اپنا مستقر بنایا اور چھاپہ مار جنگ کی حکمت عملی اپنائی۔ ہندوؤں کی اس بزدلانہ پالیسی نے مسلمانوں کے لیے وقتی طور پر پریشانیاں پیدا کیں۔ ہندو چھاپہ مار اچانک نمودار ہوتے اور فوج کے کسی حصے پر تیر یا پتھر برسا کر غائب ہو جاتے۔ گھڑسوار مسلم فوجی تو بچ جاتے لیکن اونٹ سواروں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس صورت حال میں اونٹ بھڑک جاتے تھے اور آسانی سے قابو میں نہیں آتے تھے۔ بہر حال یہ تمام مشکلات وقتی ثابت ہوئیں اور محمد بن قاسم کے جذبہ جہاد سے سرشار لشکر نے سندھ کو فتح کر کے اسلامی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔

مزید معروضی سوالات

س: رستم کس جنگ میں مارا گیا تھا؟

ج: رستم جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

س: محمد بن قاسم کی عمر کتنی تھی؟

ج: محمد بن قاسم کی عمر سترہ برس تھی۔

س: اسلامی لشکر کتنے مجاہدین پر مشتمل تھا؟

ج: اسلامی لشکر بارہ ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔

س: محمد بن قاسم نے بصرہ میں کتنے روز قیام کیا؟

ج: محمد بن قاسم نے بصرہ میں تین روز قیام کیا۔

س: محمد بن قاسم نے کیا دُعا مانگی؟

ج: محمد بن قاسم نے دُعا مانگی ''خدا مجھے قوم کے لیے رُستم نہ بنائے بلکہ مجھے شیخؒ بننے کی توفیق دے۔''

س: محمد بن قاسم کی والدہ نے کیا کیا؟

ج: محمد بن قاسم کی والدہ کی صحت خراب تھی اس کے باوجود وہ معمر خواتین کی ایک ٹولی کو ساتھ لے کر جہاد کی تبلیغ کے لیے بصرہ کے ہر محلے میں گئیں۔

س: بصرہ سے روانگی کے وقت محمد بن قاسم کی فوج کی تعداد کتنی تھی؟

ج: بصرہ سے روانگی کے وقت محمد بن قاسم کی فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی جن میں چھ ہزار گھڑسوار، تین ہزار پیدل اور تین ہزار سامان رسد کے اُونٹوں کے ساتھ تھے۔

س: بھیم سنگھ کے سپاہیوں نے حملے کا کیا طریقہ اختیار کیا؟

ج: تیس چالیس سپاہیوں کا گروہ اچانک کسی ٹیلے یا پہاڑی کی چوٹی پر نمودار ہوتا۔ اسلامی لشکر کے کسی حصے پر تیر یا پتھر برساتا اور پھر غائب ہو جاتا تھا۔

س: جاسوس نے محمد بن قاسم کو کیا اطلاع دی؟

ج: جاسوس نے اطلاع دی کہ شمال کی طرف بیس کوس کے فاصلے پر ایک مضبوط قلعہ بھیم سنگھ کے لشکر کا مستقر ہے۔

س: بوڑھے سالار نے کیا کہا؟

ج: بوڑھے سالار نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ سندھ کی فتح کے لیے خدا نے آپ کو منتخب کیا ہے۔ ان شاء اللہ آپ کی کوئی تدبیر غلط نہ ہوگی لیکن میرا سالار کا فوج کے ساتھ رہنا ہی مناسب ہے کیونکہ وہ فوج کا آخری سہارا ہوتا ہے۔

س: مکران کے گورنر نے حجاج بن یوسف کو کیا پیغام بھیجا؟

ج: گورنر مکران نے پیغام بھیجا کہ دیبل بھیجے جانے والے بیس رکنی وفد کے صرف دو ارکان جان بچا کر مکران پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

○○○

7۔ دستک ـــ میرزا ادیب

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 55 : ○ گاؤ تکیہ: گول تکیہ جس سے ٹیک لگائی جاتی ہے ○ نقاہت: کمزوری ○ فرنچ کٹ ڈاڑھی: ایک خاص انداز کی ڈاڑھی جس میں رخساروں سے بال صاف کر کے صرف ٹھوڑی پر بڑھا لیے جاتے ہیں ○ تند و تیز: بہت تیز، طوفانی ○ شال: گرم چادر ○ ورق گردانی کرنا: سرسری مطالعہ کرنا

صفحہ نمبر 56: ○ دستک: دروازہ کھٹکھٹانا ○ خواہ مخواہ: بلاوجہ

صفحہ نمبر 57 : ○ وہم: شک ○ جنبش: حرکت ○ بے گار: وہ کام جس کی کوئی اُجرت نہ ملے، بے فائدہ کام ○ ٹکٹکی باندھے دیکھنا: مسلسل دیکھنا، نظر ہٹائے بغیر دیکھنا

صفحہ نمبر 58: ○ واہمہ: وہم، شک ○ حقیقت پسند: سچائی کو تسلیم کرنے والا

صفحہ نمبر 59: ○ فرض شناس: فرض کا احساس کرنے والا ○ برساتی: بارش سے بچانے والا کوٹ

صفحہ نمبر 60 : ○ کیس آ گئے: مریض آ گئے ○ ٹمپریچر لینا: تھرمامیٹر کے ذریعے درجہ حرارت معلوم کرنا ○ سیرپ: پینے کی دوا

صفحہ نمبر 61: ○ ٹرے: چائے کے کپ اور دیگر لوازمات رکھنے کا برتن

صفحہ نمبر 62: ○ پراسرار: رازوں سے بھری ہوئی ○ بدستور: مسلسل

صفحہ نمبر 63: ○ پریکٹس خوب چلتی تھی: ڈاکٹری کا کام خوب چلتا تھا ○ تانتا بندھا رہتا تھا: بہت رش رہتا تھا

صفحہ نمبر 64: ○ ضمیر بیدار ہونا: اندرونی احساس کا جاگنا ○ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا: بے بسی کی موت مرنا

صفحہ نمبر 65: ○ شب بخیر: رات خیریت سے گزرے

چار دان کے دروازے پر دستک دیتا رہا لیکن انہوں نے اس کے بیٹے کو دیکھنے سے انکار کر دیا۔ اسی خلش کی وجہ سے ان کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ دروازے پر اب بھی دستک ہو رہی ہے۔

2: ''دستک'' کے سلسلے میں ڈاکٹر زیدی اور بیگم زیدی کے درمیان جو مکالمے ہوئے ان کا خلاصہ تحریر کیجیے؟

جواب: ڈاکٹر زیدی نے بیگم سے کہا کہ دروازے پر دستک ہو رہی ہے لیکن بیگم نے جواب دیا کہ یہ آپ کا وہم ہے۔ ڈاکٹر زیدی نے اصرار کیا تو بیگم نے جواب دیا کہ ہوا کے شور کی وجہ سے آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ پریشان نہ ہوں۔ ڈاکٹر زیدی نے کہا کہ تم دروازے پر جانا نہیں چاہتی ہو تو میں خود دیکھ لیتا ہوں اس پر بیگم زیدی دروازے پر گئیں اور واپس آ کر بتایا کہ وہاں کوئی نہیں۔ اگر کوئی آئے گا تو دستک کیوں دے گا۔ کال بیل کیوں نہیں بجائے گا۔ تم ڈاکٹر ہو تمہیں حقیقت پسند ہونا چاہیے۔ میں ڈاکٹر برہان کو بتاؤں گی کہ تمہیں دروازے پر دستک کا وہم ہوتا ہے۔

3: اس ڈرامے سے آپ کون سا اخلاقی سبق اخذ کرتے ہیں؟

جواب: اس ڈرامے سے سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہر حال میں دوسروں کی مدد کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے دوسروں کے آرام کو اپنے آرام پر ترجیح دینی چاہیے۔ خصوصاً ڈاکٹروں کو اپنے پیشے کی عظمت کو سمجھنا چاہیے اور ہر لمحہ دکھی انسانیت کی خدمت کرنی چاہیے۔

4: اس ڈرامے سے وہ فقرہ تلاش کیجیے' جس میں اس کا مرکزی خیال پوشیدہ ہے؟

جواب: ڈاکٹر زیدی کی بیگم ڈاکٹر برہان کی تعریف کرتی ہیں تو ڈاکٹر زیدی کہتے ہیں ''ڈاکٹر کو فرض شناس ہونا چاہیے'' اسی فقرے میں ڈرامے کا مرکزی خیال پوشیدہ ہے۔

5: مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے۔

تیز۔ مستقل۔ سردی۔ وہم۔ مصروف۔ آرام۔ اطمینان۔

جواب: ○ تیز: آہستہ ○ مستقل: عارضی ○ سردی: گرمی ○ وہم: یقین' حقیقت ○ مصروف: بے کار' فارغ ○ آرام: تکلیف ○ اطمینان: بے چینی' اضطراب

6: مندرجہ ذیل الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

فرض شناس۔ نقاہت۔ دستک۔ تانتا بندھنا۔ سر کھجانے کی فرصت نہ ملنا۔ سوچ میں ڈوبنا۔ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا۔ خیالوں میں غرق ہونا۔

جواب: ○ فرض شناس: ایک ڈاکٹر کو فرض شناس ہونا چاہیے اور دکھی انسانیت کی مسیحائی کے لیے ہر پل تیار رہنا چاہیے۔

○ نقاہت: حادثے کے دو ہفتے بعد اسد کے زخم تو بھر گئے مگر نقاہت بدستور ہے۔

○ دستک: دروازے پر دستک ہو رہی ہے، شاید رضوان آیا ہے۔

○ تانتا بندھنا: عید سے ایک روز قبل چوڑیوں کی دکان پر خواتین کا تانتا بندھا ہوا تھا۔

○ سر کھجانے کی فرصت نہ ملنا: عید قربان کے روز قصابوں کو سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی۔
○ سوچ میں ڈوبنا: سوات سے واپسی کے بعد شاہد وہاں کی سوچوں میں ڈوبا رہتا ہے۔
○ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا: شکاری ٹکٹکی باندھ کر شیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔
○ خیالوں میں غرق ہونا: کلاس میں موجود ہونے کے باوجود اسلم کرکٹ میچ کے خیالوں میں غرق تھا۔

7: درج ذیل مصادر کو امدادی افعال کے طور پر اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

پڑنا۔ چکنا۔ کرنا۔ سکنا۔ چاہنا۔ پانا۔ رکھنا۔ اٹھنا۔ لگنا۔ رہنا۔ ہونا

جواب: ○ پڑنا: پیسے کمانے کے لیے کام تو کرنا پڑے گا۔
○ چکنا: اختر چائے پی چکا ہے۔
○ کرنا: وہ شب بھر چاند کو دیکھا کرتا ہے۔
○ سکنا: کیا میں بات کر سکتا ہوں۔
○ چاہنا: وہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔
○ پانا: استاد صاحب کے سامنے علی بات نہیں کر پایا۔
○ رکھنا: پیسے کے لالچ نے اسلم کو پاگل بنا رکھا ہے۔
○ اُٹھنا: چوٹ لگتے ہی محسن اویس درد سے بلبلا اٹھا۔
○ لگنا: پہلے اس نے کچھ سوچا، پھر بولنے لگا۔
○ رہنا: وہ کتاب پڑھ رہا ہے۔
○ ہونا: دل پر آپ کا نام لکھا ہوا ہے۔

8: میرزا ادیب اردو کے نامور ڈراما نگار ہیں۔ آپ اپنی لائبریری سے اُن کی کتاب ''فصیلِ شب'' لے کر اس کا مطالعہ کیجیے۔

☆ طلبہ کتاب حاصل کر کے مطالعہ کریں۔

خط

خط ایک طرح کی تحریری گفتگو ہے جس کے ذریعے ہم اپنے اپنے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے خط کو ''نصف ملاقات'' بھی کہا جاتا ہے۔ خط نجی ہو یا کاروباری، رسمی ہو یا سرکاری ہر چند خط لکھنے کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے لیکن بالعموم مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے:

الف: خط کی پیشانی کے دائیں جانب مقامِ روانگی اور اس کے نیچے تاریخ لکھی جاتی ہے۔
ب: صفحے کے وسط میں طرزِ تخاطب اور بلحاظ بزرگی یا خوردی مختصر القاب و آداب لکھا جاتا ہے۔
ج: خط مختصر ہونا چاہیے تاکہ اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع نہ ہو۔
د: جملے چھوٹے چھوٹے اور واضح ہوں کیونکہ لمبے جملے اُلجھن کا باعث ہوتے ہیں۔

ہ: خط کے نفسِ مضمون کے بعد قدرے بائیں جانب لکھنے والے کا نام اور تفصیلی پتا لکھا جاتا ہے۔

☆اپنے دوست کو خط لکھیے، جس میں کسی تاریخی مقام کی سیر کا حال بیان کیجیے۔

جواب: دیکھیے حصہ خطوط۔

☆سیاق وسباق کے حوالے سے اہم اقتباس کی تشریح

اقتباس: ''کچھ دیر بعد میرے نوکر نے آ کر بتایا کہ کوئی بڑے میاں آئے ہیں اور آپ کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ میں نے انکار کر دیا اور نوکر سے کہا کہ بڑے میاں کو واپس بھیج دو مگر اس کے روکنے کے باوجود وہ بوڑھا میرے کمرے میں آ گیا اور منت سماجت کرنے لگا کہ میرا بیٹا سخت بیمار ہے پہلے بھی آپ کی دوا سے شفا ہوئی تھی۔ چل کر دیکھ لیں۔ مگر میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔

(زیدی دو تین لمحوں کے لیے خاموش رہتے ہیں' پھر کہنے لگتے ہیں)

گرم بستر چھوڑنا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ وہ بولتا رہا اور جب نوکر نے اسے زبردستی باہر نکال دیا تو دروازے پر دستک دینے لگا۔ نہ جانے کب تک دستک دیتا رہا۔ میں سو گیا۔

(زیدی پھر خاموش ہو جاتے ہیں۔ بیگم کی نگاہیں اپنے شوہر پر جمی ہیں اور برہان میز سے دوائی کی ایک شیشی اُٹھا کر اسے دیکھ رہے ہیں)

صبح اُٹھا تو طبیعت پر بڑا بوجھ تھا۔ افسوس کر رہا تھا کہ میں نے بوڑھے کو کیوں مایوس کیا۔''

(سرمایۂ اُردو 12 صفحہ 64,63)

حوالۂ متن: سبق کا عنوان : دستک

مصنف کا نام : میرزا ادیب

سیاق وسباق: ڈرامہ دستک میں میرزا ادیب نے بہت فن کارانہ مہارت کے ساتھ ایک باضمیر ڈاکٹر کے احساس جرم کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر زیدی کی عمر 55 برس ہے اپنی جوانی میں ایک شب وہ تھکے ہارے گھر پہنچے تو ایک بڑے میاں انہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آ گئے۔ بڑے میاں کا بیٹا سخت بیمار تھا۔ اقتباس میں ڈاکٹر زیدی بڑے میاں کی آمد کا واقعہ ڈاکٹر برہان کو سنا رہے ہیں۔

تشریح: ڈاکٹر زیدی ڈاکٹر برہان کو اپنی جوانی اور دورِ عروج کا واقعہ سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک شب وہ تھکے ہارے گھر پہنچے تو نوکر نے آ کر انہیں اطلاع دی کہ کوئی بڑے میاں آئے ہیں اور آپ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر زیدی ایک اچھے انسان تھے اور بطور ڈاکٹر اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ تھے لیکن اس وقت تھکن سے ان کا برا حال ہو رہا تھا۔ تھکاوٹ نے احساس ذمہ داری پر غلبہ پا لیا اور ڈاکٹر زیدی نے نوکر سے کہا کہ وہ بڑے میاں کو واپس بھیج دے۔ نوکر نے بوڑھے کو واپس بھیجنا چاہا لیکن وہ ڈاکٹر زیدی کے کمرے میں آ گیا اور منت سماجت کرنے لگا۔ بوڑھے نے کہا کہ میرا بیٹا سخت بیمار ہے۔ پہلے بھی آپ کی دوا سے اس کی

طبیعت ٹھیک ہوئی تھی آپ چل کر اسے دیکھ لیں۔ بوڑھے کی یہ بات سن کر ڈاکٹر زیدی کو اس کے ساتھ چلے جانا چاہیے تھا لیکن ان کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں اور گرم بستر سے نکلنا انہیں بہت مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے بوڑھے کو سختی سے انکار کر دیا۔ وہ منت سماجت کرتا رہا لیکن نوکر نے اسے زبردستی گھر سے باہر نکال دیا۔ بوڑھا گھر سے باہر نکل کر دروازے پر دستک دینے لگا اور جانے کب تک باہر کھڑا اس امید پر دستک دیتا رہا کہ ڈاکٹر زیدی شاید اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو جائیں۔ ڈاکٹر زیدی اس وقت سو گئے لیکن صبح اٹھے تو طبیعت پر بڑا بوجھ تھا اور دل کو افسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے ایک مریض کو دیکھنے سے انکار کیا۔ اپنے فرض پر اپنے آرام کو ترجیح دی اور ایک مجبور باپ کو مایوس کیا۔

مزید معروضی سوالات

س: ڈاکٹر برہان کا بڑے میاں سے کیا رشتہ تھا؟

ج: ڈاکٹر برہان بڑے میاں کے پوتے تھے۔

س: ڈاکٹر زیدی بڑے میاں کے ساتھ چلنے پر کیوں آمادہ نہ ہوئے؟

ج: ڈاکٹر زیدی دن بھر کے تھکے ہارے گھر آئے تھے اور سونا چاہتے تھے۔ اسی لیے بڑے میاں کے ساتھ نہ گئے۔

س: ڈاکٹر برہان نے ڈاکٹر زیدی کا چیک اپ کرنے کے بعد کیا کہا؟

ج: ڈاکٹر برہان نے بتایا کہ ٹمپریچر 100 ہے۔ انجکشن کا ناغہ کر دینا چاہیے۔

س: ڈاکٹر زیدی نے ڈاکٹر برہان کی تعریف سن کر کیا کہا؟

ج: ڈاکٹر زیدی نے کہا کہ ڈاکٹر کو فرض شناس ہی ہونا چاہیے۔

س: ڈاکٹر زیدی نے دروازے پر جانے کے لیے اصرار کیا تو بیگم زیدی نے کیا جواب دیا؟

ج: بیگم زیدی نے کہا کہ دروازے پر کوئی آئے گا تو کال بیل نہیں دیکھے گا۔ آپ خود ڈاکٹر ہیں۔ وہم نہ کریں اور حقیقت پسند بنیں۔

س: بیگم زیدی نے ڈاکٹر برہان کے متعلق کیا کہا؟

ج: بیگم زیدی نے کہا کہ میں نے اتنا ذمے دار اور فرض شناس نوجوان آج تک نہیں دیکھا۔ اسے سوائے کام کے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

س: بیگم زیدی نے ڈاکٹر برہان کو کیا بتایا؟

ج: بیگم زیدی نے کہا مجھے یہ بتانا عجیب لگ رہا ہے۔ شاید آپ یقین نہ کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر زیدی کو وہم ہو گیا ہے کہ دروازے پر دستک ہوتی رہتی ہے۔

س: نوکر نے ڈاکٹر زیدی کو آ کر کیا بتایا تھا؟

ج: نوکر نے ڈاکٹر زیدی کو بتایا کہ کوئی بڑے میاں آئے ہیں اور آپ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔

س: بوڑھے نے ڈاکٹر زیدی سے کیا کہا؟

ج: بوڑھا منت سماجت کرنے لگا کہ میرا بیٹا سخت بیمار ہے۔ پہلے بھی آپ کی دوا سے شفا ہوئی تھی۔ چل کر اسے دیکھ لیں۔

س: صبح اُٹھ کر ڈاکٹر زیدی نے کیا محسوس کیا؟

ج: ڈاکٹر زیدی صبح اُٹھے تو طبیعت پر بڑا بوجھ تھا۔ انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ بڑے میاں کو مایوس کیوں کیا۔ اس کے ساتھ کیوں نہ گئے۔

س: ڈاکٹر زیدی کی باتیں سُن کر ڈاکٹر برہان نے کیا نتیجہ نکالا؟

ج: ڈاکٹر برہان نے کہا کہ وہ بوڑھا تو چلا گیا لیکن اب کبھی کبھی آپ کا ضمیر دروازے پر دستک دیتا ہے۔

س: ڈاکٹر برہان نے ڈاکٹر زیدی کے گھر سے جاتے ہوئے کیا کہا؟

ج: ڈاکٹر برہان نے کہا کہ ڈاکٹر زیدی' خدا حافظ! اطمینان کے ساتھ سو جائیے۔ اب دروازے پر دستک نہیں ہونی چاہیے۔ میں کل حاضر ہوں گا۔

8۔ ہوائی ــــ بیگم اختر ریاض الدین

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 67 : ○ مسلط : قابض ○ بحرالکاہل : ایک بڑا سمندر ○ ہونولولو : جزیرہ ہوائی کا دارالحکومت ○ ڈھارس : حوصلہ ○ الامان : خدا کی پناہ ○ اللہ اللہ کرتے : مشکل سے، اللہ کا ذکر کرتے ○ ہول اُٹھنا : خوف آنا ○ مراجعت : واپسی ○ اوکھلی میں سر دیا تو دھمکوں سے کیا ڈرنا : مشکل کام میں ہاتھ ڈالنے کے بعد گھبرانا نہیں چاہیے، خطروں سے کھیلنے والے گھبراتے نہیں ○ طاق : ماہر ○ پل : لمحہ ○ گویا : یعنی، ○ پی اوائے سی : فضائی کمپنی کا نام ○ کسر شان : شان کے خلاف ○ ٹھیکی لگانا : پڑاؤ ڈالنا ○ شیر خوار : دُودھ پینے والا ○ جائے پیدائش : پیدا ہونے کا مقام ○ ارمان : خواہش ○ اُنس : محبت ○ سیاح : سیر کرنے والا ○ ناگفتہ بہ : ناقابل بیان

صفحہ نمبر 68 : ○ بنیا پولیس : ہندو پولیس ○ قصہ کوتاہ : مختصر یہ کہ ○ پین ایم : امریکی ہوائی کمپنی کا جہاز ○ کھٹارا : بہت پرانا ○ چھاج : گیہوں صاف کرنے کا خاص برتن ○ گیہوں : اناج ○ رسم دیرینہ : پرانی رسم ○ خاطر مدارت : مہمان نوازی، آؤ بھگت ○ جل تو جلال تو : پوری مثل ہے ''جل تو جلال تو، آئی بلا کو ٹال تو'' یعنی خدا سے دُعا کی جارہی ہے کہ وہ بلاؤں سے محفوظ رکھے ○ ریشم کی طرح سرسر کرتا گزر گیا : بخیر و عافیت گزر گیا ○ دارالسلطنت : دارالحکومت ○ گجرے : پھولوں کے ہار ○ نچھاور کرنا : قربان کرنا

صفحہ نمبر 69 : ○ ندارد : غیر موجود، غائب ○ لدی پھندی : بھری ہوئی ○ گٹار : ایک مغربی ساز ○ حسب معمول : معمول کے مطابق ○ موزے : جرابیں ○ ریزگاری : سکے ○ پینٹری : کھانے پینے کا سامان اور برتن رکھنے کا کمرہ ○ اودھم مچنا : شور وغل ہونا ○ ہیوی ویٹ : باکسنگ اور کشتی کے مقابلوں میں حصہ لینے والوں کے لیے وزن کا ایک خاص پیمانہ ○ چمپئن : فاتح ○ تنبیہ : خبرداری، وارننگ ○ واللہ اعلم : اللہ بہتر جانتا ہے

صفحہ نمبر 70 : ○ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہونا : مشکلات اور مسائل کا پتا چلنا ○ کمر کس لینا : کسی کام کے لیے تیار ہو جانا ○ لنچ : دوپہر کا کھانا ○ عمیق تر : زیادہ گہرا ○ زمرد کی آمریت : سبزے کی حکومت ○ کہنہ مشق : تجربہ کار ○ شباب : جوانی ○ آنکھیں خیرہ ہونا : آنکھیں چندھیا جانا ○ وجدانی حسن : وجد کی کیفیت طاری کرنے والا حسن ○ کوہسار : پہاڑ ○ سنگلاخ : پتھریلا ○ ازلی : شروع سے ○ رین بسیرا : راتوں کا ٹھکانا ○ دوڑی چھوٹی : فرصت ملنے پر ○ پکنک منانا : اہلِ خانہ یا احباب کا جمع ہو کر کسی مقام کی سیر کو جانا ○ مہذب : تہذیب یافتہ ○ شفاف : بہت صاف

صفحہ نمبر 71 : ○ لامحدود : جس کی حد نہ ہو ○ افراط : بہتات، فراوانی ○ ذخار : بھرا ہوا، لبریز ○ بروئے زمین برسر پھلے ہوا : زمین پر قائم ہوا ○ بساطی : چھوٹی چھوٹی متفرق اشیا بیچنے والا ○ پنساری : دوا فروش ○ دیوالیہ ہو جانا : کنگال ہو جانا ○ مہاگرو : بڑا گرو ○ اختراع : ایجاد ○ شیطان کی آنت ہونا : بہت طویل ہونا ○ سیل : اشیا

کوستے داموں فروخت کرنا ○ پہلے ہلے میں: پہلے پھیرے میں ○ نرسری: چھوٹے بچوں کے پڑھنے، کھیلنے کی جگہ ○ شاپنگ: خریداری ○ توسل: وسیلہ ○ **بھٹچر**: پھٹی پرانی

صفحہ نمبر 72: ○ مانوس: جان پہچان والا ○ بے سروپا: سر اور پاؤں کے بغیر ○ دغا: دھوکا ○ **دھپ لگانا**: تھپڑ مارنا ○ ترمرے: ٹی وی خراب ہونے یا نشریات رکنے پر سکرین پر نمودار ہونے والے باریک دھبے ○ ازدواجی رُخ: گھریلو رُخ گھریلو پہلو ○ گرہستن: سلیقہ مند، سگھڑ ○ مدارج: درجے ○ ہمہ گوں: ہر رنگ کی ○ چاشنی: مٹھاس ○ چسکا: مزہ ○ فیڈرل: وفاقی ○ سکالر: دانشور ○ ٹھاٹ: عیش ○ معیاد: مدت، دورانیہ ○ ریسرچ: تحقیق ○ گمن: خوش، محو ○ غپ اُڑانا: گپیں ہانکنا

صفحہ نمبر 73 : ○ ارضی: زمینی ○ رقابت: دشمنی، مقابلہ ○ ایمان شکن: بے ایمان کر دینے والا ○ گارڈینیا: باڑھ کے طور پر لگایا جانے والا جھاڑی دار پودا ○ متنوع: مختلف اقسام کے ○ نڈھال: تھکا ہوا ○ دیدہ زیب: آنکھوں کو بھلا لگنے والا ○ گل آویزاں روشیں: پھولوں سے بھرے راستے ○ دل پذیر عنصر: پسندیدہ رخ، دل میں جگہ بنانے والا پہلو ○ بین الاقوامی طلبا: مختلف اقوام سے تعلق رکھنے والا طلبا ○ جویندگان علم: علم کی تلاش کرنے والے ○ تنوع: رنگارنگی

سبق کا خلاصہ

دُنیا کے حسین سفر ہمیشہ مجھے پسند رہے ہیں۔ ٹوکیو تا ہونولولو سفر کا ہیبت ناک نقشہ کھینچتے ہوئے مجھے ایک خاتون نے بہت ڈرایا مگر میرے شوہر تین ماہ پہلے جا چکے تھے لہٰذا میرا جانا ضروری تھا اپنی مہارت استعمال کرتے ہوئے گھر سمیٹا اور گیراج میں بند کیا۔ چھوٹی بیٹی کو ساتھ لیا۔ کراچی سے بی، او، اے سی کا ٹکٹ بک کرایا جو چوبیس گھنٹے سے کم لیٹ ہونے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے لیکن میں اس کی آرام دہ نشستوں اور خوش اخلاق عملے کی وجہ سے اسے ترجیح دیتی ہوں۔ پہلا پڑاؤ کلکتہ تھا جو میری جائے پیدائش ہے۔ میں ایک برس کی عمر میں وہاں سے لائی گئی تھی۔ میں کلکتہ دیکھنا چاہتی تھی مگر ائیر پورٹ سے پولیس سٹیشن تک کسٹم اور پولیس نے جو سلوک کیا اس کے بعد دُعا کرتی ہوں کہ خدا کسی شریف انسان کو کلکتہ نہ لے جائے۔ غالب نے کلکتے میں کچھ دیکھا تو وہ ہندوستانی کسٹم اور پولیس سے پہلے دیکھا ہوگا۔ ہم نے جان چھڑائی اور ہانگ کانگ پہنچے، پھر ٹوکیو کے لیے روانہ ہوئے۔ پین ایم کا پرانا کھٹارا جہاز چار گھنٹے لرزتا رہا۔ ہم سفر جاپانی بولا یہ کچھ بھی نہیں۔ ٹوکیو تا ہوائی سفر میں جہاز ایسے اچھلے گا جیسے چھاج میں گیہوں۔ دو دن بعد اس سفر کا آغاز کرتے ہوئے ہم نے اللہ سے دُعا مانگی کہ عزت رکھ لے۔ سفر بخیریت گزر گیا ایسے خوشگوار چھ گھنٹے میں نے کبھی نہیں گزارے تھے۔

جہاز رات ساڑھے دس بجے ہونولولو اُترا میاں کو تار دیا تھا اُمید تھی کہ وہ ہوائی کی رسم کے مطابق پھولوں کے ہار لے کر ائیر پورٹ پہنچیں گے لیکن میاں ریاض الدین غائب تھے۔ وہ تین گھر بدل چکے تھے اور مجھے پتا بھی معلوم نہ تھا۔ ہوائی یونیورسٹی سے معلوم کیا۔ ہائی رائز ہوسٹل پہنچی مگر میاں نہ ملے غصہ بھی آیا اور پریشان

بھی ہوئی، اچانک ایک کار آئی۔ لڑکیاں اُتریں اور مجھے ہار پہنائے۔ پیچھے ایک اور کار سے ہوائی گیت گاتے نوجوان اور میاں ریاض الدین اُترے۔ لڑکیوں نے بتایا ہوائی کا وقت جاپان سے چوبیس گھنٹے پیچھے ہونے کی وجہ سے تاریخوں میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ میں نے ٹیکسی والے کا شکریہ ادا کیا اور خدا کا شکر کر کے گھر روانہ ہوئی۔

گھر کے ہر کونے میں منوں کوڑا، درازوں سے میلے موزے اور رومال، جیبوں سے تھیٹر اور سینما کی پرچیاں ملیں۔ برتن بغیر دھلے پڑے تھے۔ میاں نئے نکال کر استعمال کرتے جاتے تھے۔ انہی حالات کے باعث وہ اصرار کر رہے تھے کہ بتیاں مت جلاؤ، گھر صبح دیکھ لینا۔ رات کے دو بجے ہمسائے نے گرجدار آواز میں خاموشی کا حکم دیا۔ یہ ہمسایہ ہوائی کا ہیوی ویٹ چمپئن تھا۔ دو منٹ میں لڑکیاں لڑکے غائب ہو گئے اور ہم سو گئے۔

میں بیدار ہوئی تو میاں دفتر جا چکے تھے ناشتہ بنایا اور پہلی بار کھانا بھی خود تیار کیا۔ بیٹی سے مل کر گھر صاف کیا۔ لنچ ہوٹل میں کیا۔ کام کی تھکاوٹ کے باعث رات کو بھی کچھ نہ پکایا۔ شام کو جزیرے کی سیر پہ نکلے تو ڈھلتے سورج میں بحرالکاہل اور ہر طرف سبزے کے مناظر دیکھ کر لگا کہ جزیرے اودا ہو میں یہ بوڑھی کائنات پھر سے جوان ہو گئی ہے۔ یہ ساحل جنوبی یورپ کے ساحلوں سے زیادہ نیلا، چمکیلا اور خوبصورت ہے۔ کہیں سنگلاخ اور کہیں سرسبز کوہسار جزیرے کا حسن بڑھاتے ہیں اگلے دن آبی مخلوق کے لیے مشہور ہنوما بے پر پکنک منائی۔ یہاں پانی سب سے زیادہ شفاف ہے۔ قدرتی حسن میں انسان نے اپنی کاریگری سے اضافہ کیا ہے۔ اس شام ہم سپر مارکیٹ گئے جو امریکی سرمایہ داری اور طرزِ حیات کا نمونہ ہے۔ انارکلی اور مال روڈ کی ساری دکانوں کا سامان اس کی ایک لپیٹ میں آ سکتا ہے یہاں آ کر عورتوں کی آنکھیں اور بٹوے کھل جاتے ہیں ہر شے کی پچاس قسمیں اور ہر قسم چھت تک چنی ہوئی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ایشیا اور افریقہ کی بھوک اور قحط بھول جاتا ہے۔ میں نے بتیس ڈالر کی اشیائے خورد و نوش خریدیں جن سے کار بھر گئی۔

میری غیر موجودگی میں میاں نے سیکنڈ ہینڈ کار، ٹی وی، صوفہ، گراموفون، ٹیپ ریکارڈر اور ہلکی کرسیاں خریدی تھیں۔ 1857ء ماڈل کار چلتی تو دُنیا دیکھتی، رُکتی تو دُنیا شکر کرتی تھی۔ یہ کار صرف میاں ہی چلا سکتے تھے۔ اس پر ہزاروں میل میرکی۔ پرانا ٹی وی چلانے کے لیے اسے تھپڑ مارنے یا گرم کمبل ڈالنا پڑتا تھا۔

امریکی حکومت کے قائم کردہ ایسٹ ویسٹ سنٹر اور ہوائی یونیورسٹی میں ایک صحت مند رقابت ہے۔ یہاں بہترین پروفیسر اور دانشور لیکچر دینے کے لیے آتے ہیں۔ ایسٹ ویسٹ سنٹر میں کورس کے دوران میں سینئر سکالر کہلانیوالے شرکا بارہ سو ڈالر ماہانہ وظیفہ پاتے ہیں۔ یہاں باقاعدہ کلاسز نہیں ہوتیں بلکہ لوگ ریسرچ کرتے ہیں۔ کچھ کتابیں بھی لکھتے ہیں جو سنٹر شائع کرتا ہے۔ نمائشیں، فلم اور جشن ہوتے ہیں یہاں ایک انتہائی حسین جاپانی باغ ہے، جس میں پھول، سبزہ، رنگین مچھلیاں اور مختلف درخت ہیں۔ ایسٹ ویسٹ سنٹر کا حسین ترین پہلو یہ ہے کہ یہاں مختلف ممالک اور اقوام سے تعلق رکھنے والے طلبا یکجا ہوتے ہیں اور بین الاقوامی ہم آہنگی کے ماحول میں علمی تشنگی مٹاتے ہیں۔

مشقی سوالات

1۔ مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے۔

الف: ''نیچے بحرالکاہل ہوتا ہے اور اُوپر خدا، کہیں زمین کا ذرا سا ٹکڑا ڈھارس کے لیے دکھائی نہیں دیتا۔''

وضاحت: مصنفہ بیگم اختر ریاض الدین کو ٹوکیو سے بذریعہ ہوائی جہاز ہونولولو جانا تھا۔ ان کی دوستوں میں سے ایک محترمہ نے یہ کہہ کر اس سفر کا نقشہ کھینچا تھا کہ سارے سفر میں جہاز کے نیچے وسیع و عریض بحرالکاہل کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ طویل ہوائی سفر ایک خاتون کے لیے اچھا خاصا ہمت کا کام ہے۔ اس سفر کے دوران میں نیچے زمین، شہر، جنگلات اور بستیاں نظر آتی رہیں تو دل کو کچھ نہ کچھ حوصلہ رہتا ہے لیکن اگر ہزاروں فٹ بلندی پر سفر کرتے ہوئے انسان کو نیچے سمندر کے سوا کچھ دکھائی نہ دے تو انسان خوفزدہ ہو ہی جاتا ہے۔ مٹی سے بنا ہوا انسان مٹی سے دُور ہو کر بے قراری محسوس کرتا ہے۔

ب: ''اگر 26 کو جانا ہو تو 25 کی سیٹ بک کراؤ کیونکہ وہ چودہ سو چالیس منٹ سے کم لیٹ ہونا کسر شان سمجھتی ہے۔''

وضاحت: بیگم اختر ریاض الدین نے برٹش اوورسیز ایئرویز کارپوریشن کی کارکردگی کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ اس ہوائی کمپنی کی پروازیں کم از کم چوبیس گھنٹے لیٹ ہوتی ہیں۔ اس لیے کسی مسافر کو 26 تاریخ کو کہیں پہنچنا ہو تو اسے چاہیے کہ 25 تاریخ کی پرواز میں سیٹ بک کرائے تاکہ چوبیس گھنٹے لیٹ ہونے کے بعد بھی مقررہ تاریخ کو منزلِ مقصود پر پہنچ سکے۔

ج: ''خدا کسی شریف انسان کو کلکتے نہ لے جائے۔ اگر مرزا غالب نے اس میں کچھ دیکھا تو ہندوستانی کسٹم آفیسر اور بنیا پولیس سے پہلے دیکھا ہوگا۔''

وضاحت: مرزا غالب سفر کلکتہ کو اپنی زندگی کا یادگار سفر سمجھتے تھے۔ ان کا شعر ہے:

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے! ہائے!

مصنفہ لکھتی ہیں کہ مرزا غالب کلکتہ پر فدا ہوئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور کا کلکتہ ہندوستانی کسٹم آفیسروں اور پولیس سے پاک تھا۔ آج کل کلکتہ جانے والوں کو ان کسٹم آفیسرز کی زیادتیوں اور پولیس کی ستم ظریفیوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اسی لیے اب کلکتہ جانا شرفا کے لیے ایک تکلیف دہ تجربہ بن چکا ہے۔

د: ''جب ٹوکیو سے ہوائی جاؤ گی تو ہوائی جہاز ایسے اچھلے گا جیسے چھاج میں گیہوں۔''

وضاحت: بیگم اختر ریاض الدین لکھتی ہیں کہ ہانگ کانگ سے ٹوکیو کے سفر کے دوران میں جہاز چار گھنٹے تک خود لرزتا اور مسافروں کو لرزاتا رہا۔ ان حالات میں ایک جاپانی ہمسفر نے مصنفہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ ٹوکیو سے ہوائی جاؤ گی تو جہاز ایسے اُچھلے گا جیسے چھاج میں گیہوں۔ اس تسلی میں تنبیہ کا پہلو بھی تھا کہ جہاز کے لرزنے سے خوفزدہ ہونے کے بجائے خود کو اس سے زیادہ خطرناک ہوائی سفر کے لیے ذہنی طور پر تیار کرو۔

ہ: ''سارا سفر آسمانوں میں ریشم کی طرح سرسر کرتا گزر گیا۔''

وضاحت: مصنفہ نے ٹوکیوتا ہونولولو سفر بخیر و عافیت گزرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ انھیں اس سفر سے بہت ڈرایا گیا تھا۔ ایک صاحبہ نے کہا تھا کہ اس سفر میں نیچے بحرالکاہل اور اُوپر خدا ہوتا ہے۔ زمین بالکل دکھائی نہیں دیتی جبکہ ایک جاپانی نے بتایا تھا کہ ٹوکیوتا ہونولولو سفر میں جہاز ایسے اُچھلتا ہے جیسے چھاج میں گیہوں۔ آغازِ سفر میں مصنفہ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی کہ سفر بخیریت مکمل ہو جائے۔ وہ لکھتی ہیں کہ میری دُعا قبول ہوئی اور سارا سفر آسمانوں میں ریشم کی طرح سرسر کرتا گزر گیا۔

و: ''ڈھلتے سورج میں بحرالکاہل کروٹیں لے رہا تھا اور چاروں طرف زمرد کی آمریت مستحکم ہو چکی تھی۔''

وضاحت: مصنفہ نے جزیرہ ہوائی کے قدرتی حسن کی حسین تر قلمی تصویر دکھائی ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ غروبِ آفتاب کے وقت سمندر کی لہروں کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ سمندر بس سونے ہی والا ہے اور کروٹیں بدل رہا ہے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ مصنفہ نے سبزے کی اس فراوانی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ چاروں طرف زمرد کی آمریت مستحکم ہو چکی تھی۔

ز: ''سپر مارکیٹ امریکن سرمایہ داری کا مکمل مظاہرہ اور امریکن طرزِ حیات کا بنیادی قلعہ اور اس کی لامحدود افراط کا ذخار ہے۔''

وضاحت: مصنفہ نے لکھا ہے کہ سپر مارکیٹ دس بازاروں کا مہا گرو ہے۔ انارکلی اور مال روڈ کی ساری دُکانوں کا سامان اس کی ایک لپیٹ میں آ جائے۔ ہر شے کی پچاس اقسام موجود ہیں اور ہر قسم چھت تک چنی ہوئی ہے۔ جگہ جگہ ''سیل'' کے بورڈ لگے ہیں۔ نقد نہیں تو اُدھار لے لیجیے۔ یہاں آ کر عورتوں کی آنکھیں اور بٹوے کھل جاتے ہیں۔ انسان وہ چیزیں بھی خرید لیتا ہے جن کی ضرورت نہیں ہوتی۔ امریکی سرمایہ داری نظام اور طرزِ حیات کی بنیاد ہی سوچ سے غریب اور متوسط طبقے کا معاشی استحصال کر کے چند دولت مندوں کی تجوریاں مزید بھری جائیں۔ اس مقصد کے لیے تشہیر کا حربہ اختیار کیا گیا ہے۔ سپر مارکیٹ میں اشیا کی فراوانی کا مقصد یہی ہے کہ یہاں آنے والا جیب خالی کیے بغیر جانے نہ پائے اور اسے کچھ نہ کچھ خریدنا ہی پڑے۔

2: درج ذیل محاورات اور ضرب الامثال کو جملوں میں استعمال کیجیے:

اوکھلی میں سر دیا تو دھمکوں سے کیا ڈرنا' دھکے کھانا' انا للہ پڑھنا' خاک چھاننا' بلی کی طرح گھر بدلنا' شیطان کی آنت ہونا' پیٹ میں ہول اُٹھنا' ٹھیکی لگانا' آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہونا' پھول نچھاور کرنا۔

محاورات/ضرب الامثال	جملے
اوکھلی میں سر دیا تو دھمکوں سے کیا ڈرنا	جب تم نے یہ مہم سر کرنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو گھبراؤ مت۔ مشکل تو پیش آئے گی مگر اوکھلی میں سر دیا تو دھمکوں سے کیا ڈرنا۔
دھکے کھانا	صرف تم ہی نہیں' آج کل بے شمار اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ملازمت کے لیے دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔

انا للہ پڑھنا	دھماکے کی آواز سُن کر میں نے انا للہ پڑھا۔
خاک چھاننا	مسلمانوں نے حصولِ علم کے لیے ملک ملک کی خاک چھانی۔
بلی کی طرح گھر بدلنا	جب سے لاہور آیا ہوں بلی کی طرح گھر بدلتا پھر رہا ہوں۔
شیطان کی آنت ہونا	بھئی! تمہاری کہانی تو شیطان کی آنت ہوگئی ہے ختم ہی نہیں ہوتی۔
پیٹ میں ہول اُٹھنا	انٹرویو دینے والے اُمیدوار کے پیٹ میں ہول اُٹھ رہے تھے۔
ٹھیکی لگانا	کراچی جاتے ہوئے ہم نے بہاولپور میں ٹھیکی لگائی۔
آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہونا	جب خود کما کر گھر کا خرچ چلانا پڑے گا تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔
پھول نچھاور کرنا	برات پہنچی تو لڑکیاں دُولہا پر پھول نچھاور کرنے لگیں۔

3: ''سفرنامہ کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کو معلومات اور تفصیل مہیا کرے اس طرح کہ پورا ماحول سمجھ میں آجائے۔'' آپ نے اپنے ملک میں یا ملک سے باہر کسی جگہ کا سفر کیا ہو تو اس کا حال اپنے لفظوں میں لکھیے:

جواب: دیکھیے حصہ مضامین (ایک تفریحی سفر)

4: درج ذیل مصادر کو امدادی افعال کے طور پر اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

دینا، چکنا، آنا، جانا، اُٹھنا، رہنا، ہونا، کرنا، لینا، چاہنا، رکھنا۔

مصادر	امدادی افعال کے طور پر جملوں میں استعمال
دینا	بچے نے سارا سبق فرفر سنا دیا تو ماں کا دِل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔
چکنا	میں تو اپنا سارا کام ختم کر چکا ہوں۔
آنا	اتنی تعلیم حاصل کر کے بھی اسے بات کرنی نہیں آئی۔
جانا	اگر مجھے پتا چل جاتا تو میں فوراً آپ کی مدد کے لیے پہنچ جاتا۔
اُٹھنا	وہ اس کی اچانک آمد کی خبر پر چونک اُٹھا۔
رہنا	باپ بہت سمجھاتا رہا مگر بیٹے کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی۔
ہونا	تم نے اکبر اعظم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ تو کیا ہوگا۔
کرنا	صبح جلدی اُٹھا کرو اور دِن کا آغاز نماز سے کیا کرو۔
لینا	اس نے میری سب باتیں سن لیں مگر ان پر عمل نہ کیا۔
چاہنا	پروگرام بس شروع ہوا ہی چاہتا ہے۔
رکھنا	میں نے جمیل کی آمد کی خبر سن رکھی تھی۔

5: درج ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب کی مدد سے واضح کیجیے؟

الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب
الامان	اَلْاَمَانُ	مراجعت	مُرَاجَعَتْ
شیرخوار	شِیْرخَوارُ	ذخار	ذَخَّار
اختراع	اِخْتِرَاعُ	توسل	تَوَسُّلْ
تنوع	تَنَوُّعُ	واللہ اعلم	وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

آپ بیتی

☆اپنی ذاتی سرگزشت یا ذاتی احوال وواردات کا تحریری بیان آپ بیتی یا خودنوشت کہلاتا ہے۔ انگریزی میں اسے آٹوبائیوگرافی کہتے ہیں۔

کسی جاندار چیز کی آپ بیتی ہو یا کسی بے جان شے کی اس کے اہم اصول یہ ہیں:

الف: آپ بیتی میں واحد متکلم کا صیغہ (میں) استعمال کیا جاتا ہے۔

ب: آپ بیتی لکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مشاہدہ اور مطالعہ بڑا گہرا ہو اور فرضی واقعات اور نقل پر بھی اصل کا گمان ہو۔

ج: واقعات اور حالات میں ایک منطقی ربط اور تسلسل ہو اور زبان روزمرہ گفتگو کے عین مطابق ہو۔

مندرجہ بالا باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اب آپ ایک دس روپے کے بوسیدہ نوٹ کی آپ بیتی لکھیے۔

جواب: دیکھیے حصہ آپ بیتی۔

6: بیگم اختر ریاض الدین کا مشہور سفرنامہ ''سات سمندر پار'' اپنے کالج کی لائبریری سے لے کر پڑھیے۔

جواب: طالب علم خود کوشش کریں۔

☆اقتباسات کی سیاق وسباق کے حوالے سے تشریح

اقتباس 1: ''جزیرہ ہوائی کی یہ ایک رسم دیرینہ ہے کہ ہر آنے والے کا پھولوں کے حسین گجروں سے استقبال کیا جاتا ہے، اس لیے ارمان تھا کہ کم از کم میاں تو پھول نچھاور کرنے پہنچ جائیں گے لیکن میاں ریاض الدین صاحب حسبِ معمول غائب، رات کا وقت، مجھے ان کا پتا بھی نہیں معلوم۔ جناب بلی کی طرح تین گھر تبدیل کر چکے تھے۔ ہوائی کی یونیورسٹی میں فون کیا تو انھوں نے کہا، ایسٹ ویسٹ سنٹر سے پوچھو۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 68)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : ہوائی

مصنفہ کا نام : بیگم اختر ریاض الدین

سیاق وسباق: مصنفہ نے ''ہوائی'' کے سفر کی داستان بہت دلکش انداز میں تحریر کی ہے۔ سفر کے آغاز میں انھوں

نے اپنی جائے پیدائش کلکتہ بھی دیکھا۔ وہ ہانگ کانگ اور ٹوکیو سے ہوتی ہوئی ہونولولو پہنچیں، جہاں ان کے شوہر ریاض الدین مقیم تھے۔ ہوائی میں قیام کے دوران میں انھوں نے ان جزائر کے قدرتی حسن اور دل فریبی کا جی بھر کے مشاہدہ کیا۔ وہ سپر مارکیٹ بھی گئیں جو امریکی سرمایہ داری نظام کا نمونہ ہے اور ایسٹ ویسٹ سنٹر اور ہوائی یونیورسٹی بھی دیکھی جو امریکہ اور مغرب کی علم دوستی کی مثالیں ہیں۔ مصنفہ ہوائی پہنچیں تو ان کے شوہر استقبال کے لیے ایئرپورٹ نہ آئے جس کے باعث مصنفہ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

تشریح: مصنفہ بیگم اختر ریاض الدین نے اپنے شوہر کو بذریعہ تار اپنے ہونولولو پہنچنے کی تاریخ سے مطلع کر دیا تھا۔ وہ تین ماہ بعد اپنے شوہر سے ملنے ہوائی پہنچی تھیں اور انھیں اُمید تھی کہ میاں ریاض الدین ان کا استقبال کرنے کے لیے ایئرپورٹ پر موجود ہوں گے۔ بیگم اختر کو ہوائی کے اس دیرینہ رواج کے متعلق بھی معلوم تھا کہ وہاں ہر مہمان کا استقبال پھولوں کے خوبصورت اور خوشبو بھرے گجروں سے کیا جاتا ہے۔

انھیں توقع تھی کہ اور کوئی نہ سہی، کم از کم ان کے شوہر تو پھول نچھاور کرنے کے لیے پہنچ ہی جائیں گے لیکن اس وقت انھیں سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب ہونولولو ایئرپورٹ پہنچنے پر انھوں نے میاں ریاض الدین کو غیر حاضر پایا۔ رات کا وقت تھا اور بیگم اختر کو اپنے شوہر کی رہائش گاہ کا پتا بھی معلوم نہ تھا۔ دراصل ریاض الدین خوش باش اور بے فکر طبیعت کے مالک تھے اور ہوائی پہنچنے کے بعد تین گھر تبدیل کر چکے تھے۔ ان کا پتا معلوم کرنے کے لیے بیگم اختر نے ہوائی یونیورسٹی فون کیا تو جواب ملا کہ ایسٹ ویسٹ سنٹر سے پوچھیں۔ اس طرح ہوائی کی زمین پر قدم رکھتے ہی بیگم اختر کو غیر متوقع صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا۔

اقتباس 2: ''سپر مارکیٹ ایسی شیطان کی آنت ہے کہ دل چاہتا ہے کہ خود ٹرالی میں لٹک جائیں۔ اس ادارے کی افراط دیکھ کر انسان ایشیا، افریقہ کی بھوک اور قحط بھول جاتا ہے۔ اس جگہ بلا ارادہ اور بلا ضرورت خریداری کرنی پڑتی ہے۔ ہر شے کی پچاس قسمیں اور ہر قسم چھت تک چنی ہوئی۔ ہر دوسرے قدم میں سیل لکھا ہوا۔ اگر نقد نہیں تو اُدھار لیجیے۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 71)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : ہوائی

مصنفہ کا نام : بیگم اختر ریاض الدین

سیاق و سباق: مصنفہ نے ہوائی کی سیاحت کا احوال خوبصورت لہجے میں بیان کیا ہے۔ کلکتہ، ہانگ کانگ اور ٹوکیو سے ہونولولو تک ہوائی سفر کی جزئیات خاصی دلچسپ ہیں۔ مصنفہ ہونولولو ایئرپورٹ پہنچیں تو ان کے شوہر استقبال کے لیے موجود نہ تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ تار کا مضمون سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی تھی۔ ہوائی میں قیام کے دوران میں مصنفہ نے جزائر کے بے مثال حسن کا مشاہدہ بھی کیا اور ایسٹ ویسٹ سنٹر اور ہوائی یونیورسٹی جیسے تعلیمی اور تحقیقی اداروں کا ماحول بھی دیکھا۔ ایک شام وہ سپر مارکیٹ گئیں جو امریکی سرمایہ داری اور طرزِ حیات کا مظہر ہے۔ ہمارے ہاں کے دس مکمل بازار اس ایک مارکیٹ میں سما سکتے ہیں۔ سپر مارکیٹ پہنچ کر خواتین کی

آنکھیں اور بٹوے کھل جاتے ہیں اور سامان کی بہتات انھیں وہ چیزیں خریدنے پر بھی مجبور کر دیتی ہے جن کی ضرورت نہیں ہوتی۔

تشریح: ہوائی کی سپر مارکیٹ امریکی نظام معیشت کے بنیادی اور مرکزی نکتہ یعنی کسی بھی قیمت پر زر اندوزی اور نفع کمانے کی آئینہ دار تھی۔ امریکہ سرمایہ داری نظام کا علمبردار ہے اور چاہتا ہے کہ ساری دُنیا اس کی تقلید میں فری مارکیٹ اکانومی کے اصول کو اپنا لے جو بظاہر ایک خوش نما نعرہ لیکن درحقیقت اخلاقیات کی جڑ کاٹنے والا بیہودہ تصور ہے۔ سرمایہ داری نظام میں روپیہ ہی اصل قدر ہے اور اس کے حصول کے لیے رُوحانی اور دینی اقدار کو پامال کرنا بالکل جائز تصور کیا جاتا ہے۔ یہ سسٹم امیر کو امیر تر کرتا اور غریب سے روکھی سوکھی بھی چھین لیتا ہے۔ سپر مارکیٹ کے تصور نے چھوٹے کاروباری طبقے کو ختم کر کے رکھ دیا۔ یہ مارکیٹ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ ہمارے شہروں کے دس بڑے اور مرکزی بازار اس کی ایک پیٹ میں آ سکتے ہیں گویا سپر مارکیٹ کے تصور نے وہ منافع جسے ہزاروں تاجروں میں تقسیم ہونا تھا، ایک ہی سرمایہ دار کی تجوری میں پہنچا دیا ہے۔ سپر مارکیٹ میں سامان کی فراوانی دیکھ کر ایشیا اور افریقہ کی بھوک اور قحط سالی بھول جاتی ہے۔ مارکیٹ میں شاپنگ کرتے کرتے انسان تھک جاتا ہے اور اس کا جی چاہتا ہے کہ وہ خود بھی اشیائے صرف رکھنے والی اس ٹرالی میں لیٹ جائے جسے وہ اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا لا رہا ہے۔ یہاں آ کر آدمی وہ چیزیں بھی خرید لیتا ہے جنھیں خریدنے کی کوئی ضرورت یا ارادہ نہیں ہوتا۔ ہر شے کی پچاس قسمیں موجود ہیں۔ جگہ جگہ ''سیل'' یعنی سستے سامان کی فراہمی کی دعوت تحریر کر دی گئی ہے۔ نقدی سے محروم لوگوں کے لیے یہ سہولت بھی موجود ہے کہ وہ ادھار خرید لیں یعنی سامان قسطوں پر لے جائیں اس پیشکش کے پس منظر میں بھی سرمایہ داری نظام کا یہ کریہہ حربہ کارفرما ہے کہ قسطوں پر سامان خریدنے والے سے اصل قیمت سے ڈیڑھ دوگنا قیمت وصول کی جاتی ہے۔

مزید معروضی سوالات

س: مصنفہ کو ٹوکیو سے ہونولولو تک سفر کے متعلق کیا بتایا گیا تھا؟

ج: مصنفہ کو ایک صاحب نے ڈرایا تھا کہ ٹوکیو سے ہونولولو تک نیچے بحرالکاہل ہوتا ہے اور اُوپر خدا، کہیں زمین کا ذرا سا ٹکڑا بھی ڈھارس کے لیے دکھائی نہیں دیتا۔ طوفان آ جائے تو پھر الامان!

س: مصنفہ نے کلکتہ کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟

ج: کلکتہ مصنفہ کی جائے پیدائش ہے لیکن ایئرپورٹ سے پولیس اسٹیشن تک انہیں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ لکھتی ہیں کہ خدا کسی شریف انسان کو کلکتہ نہ لے جائے۔ اگر مرزا غالب نے اس میں کچھ دیکھا تو ہندوستانی کسٹم آفیسر اور بنیا پولیس سے پہلے دیکھا ہوگا۔

س: پین ایم جہاز کے لرزنے پر جاپانی تاجر نے مصنفہ سے کیا کہا؟

ج: جاپانی تاجر نے مصنفہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ ٹوکیو سے ہوائی جاؤ گی تو جہاز ایسے اُچھلے گا

جیسے چھاج میں گیہوں۔

س: مصنفہ کے میاں ان کا استقبال کرنے کے لیے ہوائی ایئرپورٹ کیوں نہ پہنچ سکے؟

ج: تار پڑھنے میں غلط فہمی ہوگئی۔ ہوائی کا وقت جاپان کے وقت سے چوبیس گھنٹے پیچھے ہے۔ اس لیے اکثر تاریخوں میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔

س: مصنفہ نے جزیرے کا نقشہ کن الفاظ میں کھینچا ہے؟

ج: چاروں طرف زمرد کی آمریت تھی یعنی سبزہ ہی سبزہ تھا۔ جزیرے اوواہو میں کہنہ مشق کائنات از سرنو شباب پر آئی ہے۔ اس کے ننھے منے رقبے میں فطرت کا ہر رنگ ہر انگ پایا جاتا ہے۔ یہ وجدانی حسن میں ڈوبا ساحل ہے۔ جنوبی یورپ کے آبی کناروں سے زیادہ نیلا اور چمکیلا ہے۔

س: مصنفہ نے سپر مارکیٹ کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟

ج: سپر مارکیٹ امریکی سرمایہ داری نظام کی مظہر ہے۔ یہ دس بازاروں کا مہا گرو ہے۔ انارکلی اور مال روڈ کی ساری دکانوں کا سامان اس کی ایک لپیٹ میں سما جائے' ہر شے کی پچاس قسمیں اور ہر قسم چھت تک چنی ہوئی ہے۔ اس جگہ بلا ارادہ اور بلا ضرورت خریداری کرنی پڑتی ہے۔

س: مصنفہ کے میاں نے کیا خریداری کر رکھی تھی؟

ج: مصنفہ کی غیر موجودگی میں ان کے میاں نے گھر کا کچھ سامان مثلاً سیکنڈ ہینڈ کار' ٹیلی ویژن' صوفہ' گراموفون' ٹیپ ریکارڈر اور باغ کی ہلکی کرسیاں خریدی تھیں۔

س: مصنفہ کے میاں نے جو کار خریدی وہ کیسی تھی؟

ج: کار 1857ء کا ماڈل تھی' جب چلتی تو دنیا دیکھتی اور رکتی تو دنیا شکر ادا کرتی تھی۔ اس کے پراسرار پٹاخے نہ معلوم کہاں سے چھوٹتے تھے۔

س: پرانا ٹیلی ویژن کیسا تھا اور اسے چلانے کا کیا طریقہ تھا؟

ج: پرانا ٹیلی ویژن کچھ ایسا برا نہ تھا۔ دو دھپ لگاؤ یا گرم کمبل ڈالو تو اس کے کالے سفید ترمرے ناچنے بند ہو جاتے تھے۔ پھر گھنٹوں صحیح چلتا تھا البتہ چینل بدلنے پر خراب ہو جاتا تھا اور پھر تھپڑوں سے چلتا تھا۔

س: ہوائی کی یونیورسٹی میں کن ممالک اور خطوں کے طلبا زیر تعلیم تھے؟

ج: ہوائی کی یونیورسٹی میں جنوبی بحرالکاہل' جاپان' انڈونیشیا' برما' ملایا' فلپائن' کوریا' ویتنام' فجی کے جزائر' آسٹریلیا' پاکستان' ہندوستان' یورپ اور امریکا کے طلبا زیر تعلیم تھے۔

س: سبق 'ہوائی' کس کی تحریر ہے؟

ج: سبق 'ہوائی' بیگم اختر ریاض الدین' کی تحریر ہے۔

س: ٹوکیو سے ہونولولو تک کیا ہوتا ہے؟

ج: ان دونوں شہروں کے سفر میں نیچے بحرا کاہل ہوتا ہے۔

س: مصنفہ کے میاں کتنا عرصہ پہلے جا چکے تھے؟

ج: مصنفہ کے میاں تین مہینے پہلے جا چکے تھے۔

س: گھر سمیٹ کر کہاں بند کیا؟

ج: گھر سمیٹ کر گیراج میں بند کیا۔

س: سب سے چھوٹی بیٹی کالج کے کس سال میں تھی؟

ج: سب سے چھوٹی بیٹی کالج کے پہلے سال میں تھی۔

س: دونوں بڑی لڑکیوں کے کس چیز کے امتحان تھے؟

ج: دونوں بڑی لڑکیوں کے بی۔اے کے امتحانات تھے۔

س: بڑی دو لڑکیوں کو کب آنا تھا؟

ج: بڑی دو لڑکیوں کو اڑھائی مہینے بعد آنا تھا۔

س: مصنفہ نے کہاں پہنچ کر بی،او،اے سی کا ٹکٹ بک کروایا؟

ج: مصنفہ نے کراچی پہنچ کر بی،او،اے سی کا ٹکٹ بک کروایا۔

س: اس غریب ایئر لائن سے جانے کے لیے کتنے گھنٹے کی گنجائش رکھنی چاہیے؟

ج: مصنفہ کے خیال میں اس ایئر لائن سے جانے کے لیے 24 گھنٹے کی گنجائش رکھنی چاہیے۔

س: اگر 26 کو جانا ہو تو سیٹ کب بک کرانی چاہیے؟

ج: چونکہ 24 گھنٹے کی گنجائش رکھنی ہے، اس لیے ایک دن پہلے یعنی 25 کی سیٹ بک کرانی چاہیے۔

س: یہ لائن کتنے منٹ سے کم لیٹ ہونا کسرِ شان سمجھتی ہے؟

ج: یہ لائن چودہ سو چالیس منٹ سے کم لیٹ ہونا کسرِ شان سمجھتی ہے۔

س: کلکتہ سے مصنفہ کہاں روانہ ہوئیں؟

ج: کلکتہ سے مصنفہ ہانگ کانگ روانہ ہوئیں۔

س: ہانگ کانگ سے تازہ دم ہو کر کہاں روانہ ہوئے؟

ج: ہانگ کانگ سے تازہ دم ہو کر ٹوکیو روانہ ہوئے۔

س: مصنفہ ٹوکیو میں کتنے دن ٹھہریں؟

ج: مصنفہ ٹوکیو میں دو دن کے لیے ٹھہریں۔

س: ہوائی کے دارالسلطنت کا نام کیا ہے؟

ج: ہوائی کے دارالسلطنت کا نام ہونولولو ہے۔

س: جہاز ہونولولو میں کتنے بجے اُترا؟

ج: جہاز ہونولولو میں ساڑھے دس بجے اُترا۔

س: جزیرہ ہوائی کی دیرینہ رسم کیا ہے؟

ج: جزیرہ ہوائی کی دیرینہ رسم یہ ہے کہ ہر آنے والے کا پھولوں کے حسین گجروں سے استقبال کیا جاتا ہے۔

س: بیگم اختر ریاض الدین کے شوہر کتنے گھر بدل چکے تھے؟

ج: جناب بلی کی طرح تین گھر تبدیل کر چکے تھے۔

س: میاں کی سہیلیوں نے کیا سمجھایا؟

ج: میاں کی سہیلیوں نے سمجھایا کہ تار پڑھنے میں غلط فہمی ہوگئی تھی۔

س: ہوائی کا وقت جاپان کے وقت سے کتنے گھنٹے پیچھے ہے؟

ج: ہوائی کا وقت جاپان کے وقت سے 24 گھنٹے پیچھے ہے۔

س: رات کو کتنے بجے تک اودھم مچتا رہا؟

ج: رات کو دو بجے تک اودھم مچتا رہا۔

س: پینٹری میں کتنے دن سے برتن بغیر دُھلے پڑے تھے؟

ج: پینٹری میں پانچ دن سے برتن بغیر دُھلے پڑے تھے۔

س: ہارڈ بائلڈ ہیگرٹی کون تھا؟

ج: ہارڈ بائلڈ ہیگرٹی ہوائی کا مشہور پہلوان اور ہیوی ویٹ چمپئن تھا۔

س: مصنفہ کی جس بیٹی نے اس کے ساتھ سارا دِن گھر کی صفائی کی اس کا نام کیا تھا؟

ج: مصنفہ کی بیٹی کا نام ناز تھا۔

س: اگلے دن انہوں نے کہاں پکنک منائی؟

ج: اگلے دن انہوں نے ہنوما بے پر پکنک منائی۔

س: ہنوما بے کس لیے مشہور تھا؟

ج: یہ ساحل آبی مخلوق کے لیے مشہور تھا۔

س: یہ سپر مارکیٹ کتنے بازاروں کا مہا گرو ہے؟

ج: مصنفہ کے خیال میں یہ سپر مارکیٹ دس بازاروں کا مہا گرو ہے۔

س: مصنفہ نے پہلے ہلے میں کتنے ڈالر کی کھانے پینے کی چیزیں لیں؟

ج: مصنفہ نے پہلے ہلے میں 32 ڈالر کی چیزیں خریدیں۔

س: کار کس ماڈل کی تھی؟

ج: کار شاید اتنی پرانی نہ ہو لیکن مصنفہ طنزیہ انداز میں بتاتی ہیں کہ وہ 1857ء ماڈل کی تھی۔

س: امریکا کی فیڈرل حکومت نے ہوائی میں جو عظیم الشان مرکز کھولا ہے اس کا نام بتائیں؟

ج: امریکا کی فیڈرل حکومت کے اس مرکز کا نام ایسٹ ویسٹ سنٹر ہے۔

س: سینئر سکالرز کتنے ڈالر وظیفہ ہر مہینے پاتے ہیں؟

ج: سینئر سکالرز بارہ سو ڈالر وظیفہ ہر مہینے پاتے ہیں۔

س: کورس کی میعاد کتنی ہوتی ہے؟

ج: اس کورس کی میعاد دس مہینے یا ایک سال ہوتی ہے۔

س: اس مغرب و مشرق کے مرکز کی کیا چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے؟

ج: مغرب و مشرق کے مرکز کے جاپانی باغ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

س: گارڈینیا کہاں کا پھول ہے؟

ج: گارڈینیا جزائر ٹہیٹی کا مشہور پھول ہے۔

س: ایسٹ ویسٹ سنٹر کی فضا میں پایا جانے والا سب سے دل پذیر عنصر کون سا ہے؟

ج: اس مرکز میں بین الاقوامی طلبہ کا ربط ضبط بہت دلپذیر ہوتا ہے۔

س: سبق ہوائی ادب کی کونسی 'صنف' سے تعلق رکھتا ہے؟

ج: یہ سفرنامہ ہے۔

ooo

9۔ مولانا ظفر علی خاں — چراغ حسن حسرت

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 76 : ○ **جمیندار:** زمیندار ○ **بال پریشان تھے:** بال بکھرے ہوئے تھے ○ **گدیلے:** گدے والے ○ **پانوں کی جگالی کرنا:** پان کو مسلسل چبانا ○ **نیم باز:** اَدھ کھلی ○ **گلوری:** لپٹا ہوا پان ○ **کلے میں:** جبڑے کے اندر ○ **مطب:** حکیم کی دُکان، ○ **اہل وعیال:** بیوی بچے ○ **کولمبس:** مشہور سیاح جس نے امریکہ دریافت کیا تھا ○ **مقالہ افتتاحیہ:** ابتدائی مقالہ ○ **فکاہات:** لطیفے، مزاحیہ تحریر ○ **برہم ہوگئی:** ختم ہوگئی، اُجڑ گئی

صفحہ نمبر 77 : ○ **قبہ شکم:** پیٹ کا گنبد، موٹا پیٹ ○ **گنبد فلک:** آسمان کا گنبد ○ **ہمسری:** برابری ○ **گرانڈیل توند:** بہت بڑھا ہوا پیٹ ○ **عمامہ:** پگڑی ○ **راؤنڈ ٹیبل کانفرنس:** گول میز کانفرنس اس سلسلے کی تین کانفرنسیں ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۱ء، اور ۱۹۳۲ء میں لندن میں منعقد ہوئیں ○ **سائمن کمیشن:** برطانوی حکومت کا نمائندہ وفد جس نے ۱۹۲۷ء میں ہندوستان کا دورہ کیا تھا ○ **حکایت:** کہانی ○ **چنداں:** اس قدر، تھوڑا سا ○ **کھینچا تانی:** اختلاف، بحث ○ **برکن ہیڈ:** مشہور برطانوی سیاستدان ○ **بالڈون:** برطانیہ کا سابق وزیراعظم ○ **پنڈ چھوڑا:** پیچھا چھوڑا ○ **زمیندار:** مولانا ظفر علی خاں کے اخبار کا نام، اس اخبار نے تحریکِ آزادی میں مسلم لیگ کے ترجمان کے طور پر اہم کردار ادا کیا ○ **شانہ:** کندھا ○ **ماجرا:** کہانی ○ **صبح کاذب:** صبح کی ابتدائی ہلکی روشنی

صفحہ نمبر 78 : ○ **شرف رفاقت:** دوستی کا اعزاز ○ **نہ جائیو:** مت جانا ○ **نڈھال:** تھکا ہوا ○ **ڈنٹر پیلنا:** ایک ورزش جس میں بازوؤں کے زور پر جسم کو زمین سے اٹھایا جاتا ہے ○ **آنکھوں تلے موت کا نقشہ پھر گیا:** موت سامنے نظر آنے لگی، بہت زیادہ خوف محسوس ہوا ○ **مضمحل:** کمزور ○ **قولنج:** اپنڈکس، بڑی آنت کا درد، ○ **تدبیر کارگر ہوئی:** حربے نے کام کر دکھایا ○ **تہیہ:** پختہ ارادہ ○ **مگدر:** وہ بھاری لکڑی جو ورزش کے لیے ہاتھ سے اُٹھاتے ہیں ○ **برق ہیں:** ماہر ہیں ○ **پیراکی:** تیرنا ○ **طبیعت لہرائی:** طبیعت مچل گئی، جوش آ گیا ○ **تحسین و آفرین:** شاباش اور تعریف، واہ واہ ○ **غلغلہ:** شور، دھوم ○ **صیغہ:** محکمہ ○ **افسر الملک:** ریاست حیدرآباد (دکن) کی فوج کا ایک عہدہ

صفحہ نمبر 79 : ○ **اشعار کی بندش:** شعروں کی بنت ○ **بحیرۂ قلزم، لندن کی ایک صبح، رامائن کا ایک سین:** مولانا ظفر علی خاں کی مشہور نظموں کے عنوانات ○ **قلب:** دِل ○ **لطیف:** نازک، پاکیزہ ○ **شعر خوانی:** شعر پڑھنا، ○ **شاد:** مشہور شاعر شاد عظیم آبادی ○ **کئی دُور ہو گئے:** شراب کئی بار پی لی گئی ○ **سلیقہ:** قرینہ ○ **نگاہ مست ساقی:** شراب پلانے والے کی مست نگاہ ○ **مفلسی:** غربت ○ **اُوپر کا سانس اُوپر اور تلے کا تلے رہ گیا:** محاورہ ہے جس کا مطلب ہے شدید حیرت ہونا ○ **برسبیل تذکرہ:** باتوں باتوں میں، تذکرے کے طور پر

صفحہ نمبر 80 : ○ **خواجوئے وقت:** وقت کا عظیم شاعر ○ **زلف عنبر بار:** عنبر کی خوشبو بکھیرنے والی زلف

○ کژدم: بچھو ○ اژدر: اژدھا، بہت بڑا سانپ ○ **حکیم فقیر محمد صاحب چشتی**: لاہور کے مشہور طبیب ○ **مسہل**: وہ دوا جس سے دست آئیں ○ **فی یوم**: ایک دِن میں ○ **عنقا**: ایک فرضی پرندہ، نایاب چیز ○ **کم بختو**: بدنصیبو ○ **ملعونو**: لعنتیو ○ **غائب غلہ ہوجانا**: بالکل غائب ہوجانا ○ **راقم**: لکھنے والا ○ **عموماً**: عام طور پر ○ **کتابت کی صحت**: تحریر کی درستی ○ **کاتب**: لکھنے والا، خوش نویس ○ **عموماً**: عام طور پر ○ **غل غپاڑا**: شوروغوغا، ہنگامہ ○ **کاپی**: چھپنے کے لیے تیار شدہ اخبار ○ **مہمل**: بے معنی، غیر واضح ○ **مراسلہ**: خط، چٹھی ○ **تصحیح**: درستی ○ **عبارت چست نہیں**: تحریر موثر نہیں ○ **کوئی دائرہ بھی تو صحیح نہیں**: دائرے والے حروف غلط انداز سے لکھے ہوئے ہیں ○ **کلامِ الٰہی**: قرآن پاک ○ **غضب خدا کا**: خدا کا عذاب ہو ○ **ازسرِنو**: نئے سرے سے ○ **مرتب کرنا**: ترتیب دینا

سبق کا خلاصہ

دس برس قبل میں اخبار نئی دُنیا میں کام کرتا تھا۔ میری ذمہ داریوں میں مقالہ افتتاحیہ اور فکاہیہ کالم لکھنا شامل تھا۔ چونا گلی میں نئی دُنیا کے دفتر کے باہر ایک طرف عصر جدید پریس اور دوسری طرف حکیم غلام مصطفیٰ کا مطب تھا۔ نئی دُنیا کے دفتر والے مکان ہی میں مولانا شائق عثمانی بھی اپنے اہل وعیال سمیت رہائش پذیر تھے ایک روز کسی نے آکر کہا جمیندار صاحب آئے ہیں۔ میرے پوچھنے پر مولانا شائق نے وضاحت کی کہ مولانا ظفر علی خاں آئے ہیں۔ میں نے اس سے پہلے مولانا ظفر علی خاں کی صرف تصویریں ہی دیکھی تھیں اور سمجھتا تھا کہ مولانا کی بڑی سی توند ہوگی لیکن انہیں دیکھ کر مایوسی ہوئی کیونکہ توند تھی نہ عمامہ۔ میں نے سوچا یہ کیسے لیڈر ہیں۔ مولانا آتے ہی سیاسی موضوعات پر گفتگو کرنے لگے میں چاہتا تھا کہ شعروشاعری کے متعلق بات چیت ہو۔ میں میر وغالب کا تذکرہ کرتا لیکن مولانا ظفر علی خاں سائمن کمیشن کی آمد پر تبصرہ کرنے لگتے مجبوراً حاضرین محفل خاموش ہوکر مولانا کی باتیں سننے لگے۔ میں لاہور آیا تو کچھ روز زمیندار کے دفتر میں رہا۔ رات کے پچھلے پہر کسی نے مجھے اُٹھایا۔ دیکھا تو مولانا ظفر علی خاں سرہانے کھڑے تھے۔ بولے میرے ساتھ سیر کو چلو۔ مجھے قاضی احسان اللہ نے بتایا تھا کہ مولانا صبح سخت ورزش کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ سیر پر مت جانا۔ میں نے بخار، سردرد اور قولنج کا بہانہ کیا۔ مولانا علاج کے متعلق مشورے دے کر چلے گئے۔ میں نے خدا کا شکر کیا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ مولانا توند سے کیوں محروم ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا دوڑ لگانے، ڈنڈ پیلنے، نیزہ بازی، شہسواری، پیراکی، کشتی گیری اور نشانہ لگانے میں بھی ماہر ہیں۔ حیدرآباد کی ملازمت کے دوران میں نیزہ بازی کا شاندار مظاہرہ کرنے پر ان کی خدمات فوج کے سپرد کردی گئی تھیں۔ بعد میں افسر الملک سے اختلافات کے باعث مستعفی ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب سے مولانا کی شاعرانہ استعداد کے متعلق بحث ہوگئی۔ ان کا موقف تھا کہ مولانا زبان ومحاورہ کے اُستاد ہیں لیکن ان کا دِل محبت کے لطیف جذبات سے محروم ہے۔ میں نے مولانا کا ایک

رومانوی شعر سنایا تو وہی صاحب بے خود ہو گئے۔ میں نے بتایا کہ ظفر علی خاں کا شعر ہے تو بہت حیران ہوئے۔ مولانا نے اپنی تمام نظمیں بہت تھوڑے وقت میں کہی ہیں۔ ایک نظم پر آدھ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگتا تھا ورنہ اکثر شاعروں کا یہ حال ہے کہ حکیم سے مسہل لے کر ایک یوم فی شعر کہنے کے قابل ہوتے ہیں یا پھر بیوی بچوں کو پیٹتے جھڑکتے ہیں کہ ان کا شور وغل شعر کی آمد میں رُکاوٹ بن گیا۔ ظفر علی خاں ایسے نہیں تھے۔ وہ شعر ایسے کہتے تھے جیسے عام لکھنے والے نثر لکھتے ہیں۔

مولانا ظفر علی موجود ہوتے تو دفتر میں بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ نظم لکھ کر سب کو سناتے نت نئی تجاویز پیش کرتے کوئی اچھا شعر کہتا یا مضمون لکھتا تو حوصلہ افزائی کرتے۔ ایک مرتبہ میری ایک تحریر پر خوش ہو کر اپنا بٹوا نقدی سمیت مجھے دے دیا پھر بھی لوگ دُعائیں مانگتے کہ مولانا دفتر سے چلے جائیں۔ مولانا کو اخبار کی زبان اور کتابت کا بہت خیال رہتا تھا۔ ایڈیٹر اور کاتب مصیبت میں مبتلا رہتے۔ مولانا کاپی دیکھ کر زبان و بیان اور کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے۔ وہ کہتے کہ ایک ایک کالم میں پچاس پچاس غلطیاں ہیں۔ قرآن کی آیت تک غلط لکھی ہے۔ اخبار کا ستیاناس کر دیا۔ کاپیاں جلا دو۔ دوبارہ اخبار مرتب کرنے کا اب وقت نہیں لہٰذا اعلان کر دو کہ کل اخبار نہیں نکلے گا۔ اخبار کو بند کر دو۔ میں یوں اخبار نہیں نکالنا چاہتا۔

مشقی سوالات

1۔ مختصر جواب لکھیے۔

الف: کیا سبب تھا کہ مولانا توند سے محروم تھے؟

جواب: مولانا ظفر علی خاں ورزش کے عادی تھے۔ علی الصباح دوڑ لگاتے اور ڈنٹر پیلتے تھے۔ اسی لیے وہ توند سے محروم تھے۔

ب: صبح کاذب کے وقت مولانا ظفر علی خاں کے معمولات کیا تھے؟

جواب: مولانا ظفر علی خاں رات کے پچھلے پہر اُٹھ کر نہر کے کنارے میلوں دوڑ لگاتے اور اس کے بعد ڈنٹر پیلتے تھے۔ اس کے بعد نمازِ فجر ادا کرتے تھے۔

ج: مصنف صبح کے وقت مولانا کے ساتھ سیر پر جانے سے کیوں گریزاں تھے؟

جواب: مصنف کو قاضی احسان اللہ نے بتا دیا تھا کہ مولانا، صبح کاذب کے وقت لمبی دوڑ اور ڈنٹر پیلنے کے بعد نماز ادا کرتے ہیں۔ تم سیر پر ساتھ گئے تو تمہیں بھی یہ سب کچھ کرنا ہوگا، اسی لیے مصنف نے بخار، سر درد اور قولنج کا بہانہ بنا کر ساتھ جانے سے معذوری ظاہر کر دی۔

د: سبق میں مولانا کی کن کن نظموں کا ذکر آیا ہے؟

جواب: سبق میں مولانا ظفر علی خاں کی نظموں ''بحیرۂ قلزم''، ''لندن کی ایک صبح'' اور ''رامائن کا ایک سین'' کا ذکر آیا ہے۔

ہ: مولانا ظفر علی خاں شعر یا نظم کہنے میں کتنا وقت صرف کرتے تھے؟

جواب: مولانا ظفر علی خاں نے اپنی تمام نظمیں بہت تھوڑے وقت میں کہی ہیں۔ وہ ایک نظم پر آدھ گھنٹے سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتے تھے۔ شاید ہی کوئی نظم ایسی ہو جو انھوں نے گھنٹے دو گھنٹے میں کہی ہو۔

و: مصنف کے خیال میں عام شاعر حضرات شعر کہنے سے پہلے کیا انداز اختیار کرتے ہیں؟

جواب: مصنف نے لکھا ہے کہ اکثر شاعر ہفتے بھر کا مسہل لے لیتے ہیں اور پھر فی یوم ایک شعر کے حساب سے کہتے چلے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کرتے تو بیوی کو پیٹتے یا اس سے پٹتے ہیں۔ بچوں کو جھڑکتے ہیں کہ ان کے شور مچانے سے شعر کا مضمون ذہن سے نکل گیا۔

ز: مولانا ظفر علی خاں اپنے اخبار میں لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کس طرح کرتے تھے؟

جواب: اخبار میں لکھنے والوں میں سے کوئی اچھا شعر کہتا یا اچھا مضمون لکھتا تو مولانا تعریف کر کے دل بڑھاتے اور انعام بھی دیتے۔ ایک بار مصنف کے مزاحیہ کالم سے خوش ہو کر اپنا بٹوا نقدی سمیت دے دیا تھا۔

ح: کتابت اور زبان کی غلطیاں اور کمزوریاں دیکھ کر مولانا کس ردِ عمل کا اظہار کرتے تھے؟

جواب: مولانا کتابت اور زبان کی غلطیوں پر سخت خفا ہوتے تھے۔ خبروں اور مراسلات کی عبارت چست نہ ہوتی تو ایڈیٹر کو سخت سست کہتے۔ حروف کے دائروں کو غیر مناسب دیکھتے تو کاتب کو کھری کھری سناتے۔ آخر میں اعلان کرتے کہ کاپیاں جلا دو۔ کل اخبار نہیں نکلے گا۔ میں یوں اخبار نہیں نکالنا چاہتا۔

2۔ مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت اپنے الفاظ میں کیجیے:

الف: اپنے گدیلے پر بیٹھے پانوں کی جگالی فرما رہے تھے۔

وضاحت: جانور اپنے چارے کو ایک لقمے میں نگلنے کی بجائے دیر تک اسے منہ میں گھماتے پھراتے رہتے ہیں جسے جگالی کرنا کہا جاتا ہے۔ انسانوں میں یہی عمل پان کھانے والوں کا ہے۔ وہ اسے نگلنے کے بجائے چباتے اور چوستے رہتے ہیں۔ اس مشابہت کی بنا پر مصنف نے لکھا کہ چچا صدیق انصاری پانوں کی جگالی فرما رہے تھے۔

ب: قبۂ شکم گنبدِ فلک سے ہمسری کرتا ہے۔

وضاحت: سیاسی لیڈر عام طور پر بہت موٹے ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی میں جسمانی محنت مشقت کا عمل دخل ہوتا ہے نہ سیاسی سرگرمیاں انھیں ورزش کی فرصت دیتی ہیں۔ اسی لیے ان کی گنبد نما توندیں گنبدِ فلک کا مقابلہ کرتی ہیں۔

ج: آنکھوں تلے موت کا نقشہ پھر گیا۔

وضاحت: چراغ حسن حسرت کو قاضی احسان اللہ نے بتایا تھا کہ مولانا ظفر علی خاں صبح کے وقت میلوں دوڑ لگانے اور ڈنٹر پیلنے کے بعد نمازِ فجر ادا کرتے ہیں۔ اسی لیے جب مولانا نے انھیں صبح کی سیر پر اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو ان کی آنکھوں تلے موت کا نقشہ پھر گیا۔ انھیں یوں محسوس ہوا جیسے موت آوازیں دے رہی ہے۔

د: ہر طرف سے تحسین و آفرین کا غلغلہ بلند ہوا۔

وضاحت: مولانا ظفر علی خاں حیدر آباد دکن میں ملازم تھے۔ ایک روز ریاست کے سپاہی نیزہ بازی کے کرتب دکھا رہے تھے۔ مولانا بھی گھوڑے پر سوار ہوئے اور نیزے سے آن کی آن میں میخ اُکھاڑ لی۔ ایک شاعر، ادیب اور صحافی کی نیزہ بازی میں یہ غیر معمولی مہارت دیکھ کر سب لوگوں نے بہت داد دی۔

ہ: نیزہ بازی اور شہسواری میں بھی برق ہیں۔

وضاحت: مولانا صرف ورزش، دوڑ لگانے، ڈنٹر پیلنے اور مگدر ہلانے ہی کے شوقین نہیں تھے بلکہ نیزہ بازی اور شہسواری جیسے خالص عسکری فنون میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔

و: یہ سن کر ان کا اُوپر کا سانس اُوپر اور تلے کا تلے رہ گیا۔

وضاحت: ایک صاحب نے مولانا ظفر علی خاں کی شاعری کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ زبان و محاورہ کے استاد ہیں لیکن ان کا قلب عشق و محبت کے لطیف جذبات سے خالی ہے۔ اس پر چراغ حسن حسرت نے مولانا کا ایک خوبصورت رومانوی شعر سنایا۔ وہ صاحب تڑپ گئے اور پوچھا کس کا شعر ہے۔ حسرت نے ظفر علی خاں کا نام لیا تو ان صاحب کا اُوپر کا سانس اُوپر اور تلے کا تلے رہ گیا۔

ز: ہائے عنقائے مضمون دام میں آ کے چلا گیا۔

وضاحت: مصنف لکھتے ہیں کہ عام شعرا کے لیے شعر کہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ بیوی سے جھگڑتے ہیں۔ گھر میں مکمل سکوت چاہتے ہیں۔ بچے ذرا سا شور مچائیں تو انھیں جھڑکتے ہیں کہ عنقائے مضمون دام میں آ کے چلا گیا۔ سر کے بال نوچتے پھرتے ہیں کہ ایک نایاب خیال ذہن میں آیا تھا جسے بچوں کے شور نے ذہن سے نکال دیا۔ عنقا ایک فرضی پرندے کا نام ہے جسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ اسی لیے حسرت نے روایتی شاعروں کی شاعری کے مضمون کو ''عنقا'' قرار دیا ہے۔ یعنی ان شاعروں کے مضامین بھی کبھی کسی دوسرے کی سمجھ میں نہیں آتے۔

3: مندرجہ ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اِس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

- محفل برہم ہونا: پُرانے دوستوں کے چلے جانے سے اب تو شہر میں ہماری محفل ہی برہم ہو گئی۔
- کھینچا تانی ہونا: اس دَورِ مادیت میں ہر طرف کھینچا تانی کا منظر دِکھائی دیتا ہے۔
- پنڈ چھوڑنا: خدا کے واسطے میرا پنڈ چھوڑو، مجھے ابھی بہت سے کام نپٹانے ہیں۔
- ڈنٹر پیلنا: صبح سویرے ڈنٹر پیلنا مولانا ظفر علی خاں کی عادت تھی۔
- برق ہونا: اجمل شہسواری میں برق ہو گیا ہے۔
- طبیعت لہرانا: مولانا ظفر علی خاں کی جب طبیعت لہراتی اسی وقت اشعار کا نزول شروع ہو جاتا۔
- اُوپر کا سانس اُوپر اور تلے کا تلے رہ جانا: گھر کے صحن میں سانپ کو دیکھ کر حرا کا اُوپر کا سانس اُوپر اور تلے کا تلے رہ گیا۔

○ غائب غلہ ہو جانا: ارے کہاں غائب غلہ ہو گئے ہو کئی دن سے نظر نہیں آ رہے۔

○ غل غپاڑا مچانا: بچوں نے آج صبح سے غل غپاڑا مچایا ہوا ہے۔

4: متن کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالی جگہ کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب کیجیے۔

الف۔ میں اس نئی دُنیا کا کولمبس تھا۔ (دریافت کنندہ، واسکوڈے گاما، کولمبس)

ب۔ نہ نئی دنیا رہی نہ پرانی دنیا، رہے نام اللہ کا۔ (اللہ، خدا، رب)

ج۔ مولانا نے اپنی تمام نظمیں بہت تھوڑے وقت میں کہی ہیں۔ (تھوڑے، زیادہ، مناسب)

د۔ مولانا ظفر علی خاں زبان اور محاورے کے استاد ہیں۔ (فنکار، استاد، ماہر)

ہ۔ مولانا جب تک دفتر میں رہتے بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ (سراسیمگی، چہل پہل، افسردگی)

5۔ مندرجہ ذیل اقتباسات کی تشریح سیاق وسباق کے حوالے سے کیجیے۔

الف: ''ان دِنوں ''نئی دُنیا'' کا دفتر چونا گلی میں ہوا کرتا تھا۔ سڑک کے کنارے ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ باہر ایک طرف عصر جدید پریس، دوسری طرف حکیم غلام مصطفیٰ کا مطب۔ دروازے سے اندر گھسو تو داہنی طرف نئی دُنیا آباد تھی اور بائیں طرف مولانا شائق احمد عثمانی نے پرانی دُنیا بسا رکھی تھی، یعنی اپنے اہل وعیال اور عربی کی بھاری بھرکم کتابوں سمیت رہتے تھے۔ میں اس نئی دُنیا کا کولمبس تھا اور مقالۂ افتتاحیہ کے جہاز کے ساتھ ساتھ فکاہات کی کشتی بھی چلاتا تھا۔ افسوس کہ یہ محفل سال بھر کے اندر اندر برہم ہو گئی۔ نہ نئی دُنیا رہی نہ پرانی دُنیا۔ رہے نام اللہ کا۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 76)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : مولانا ظفر علی خاں

مصنف کا نام : چراغ حسن حسرت

سیاق وسباق: چراغ حسن حسرت نے اردو کے مایہ ناز شاعر، ادیب اور بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں کے مختصر خاکے میں ان کی شخصیت کی بہت واضح، روشن اور دلکش تصویر پیش کی ہے۔ مولانا کو توند اور عمامے سے محروم دیکھ کر مصنف کو حیرانی ہوئی کیونکہ ان کے خیال میں مولانا کے لیے عمامہ اور لیڈر کے لیے توند لازمی چیز ہوتی ہے۔ چراغ حسن حسرت کو بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا ظفر علی ورزش کے شوقین اور پابند ہیں اور عسکری فنون میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ ظفر علی خاں انتہائی بدیہہ گو شاعر تھے اور شعر اس آسانی کے ساتھ کہتے تھے جیسے عام لوگ نثر لکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں زبان ومحاورہ کا کمال ہی نہیں، مضامین کی دل آویزی بھی ہے۔ اپنے اخبار ''زمیندار'' کے معیار کا مولانا بہت خیال رکھتے تھے اور اس میں زبان و بیان اور کتابت کی غلطیوں کو قطعاً گوارا نہیں کرتے تھے۔

تشریح: چراغ حسن حسرت نے مولانا ظفر علی خاں سے پہلی ملاقات کی تفصیلات دلچسپ انداز میں بیان کی ہیں۔ وہ اخبار ''نئی دُنیا'' میں کام کرتے تھے جس کا دفتر چونا گلی میں سڑک کنارے ایک چھوٹے سے مکان میں

تھا۔ دفتر کے باہر ایک طرف عصر جدید پریس اور دوسری طرف حکیم غلام مصطفیٰ کا مطب تھا۔ اس مختصر سے مکان میں اخبار کے دفتر کے علاوہ مولانا شائق احمد عثمانی اپنے بیوی بچوں اور کتابوں سمیت رہائش پذیر تھے۔ چراغ حسن حسرت ''نئی دُنیا'' کے اہم کارکن تھے۔ اسی لیے انھوں نے خود کو نئی دُنیا کا ''کولمبس'' کہا ہے۔ کولمبس ان کا قلمی نام بھی تھا۔ کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا، جب کہ حسرت نئی دُنیا کا مقابلہ افتتاحیہ لکھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ''سند باد جہازی'' کے قلمی نام سے فکاہیہ کالم بھی تحریر کرتے تھے۔ ان کے کالمز کو قارئین میں بہت مقبولیت حاصل تھی۔ آج بھی ہمارے قومی اخبارات کے کئی معروف کالم نگار سند باد جہازی کے طرزِ تحریر کی تقلید کرتے ہیں۔ حسرت کہتے ہیں کہ یہ محفل یعنی ''نئی دُنیا'' سال بھر میں درہم برہم ہوگئی۔ اخبار بند ہوا۔ دوست بچھڑ گئے۔ سچ ہے کہ دُنیا کی ہر چیز فانی ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

ب: ''ہم نے اکثر شاعروں کو دیکھا ہے کہ شعر کہنا چاہتے ہیں تو شفاالملک حکیم فقیر محمد صاحب چشتی سے رجوع کرتے ہیں، اور ہفتے بھر کا مسہل لے لیتے ہیں اور پھر فی یوم ایک شعر کے حساب سے کہتے چلے جاتے ہیں، یہ نہیں کرتے تو بیوی کو پیٹتے ہیں، اس سے پٹتے ہیں، بچوں کو جھڑکتے ہیں۔ ذرا گھر میں شور ہوا اور وہ سر کے بال نوچنے لگے۔ ''ہائے عنقائے مضمون دام میں آ کے چلا گیا۔ کم بختو! ملعونو! تمھارے شور نے اسے اُڑا دیا۔'' مولانا ظفر علی خاں کا یہ حال نہیں، جس طرح ہم اور آپ نثر لکھتے ہیں اسی طرح وہ شعر کہتے چلے جاتے ہیں۔''

(سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 80)

حوالہ متن: **سبق کا عنوان** : مولانا ظفر علی خاں

مصنف کا نام : چراغ حسن حسرت

سیاق و سباق: چراغ حسن حسرت نے مولانا ظفر علی خاں کی جامع الصفات شخصیت پر خوبصورت خاکہ لکھا ہے۔ ظفر علی خاں قادر الکلام شاعر اور کہنہ مشق صحافی تھے۔ ان کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے سیاسی رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ اس بھاری بھرکم تعارف اور شخصیت کا حامل فرد تو ند سے محروم تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ظفر علی ورزش کے شوقین اور عسکری فنون کے ماہر تھے۔ مولانا اپنے اخبار ''زمیندار'' میں زبان و بیان اور کتابت کی صحت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کی شاعری زبان و محاورہ کے استادانہ استعمال کے حوالے سے سند تسلیم کی جاتی ہے۔ چراغ حسن حسرت لکھتے ہیں کہ مولانا انتہائی زود گو شاعر تھے۔ قدرت نے انھیں ایسی شاعرانہ استعداد عطا کی تھی کہ وہ کسی کوشش اور تکلف کے بغیر شعر کہتے چلے جاتے تھے۔

تشریح: چراغ حسن حسرت نے عام شعرا کے انداز شعر گوئی پر طنز کرتے ہوئے ظفر علی خاں کی غیر معمولی قادر الکلامی اور زود گوئی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عام شعرا شعر گوئی کو انتہائی مشکل کام تصور کرتے ہیں اور اس کے اہتمام میں تکلف کرتے ہیں۔ یہ لوگ سخن گوئی کا ارادہ کر لیں تو ان کے اہلِ خانہ کی شامت آ جاتی ہے۔ اکثر شعرا حصولِ مقصد کے لیے مشہور طبیب فقیر محمد چشتی سے دست آور دوا حاصل کرتے

ہیں۔ یہ دوا استعمال کرنے سے ''شاعری کی قبض'' دُور ہو جاتی ہے اور یہ شاعر روزانہ ایک شعر کہنے کے قابل ہو جاتے ہیں، جو شعرا حکیم صاحب سے استفادہ نہیں کرتے وہ گھر میں ہنگامی حالت نافذ کر دیتے ہیں۔ بیوی کو پیٹتے ہیں اور اگر بیوی جسمانی اعتبار سے طاقت ور ہو تو اس کے ہاتھوں پٹتے ہیں۔ بچوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں یعنی بیوی اور بچوں کو آمدِ سخن میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ فکرِ سخن میں ان حضرات کی ''کیفیات'' قابلِ دید ہوتی ہیں۔ گھر میں ذرا سا شور ہو تو یہ دیوانوں کی طرح سر کے بال نوچنے لگتے ہیں اور اظہارِ ناراضی کرتے ہیں کہ نایاب مضمون ذہن میں آیا تھا لیکن رخصت ہو گیا۔ بچوں کو جھڑکتے ہیں کہ بدنصیبو! لعنتیو! تمہارے شور نے مجھے بے مثال اشعار کا خالق بننے سے محروم کر دیا۔ عام شعرا پر اس گہرے اور کاٹ دار طنز کے بعد چراغ حسن حسرت لکھتے ہیں کہ ظفر علی خاں ان شعرا میں سے نہیں۔ قدرت نے انھیں شعر گوئی کی حیرتناک صلاحیت عطا کی ہے۔ ان کی طبیعت میں بلا کی روانی ہے، جس طرح عام لوگ بلا تکلف نثر لکھتے ہیں اسی طرح ظفر علی خاں حسبِ خواہش شعر کہتے چلے جاتے ہیں۔

مزید معروضی سوالات

س: اخبار نئی دنیا میں چراغ حسن حسرت کی ذمہ داریاں کیا تھیں؟

ج: چراغ حسن حسرت اخبار نئی دنیا میں مقالہ افتتاحیہ اور فکاہی کالم لکھا کرتے تھے۔

س: مولانا ظفر علی خان کو دیکھ کر چراغ حسن حسرت کو مایوسی کیوں ہوئی؟

ج: چراغ حسن حسرت سمجھتے تھے کہ عام سیاسی لیڈروں کی طرح ظفر علی خاں بھی بھاری بھرکم ہوں گے۔ توند نکلی ہوئی ہو گی لیکن مولانا کو دیکھ کر مایوسی ہوئی کیونکہ توند تھی نہ عمامہ۔

س: مولانا ظفر علی خاں نے آتے ہی کن موضوعات پر گفتگو شروع کی؟

ج: مولانا ظفر علی خاں نے آتے ہی سائمن کمیشن، ہندوستان کی جدید اصلاحات، راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور کامل آزادی کے موضوعات پر گفتگو شروع کر دی۔

س: مولانا ظفر علی خاں کی صبح کی سیر کا معمول کیا تھا؟

ج: وہ رات کے پچھلے پہر اُٹھ کر نہر کنارے میلوں دوڑ لگاتے اور ڈنٹر پیلتے اس کے بعد نماز فجر ادا کیا کرتے تھے۔

س: مصنف نے مولانا ظفر علی خاں کے ساتھ صبح کی سیر پر جانے سے بچنے کے لیے کیا بہانہ بنایا؟

ج: مصنف نے مولانا سے کہا کہ میں سخت بیمار ہوں۔ رات بخار ہو گیا۔ سر میں درد ہے۔ پیٹ میں بھی درد ہے۔ غالباً قولنج ہے۔

س: صبح کی سیر کے علاوہ ظفر علی خاں کن ورزشوں کے شوقین تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟

ج: وہ مگدر ہلاتے تھے۔ نیزہ بازی اور شہسواری میں بھی مہارت حاصل تھی۔ پیراکی اور کشتی گیری بھی جانتے تھے۔ نشانہ بھی اچھا تھا۔

س: چراغ حسن حسرت نے مولانا کی شاعری پر اعتراض کرنے والے کو ان کا کون سا شعر سنایا؟

ج: چراغ حسن حسرت نے مولانا کا یہ شعر سنایا

سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں
نگاہ مست ساقی مفلسی کا اعتبار اب بھی

س: مولانا ظفر علی خاں نظم کہنے میں کتنا وقت صرف کرتے تھے؟

ج: مولانا ایک نظم کہنے میں عموماً آدھا گھنٹہ صرف کرتے تھے۔ شاید ہی کوئی نظم ایسی ہو جو انہوں نے گھنٹے دو گھنٹے میں کہی ہو۔

س: کتابت کی غلطیاں دیکھ کر مولانا غصے کا اظہار کس انداز میں کرتے تھے؟

ج: وہ غصے میں آ کر کہتے۔ ایک کالم میں پچاس پچاس غلطیاں ہیں۔ کوئی دائرہ بھی صحیح نہیں۔ غضب خدا کا' قرآن کی آیت غلط لکھ دی۔ ستیاناس کر دیا اخبار کا۔

س: مولانا ظفر علی خاں کو "مجمید ار صاحب" کیوں کہا گیا؟

ج: مولانا ظفر علی خاں کے اخبار کا نام "زمیندار" تھا۔ اس اخبار کو عوام میں اتنی مقبولیت حاصل تھی کہ کچھ لوگ ظفر علی خاں کو اصل نام سے جاننے کے بجائے اخبار کے نام ہی سے جانتے تھے۔

س: چراغ حسن حسرت مولانا سے کس قسم کی گفتگو کرنا چاہتے تھے؟

ج: چراغ حسن حسرت مولانا سے شعر و شاعری کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے تھے لیکن مولانا سیاسی موضوعات پر باتیں کر رہے تھے۔

10۔ قرطبہ کا قاضی ـــــ سیّد امتیاز علی تاج

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 83: ○ قرطبہ: اندلس (سپین) کا دارالحکومت، یورپ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا عظیم مرکز ○ دایہ: دُودھ پلانے والی عورت، پرورش کرنے والی عورت ○ ناظر عدالت: عدالت کا کلرک ○ غرناطہ: اندلس (سپین) کا شہر ○ ایوان: گھر میں کشادہ جگہ، محل ○ دریچہ: کھڑکی ○ زینہ: سیڑھی

صفحہ نمبر 84: ○ دُھندلکا: رات اور دِن کے ملاپ کا سماں، علی الصبح یا غروب آفتاب کا منظر ○ گل کرنا: بجھا دینا ○ آہِ سرد: ٹھنڈی آہ ○ بدفال: منحوس، برے شگون والا ○ نحس کلمے: منحوس باتیں ○ ربّ العالمین: دونوں جہانوں کا پروردگار، پالنے والا ○ شگاف: سوراخ ○ تھکان: تھکاوٹ ○ لذت: مزا ○ حریص: لالچی ○ بے باک: بے خوف، نڈر ○ سولی: پھانسی

صفحہ نمبر 85: ○ نشتر زبان: زخم دینے والی زبان ○ چارہ: علاج ○ فتویٰ: شرعی حکم، شرعی فیصلہ ○ سروکار: تعلق واسطہ ○ کوڑھ مغز: بے وقوف، موٹے دماغ والا ○ سلطان: بادشاہ ○ ناکہ: شہر کا داخلی راستہ، چونگی جہاں محصول لیا جاتا ہے ○ تعمیل عمل کرنا، حکم ماننا ○ احمق: بے وقوف، ○ ہونی: قسمت، تقدیر ○ سجیلا: خوبصورت، سج دھج والا

صفحہ نمبر 86: ○ جرم: گناہ، قصور ○ خون کرنا: قتل کرنا ○ جلن: حسد ○ آزار: تکلیف ○ مقتول: جسے قتل کیا گیا ہو ○ ہم نسب: ایک جیسے خاندان والے، ہم پلہ، خاندان کے اعتبار سے برابر ○ باشندہ: رہنے والا، شہری ○ چکنی چپڑی باتیں: میٹھی اور خوشامدی گفتگو ○ پرایا: بیگانہ، ○ طور: طریقہ، انداز ○ ورغلانا: گمراہ کرنا ○ خدشہ: خطرہ، اندیشہ ○ رقیب: دُشمن، حریف

صفحہ نمبر 87: ○ باور کرنا: یقین کرنا، اعتماد کرنا ○ حجتی: دلیلیں دینے والا، بحث کرنے والا ○ دار: پھانسی ○ ششدر: حیران ○ آلودہ: ناپاک ○ ہجوم: مجمع ○ مخلوط: ملی جلی ○ بے حس و حرکت: ہلے بغیر، حرکت کیے بغیر ○ گویا: یعنی، ظاہری طور پر، مانند ○ جان نثار: جان قربان کرنے والا

صفحہ نمبر 88: ○ ڈھنڈورا پیٹا: اعلان کیا، ○ مجرم: جرم کرنے والا، گنہ گار

صفحہ نمبر 89: ○ سوا: علاوہ ○ آمادہ: رضامند ○ مرعوب ہونا: رُعب میں آنا، ڈرنا ○ مدھم: آہستہ، ہلکا

صفحہ نمبر 90: ○ اضطرار: بے قراری، بے اختیاری ○ سہمی ہوئی: خوفزدہ ○ عفو و رحم: معافی اور بخشش ○ بہرہ: سننے کی صلاحیت نہ رکھنے والا، قوتِ سماعت سے محروم ○ اِلتجا: درخواست ○ توانائی: طاقت ○ پروردگار: پالنے والا ○ فریاد: دہائی

صفحہ نمبر 91: ○ نمک خوار: نمک کھانے والے یعنی شرمندہ احسان، ○ حکم ماننا ○ صورت: حالت

○ قرعہ اندازی: قرعہ ڈالنا، کسی کام کا فیصلہ کرنے کے لیے پرچیاں ڈالنا ○ فرزند: بیٹا ○ توفیق: ہمت، استطاعت ○ بھنبھناہٹ: مکھیوں کی آواز

صفحہ نمبر 92 : ○ استہزا: مذاق ○ زیرلب آوازیں: دبی دبی آوازیں ○ مسرور: خوش ○ کیفیت: حالت ○ مغفرت: بخشش ○ جوارِ رحمت میں: رحمت کے قریب یعنی جنت میں ○ ہیبت زدہ ہوکر: ڈرتے ہوئے، خوفزدہ ہوکر ○ ربّ العظیم: عظیم پروردگار

صفحہ نمبر 93 : ○ بت بنا کھڑا ہے: حرکت کیے بغیر کھڑا ہے ○ کوسِ رحلت: کوچ کا نقارہ ○ نمودار ہونا: نظر آنا ○ تاسف: افسوس ○ تن کر: اکڑ کر، فخریہ انداز میں ○ ناز: فخر، ○ دلارا: پیارا ○ آفتاب: سورج

صفحہ نمبر 94 : ○ جھٹ: جلدی سے ○ تھم جانا: رُک جانا، بند ہوجانا ○ بتدریج: تسلسل کے ساتھ، آہستہ آہستہ ○ گریہ و بکا: رونا دھونا ○ دلدوز: دردناک، ڈرا دینے والا ○ متوقع: جس کی اُمید ہو ○ قوتِ ارادی: ارادے کی طاقت

صفحہ نمبر 95: ○ ضعف: کمزوری ○ مقفل کرنا: تالا لگا دینا

سبق کا خلاصہ

غرناطہ کے قاضی یحییٰ بن منصور نے انصاف کی سربلندی کی مثال قائم کرتے ہوئے ایک مقدمہ قتل میں اپنے نوجوان بیٹے زبیر کو سزائے موت سنائی ہے۔ اس کے مکان کے ایوان کے دریچوں میں سے شہر کے چوک کو دیکھا جاسکتا ہے۔ مکان میں قاضی یحییٰ کے ملازم عبداللہ اور زبیر کی دایہ حلاوہ کے مابین گفتگو ہورہی ہے۔ حلاوہ دردناک لہجے میں کہتی ہے کہ یہ کالی صبح دیکھنے کے لیے میں زندہ کیوں رہ گئی۔ زبیر تین روز کا تھا جب اس کی والدہ انتقال کرگئی تھی۔ اسے میرے دودھ نے توانائی بخشی اور پھر وہ جوان ہوگیا۔ اس کے جسم میں میرا خون ہے۔ افسوس! وہ آج سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔ عبداللہ اس سے اختلاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو اندھی ہوگئی لیکن آنکھوں والے موجود ہیں۔ آج کا دن ختم ہونے پر بھی زبیر زندہ ہوگا۔ قرطبہ میں ایک شخص بھی نہیں جو قاضی کے فتوے پر عملدرآمد کرتے ہوئے زبیر کو سولی پر چڑھائے۔ زبیر لمبی عمر پائے گا اور ہم دونوں کو خود قبر میں اُتارے گا حلاوہ کہتی ہے کہ فتوے پر عملدرآمد کے لیے قرطبہ کے باہر سے ایسے لوگ بلا لیے جائیں گے جو زبیر کو نہیں جانتے۔ زبیر چڑ کر جواب دیتا ہے کہ ہمارے آدمی تمام راستوں پر پھیل چکے ہیں۔ آج وہی شخص قرطبہ میں داخل ہو پائے گا جو قرآن پاک کی قسم اُٹھائے کہ اسے زبیر کی سزا سے کوئی سروکار نہیں۔ حلاوہ کہتی ہے کہ ہونی کو روکنا ممکن نہیں زبیر نے حسد کے مارے خون کیا ہے۔ مقتول نے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائی تھی۔ وہ زبیر کے باپ کا مہمان تھا۔ میری آنکھیں زبیر کو پھانسی کی سزا پاتے ہوئے دیکھ رہی ہیں۔ وہ جسے میرے دودھ نے پالا اور بڑا کیا۔ آج مر جائے گا۔ عبداللہ زبیر کی صفائی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ مقتول نے مہمان ہونے کے باوجود زبیر کی محبوبہ کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ورغلایا تھا۔ زبیر نے اپنی محبت اور عزت کی خاطر خون کیا اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ حلاوہ

کہتی ہے کہ اب دلیلیں دینے سے فائدہ نہیں۔ قتل کی سزا میں زبیر کو پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ عبداللہ کہتا ہے کہ باہر چوک میں ہجوم نے سولی کو اس ارادے سے گھیر رکھا ہے کہ وہ سزا پر خود عملدرآمد کریں گے نہ کسی کو کرنے دیں گے۔ زبیر کو اگر تو اپنے ہاتھوں سے سولی پر نہ لٹکائے تو شہر میں یہ کام کرنے والا کوئی اور موجود نہیں، پھر زبیر مجمع سے سوال کرتا ہے کہ تم میں سے کون زبیر کو سولی پر لٹکائے گا۔ ہجوم میں سے ناراضی کی آوازیں آتی ہیں اور کوئی بھی یہ کام کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کرتا۔ اسی اثنا میں قاضی یحییٰ بن منصور سیڑھیاں اُتر کر آتا ہے تو حلاوہ کہتی ہے کہ قاضی لاش کی طرح زندگی سے عاری نظر آرہا ہے۔ عبداللہ اسے چپ رہنے کی نصیحت کرتا ہے۔ قاضی کے پوچھنے پر عبداللہ بتاتا ہے کہ موت کا ڈھنڈورا پیٹنے اور مجرم کو سولی پر لٹکانے والے سرکاری کارندے غیر حاضر ہیں اور قرطبہ کے سارے مرد چوک میں موجود ہیں لیکن ان میں سے کوئی فتوے پر عملدرآمد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ میں خود بھی یہ کام نہیں کروں گا۔ یہ کام آپ خود کر سکتے ہیں یا پھر ابلیس کر سکتا ہے۔ قاضی عبداللہ کو ناظر عدالت کے کارندوں کو بلانے کے لیے بھیج دیتا ہے تو حلاوہ کہتی ہے کہ میں نے زبیر کو دودھ پلایا اور اولاد کی طرح پالا ہے۔ آپ ہی نے اسے میرے سپرد کیا تھا۔ میں کئی بار رحم کی التجا کر چکی ہوں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وہ میرا نہیں بلکہ آپ کا بیٹا ہے میری التجا سن لیجیے یا مجھے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیجیے۔ قاضی جواب دیتا ہے کہ میں بہرا نہیں۔ تم چلی جاؤ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ناظر عدالت کے آدمی آتے ہیں تو قاضی انہیں اطاعت سلطان کا حلف یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ تم میں سے کون مجرم کو سولی پر لٹکا سکتا ہے۔ وہ سب خاموش رہتے ہیں۔ قاضی کی طرف سے قرعہ اندازی کی تجویز بھی مسترد کر دیتے ہیں پھر ان کا نمائندہ بیبا کی سے کہتا ہے جس شخص نے زبیر کو مجرم قرار دیا، پھانسی دینے کا کام بھی وہی کر سکتا ہے۔ ہم زبیر کو قصوروار نہیں سمجھتے۔ قاضی دریچہ کھول کر عوام سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ کیا تم میں سے کوئی ایک مجرم کو سولی پر لٹکا سکتا ہے۔ لیکن کوئی بھی رضامند نہیں ہوتا۔ اس پر قاضی عدالت کے کارندے کو کنجیاں دیتے ہوئے حکم دیتا ہے کہ زبیر کو سولی کے چبوترے پر پہنچایا جائے۔ کوس رحلت بجتا ہے۔ قاضی اپنے ہاتھوں اپنے فرزند کو سولی پر لٹکانے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ حلاوہ یہ منظر دیکھتی ہے۔ سزا پانے سے قبل زبیر اپنے باپ کے ہاتھ چومتا اور آنکھوں سے لگاتا ہے۔ حلاوہ اللہ سے دُعا کرتی ہے کہ زبیر کی روح کو جلد اپنے دامن رحمت میں لے لے۔ قاضی یحییٰ بن منصور اپنے بیٹے کو سولی پر لٹکانے کے بعد خود کو کمرے میں بند کر کے دروازہ مقفل کر لیتا ہے۔ حلاوہ کہتی ہے کہ یہ دروازہ اب کبھی نہیں کھلے گا اور ہم قاضی کو کبھی زندہ نہیں دیکھ سکیں گے۔

مشقی سوالات

1۔ مختصر جواب دیجیے۔

الف: حلاوہ (زبیر کی دایہ) کو زبیر سے اس قدر لگاؤ کیوں تھا؟

جواب: زبیر صرف تین روز کا تھا جب اس کی ماں وفات پا گئی تھی۔ اس کے بعد زبیر کے والد نے اسے حلاوہ کو

سونپ دیا تھا۔ حلاوہ نے زبیر کو اپنا دُودھ پلایا تھا اور اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کی تھی۔ اُنھی لیے وہ زبیر سے اس قدر محبت کرتی تھی۔

ب: عبداللہ (خانہ زاد) نے زبیر کو پھانسی کے پھندے سے بچانے کے لیے کیا کیا جتن کیے؟

جواب: عبداللہ اور اس کے ساتھیوں نے شہر میں داخل ہونے والے ہر شخص سے حلف لیا کہ اسے زبیر کی پھانسی سے کوئی سروکار نہیں۔ قاضی یحییٰ نے سزا پر عملدرآمد کے لیے عبداللہ کو آمادہ کرنا چاہا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

ج: زبیر نے کیا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں اسے پھانسی کی سزا ملی؟

جواب: زبیر نے اپنے والد کے مہمان کو اس وجہ سے قتل کر دیا تھا کہ اس نے زبیر کی محبوبہ کو ورغلایا تھا۔ اس قتل کی پاداش میں زبیر کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی۔

د: زبیر کو پھانسی دینے کی خدمت کے لیے قرطبہ کا کوئی فرد بھی کیوں میسر نہیں آ رہا تھا؟

جواب: قرطبہ کے سب لوگ زبیر سے محبت کرتے اور اسے بے گناہ سمجھتے تھے۔ مجرم کو پھانسی دینے والا شخص غیر حاضر تھا۔ عبداللہ، ناظر عدالت کے اہلکاروں اور چوک میں جمع ہجوم نے بھی پھانسی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ زبیر کی محبت ہی اس انکار کی وجہ تھی۔

ہ: بالآخر زبیر کو پھانسی دینے کی خدمت کس نے سرانجام دی؟

جواب: زبیر کے باپ قاضی یحییٰ بن منصور نے اسے اپنے ہاتھوں سے پھانسی دی۔

و: پھانسی کی سزا پر عملدرآمد کے بعد قاضی (یحییٰ بن منصور) نے اپنے کمرے کا دروازہ کیوں مقفل کر لیا؟

جواب: انصاف کی سربلندی کے لیے قاضی یحییٰ نے اپنے نوجوان بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے پھانسی دے دی۔ اس نے فرض کی راہ میں اپنا حقیقی بیٹا قربان کر دیا لیکن بیٹے کی موت کے بعد پدری شفقت کا جذبہ غالب آیا اور شدید صدمے سے دوچار قاضی یحییٰ نے کمرے میں جا کر دروازہ مقفل کر لیا۔

2: درج ذیل محاورات کا مفہوم واضح کیجیے:

- کام تمام کرنا: ختم کرنا' انجام تک پہنچانا' غرناطہ میں کوئی بھی شخص زبیر کا کام تمام کرنے پر آمادہ نہ تھا۔
- دن تمام ہونا: شام کا آ جانا' دن کا ختم ہونا' دِن تمام ہوتے ہی ہم نے اپنے دوستوں سے جانے کی اجازت لی۔
- خون دوش پر ہونا: کسی کی موت کا ذمہ دار ہونا' جس معاشرے میں انصاف نہ ہو وہاں مظلوموں کا خون حکمرانوں کے دوش پر ہوتا ہے۔
- موت سے کھیلنا: خطرناک کام کرنا' ہماری بہادر فوج خطرات کے وقت موت سے کھیلنے سے گریز نہیں کرتی۔
- بت بنا کھڑا ہونا: بالکل بے حس و حرکت ہونا' اب بت بنے کھڑے ہو جیسے تمھیں اس واقعہ کا کوئی علم ہی نہیں۔
- سناٹا چھا جانا: خاموشی طاری ہونا' کرفیو کی وجہ سارے شہر پر بھیانک سناٹا چھا گیا تھا۔
- آستین چڑھانا: کسی کام کی تیاری کرنا' کم ظرف لوگ معمولی باتوں پر آستینیں چڑھا لیتے ہیں۔

3: درج ذیل حروف کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ورنہ، چاہے، خواہ، جبکہ، اگر، مگر، کیونکہ، اگرچہ، لیکن، چونکہ، اس لیے کہ

- ورنہ: بُرے کاموں سے باز آ جاؤ ورنہ سزا کے لیے تیار رہو۔
- چاہے: چاہے کچھ بھی ہو، ہمیں اپنا کام ایمانداری سے کرنا چاہیے۔
- خواہ: علم حاصل کرو، خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔
- جبکہ: ارشد پاس ہو گیا جبکہ اس کا دوست ناکام رہا۔
- اگر: اگر کسی مثلث کے تین اضلاع برابر ہوں تو زاویے بھی برابر ہوں گے۔
- مگر: وہ خوبصورت ہے مگر اُس کی عادتیں اچھی نہیں۔
- کیونکہ: میں روزہ نہیں رکھ سکتا کیونکہ میں سخت بیمار ہوں۔
- اگرچہ: اگرچہ وہ خوبصورت ہے لیکن بد دماغ ہے۔
- لیکن: تم بہت ذہین ہو لیکن انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں سخت محنت کی ضرورت ہے۔
- چونکہ: چونکہ ارشد بیمار ہے اِس لیے وہ آج حاضر نہیں ہو سکتا۔
- اس لیے کہ: اس نے خوب محنت کی ہے، اس لیے کہ پاس ہو جائے۔

4: اس ڈرامے کے سب سے اہم کردار کا تجزیہ کیجیے:

جواب: ڈرامے کا سب سے اہم کردار "یحییٰ بن منصور" ہے۔ قاضی یحییٰ بن منصور کا کردار نہایت مثالی، منفرد اور نمایاں دِکھایا گیا ہے۔ وہ بے لاگ عدل و انصاف کا پیکر ہے۔ وہ ہر صورت میں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں اسے کوئی سفارش، دباؤ، خوف اور لالچ جادۂ استقامت سے ہٹا نہیں سکتا۔ وہ عدل و انصاف کا مجسمہ ہے اور قانون کا تقاضا پورا کرنا اس کا اصل مقصدِ حیات ہے۔ زبیر، اگرچہ اس کا حقیقی بیٹا ہے، جس کی ماں فوت ہو چکی ہے اور اس لحاظ سے اسے اپنے بیٹے سے دوہری محبت ہے، لیکن جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ زبیر نے جوشِ رقابت میں اپنے نوجوان رقیب کو قتل کر دیا ہے تو قصاص کے تقاضے پورے کرتے ہوئے وہ زبیر کو پھانسی کی سزا سناتا ہے اور پھر جب کوئی شخص بطور جلاد کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تو وہ خود یہ ناخوش گوار فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ جس کے بعد وہ خود سوگوار ہو جاتا ہے، کیونکہ شفقتِ پدری ایک فطری جذبہ ہے۔ وہ اِسی جذبے کے تحت خود کو ہمیشہ کے لیے ایک کمرے میں بند کر لیتا ہے۔ سچ ہے، ایسے ہی بے لاگ انصاف کرنے والوں کے دم سے عدل و انصاف اور قانون کا بھرم قائم ہے۔

5: سبق کے متن کو پیشِ نظر رکھ کر خالی جگہیں پُر کیجیے۔

الف۔ سارے قرطبہ میں ایک شخص نہیں جو کسی کے حکم سے بھی اسے سولی چڑھائے۔ (ملک، شہر، قرطبہ)

ب۔ انھیں قانون جو کہے گا وہ کر ڈالیں گے۔ (حاکم، قاضی، قانون)

ج۔ آج کے دِن اس کے فتوے کی تعمیل نہ ہو پائے گی۔ (فرمان، فتوے، کہے)

د۔ ہجوم میں سے گریہ و بکا کا ایک دلدوز شور اُٹھتا ہے۔ (دیوانہ وار ہنسی، گریہ و بکا، چیخوں)

ہ۔ الٰہی! آج کا آفتاب یہ کیا دیکھ رہا ہے۔ (آفتاب، آسمان، زمانہ)

6: اِس ڈرامے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: دیکھیے اس سبق کا خلاصہ

☆ **سیاق وسباق کے حوالے سے ... تشریحات کی تشریح**

اقتباس 1: ''ارے دیکھو تو! ار... وتو! میرا بچہ ہاتھ چوم رہا ہے، میرا بچہ ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا رہا ہے۔ اس شخص کے جو اسے سولی پر چڑھانے کو ہے۔ جلدی ارے جلدی میرے ربّ! اس کی رُوح کو جھٹ اپنے دامنِ رحمت میں لے لینا۔ اسے تڑپانا مت! اسے جلدی لے لے۔ اسے جلدی لے لے۔ ہا۔۔۔ میرے بچے اپنا دم دے۔ اس کے لیے اور نہ تڑپ۔ مرجا۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ نمبر 94)

حوالہ متن: **سبق کا عنوان** : قرطبہ کا قاضی

مصنف کا نام : سیّد امتیاز علی تاج

سیاق وسباق: ڈرامہ قرطبہ کا قاضی میں اسلامی نظامِ حکومت کا یہ روشن پہلو اُجاگر کیا گیا ہے کہ قانون کا نفاذ ہر شہری پر ہونا چاہیے اور کسی عہدے، رشتے، قرابت یا تعلق کی بنا پر کسی مجرم کو معافی نہیں ملنی چاہیے۔ قاضی یحییٰ بن منصور کے نوجوان بیٹے زبیر نے قتل کیا تو قاضی نے اسے سزائے موت سنائی۔ قرطبہ کے لوگ اس سزا پر عملدرآمد کے سخت خلاف تھے۔ قاضی کے گھریلو ملازم عبداللہ اور دیگر افراد نے زبیر کی زندگی بچانے کے لیے بہت کوششیں کیں۔ زبیر کی دایہ حلاوہ بھی قاضی یحییٰ سے رحم کی اپیلیں کرتی رہی۔ سزا پر عملدرآمد کے دِن موت کا ڈھنڈورا پیٹنے والا اور سولی پر لٹکانے والا دونوں کارندے غیر حاضر رہے۔ قاضی یحییٰ نے اپنے ملازم عبداللہ سمیت چوک میں جمع لوگوں کے ہجوم کو پھانسی پر عملدرآمد کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے کی ترغیب دی لیکن کوئی بھی آمادہ نہ ہوا تو قاضی یحییٰ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے فرزند کو سولی پر لٹکا کر انصاف کا نام اُونچا کر دیا۔

تشریح: قاضی یحییٰ بن منصور سولی پر لٹکانے والے کارندے کو غیر حاضر پا کر اپنے ملازم عبداللہ کو یہ کام کرنے پر آمادہ کرنا چاہتا ہے لیکن عبداللہ صاف انکار کر دیتا ہے۔ قاضی یحییٰ چوک میں موجود لوگوں کے ہجوم سے مخاطب ہو کر صورتِ حال کی وضاحت کرتا ہے۔ ناظر عدالت کے اہلکاروں سے سزائے موت پر عملدرآمد میں مدد چاہتا ہے، لیکن سب لوگ زبیر کی زندگی بچانے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور قاضی یحییٰ کو صاف جواب دے دیتے ہیں۔ ان حالات میں قاضی یحییٰ ایک انتہائی مشکل فیصلہ کرتا ہے۔ وہ مجرم یعنی اپنے بیٹے کو سولی کے چبوترے پر لانے کا حکم دیتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے لختِ جگر کو سولی پر لٹکا دیتا ہے۔ یہ حیرت ناک منظر دیکھتے ہوئے۔ زبیر کی دایہ حلاوہ شدتِ جذبات میں کچھ مکالمے ادا کرتی ہے۔ زبیر سزا پانے سے قبل اپنے والد کے ہاتھ چومتا ہے تو

حلاوہ کہتی ہے۔ دیکھو میرا بچہ اس شخص کے ہاتھ چوم رہا ہے اور آنکھوں سے لگا رہا ہے جو اسے سولی پر چڑھانے والا ہے۔ حلاوہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتی ہے کہ میرے ربّ، زبیر کی رُوح کو جلد اپنے دامنِ رحمت میں لے لینا۔ سولی پر لٹکنے کے عمل میں اسے زیادہ تکلیف نہ ہو، زیادہ تڑپنا نہ پڑے۔ اس کی جان جلد نکل جائے۔ حلاوہ زبیر کو دیکھتے ہوئے کہتی ہے کہ میرے بچے اس شخص کے لیے مت تڑپ جو تیری موت کا باعث بنا ہے بلکہ خاموشی سے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دے۔ حلاوہ کے یہ مکالمے ممتا کے جذبات کی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔ اس کی شدید جذباتی گفتگو قاری کے دِل کو گداز بخشتی ہے۔

اقتباس 2: ''آج کے دِن صرف شہر میں وہی شخص داخل ہونے پائے گا، جو کلام پاک کی قسم کھائے گا کہ اسے نوجوان زبیر کی سزا سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔ سمجھی، کوڑھ مغز! ہمارے آدمی تمام راستوں پر پھیل چکے، ایک ایک ناکے کو روک چکے، جس شخص نے قسم نہ کھائی کہ زبیر کا خون اس کے دوش پر نہ ہوگا، وہ اندر نہ گھسنے پائے گا اور یہی جواب قاضی کے حکم پر خود اس کو دیا جائے گا۔ وہ قانون کا غلام ہو یا سلطان کا۔ آج کے دِن اس کے فتوے کی تعمیل نہ ہونے پائے گی۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 85)

حوالہ متن: **سبق کا عنوان** : قرطبہ کا قاضی

مصنف کا نام : سیّد امتیاز علی تاج

سیاق و سباق: ڈرامہ قرطبہ کا قاضی میں قانون کی یکساں عملداری کے زریں اسلامی اصول کو موضوع بنایا گیا ہے۔ غرناطہ کے قاضی یحییٰ بن منصور قتل کے مقدمہ میں اپنے نوجوان بیٹے زبیر کو موت کی سزا سناتے ہیں۔ شہر بھر کے لوگ زبیر سے بہت محبت کرتے ہیں اور اس کی زندگی بچانا چاہتے ہیں۔ زبیر کی دایہ حلاوہ قاضی یحییٰ سے رحم کی درخواست کرتی ہے لیکن قاضی صاحب سزا پر عملدرآمد پر مصر رہتے ہیں۔ قاضی یحییٰ کا ملازم عبداللہ اور زبیر کے دیگر خیر خواہ سزا پر عملدرآمد ناممکن بنانے کے لیے یہ منصوبہ بندی کرتے ہیں کہ شہر کے داخلی راستوں پر اپنے لوگ پھیلا دیئے جائیں جو شہر میں صرف ان لوگوں کو داخل ہونے دیں جو زبیر کی سزا سے قطعی لاتعلقی کا حلف اُٹھائیں۔

تشریح: زبیر کی دایہ حلاوہ اس کی زندگی سے مایوس ہو چکی ہے اور قاضی یحییٰ کے ملازم عبداللہ سے گفتگو میں بار بار اس خدشے کا اظہار کرتی ہے کہ آج کا دِن زبیر کی زندگی کا آخری دِن ہوگا۔ عبداللہ اس کے برعکس خیال ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ زبیر زندہ رہے گا اور لمبی عمر پائے گا۔

حلاوہ قاضی یحییٰ کے ارادے کی پختگی اور قانون کی بالادستی پر اس کے ایمان کو بخوبی جانتی ہے اور غمزدہ لہجے میں زبیر کی زندگی کے خاتمے کا یقین ظاہر کرتی ہے جس پر عبداللہ غصے میں آ جاتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ زبیر کو بچانے کے لیے اس نے دیگر افراد سے مِل کر منصوبہ بندی کر لی ہے۔ آج شہر میں صرف وہی شخص داخل ہونے پائے گا جو قرآن پاک کی قسم اُٹھائے گا کہ اسے زبیر کی سزا سے کوئی مطلب نہیں۔ عبداللہ حلاوہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: اے بے وقوف عورت! ہمارے آدمی تمام راستوں پر پھیل چکے ہیں جو شخص حلف اُٹھانے

میں پس و پیش کرے گا اسے شہر میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ قاضی یحییٰ نے پھانسی پر عملدرآمد کا حکم دیا تو اسے بھی کورا جواب دیا جائے گا۔ عبداللہ فیصلہ کن لہجے میں کہتا ہے کہ قاضی یحییٰ بادشاہ کا غلام ہو یا پھر قانون کا۔ آج کے دِن اس کے فتوے کی تعمیل نہیں ہو سکے گی۔ زبیر کو سولی پر لٹکانا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی زندگی بچ جائے گی۔

مزید معروضی سوالات

س: زبیر کو حلاوہ کے حوالے کیوں کیا گیا؟ اس وقت اس کی عمر کتنی تھی؟

ج: زبیر صرف تین روز کا تھا جب اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اسے تین روز کی عمر ہی میں حلاوہ کے حوالے کر دیا گیا جس نے اس کو اپنا دودھ پلایا۔

س: عبداللہ نے حلاوہ کی مایوس کن گفتگو کا کیا جواب دیا؟

ج: عبداللہ نے کہا کہ آج کے دِن کے اختتام پر بھی زبیر زندہ ہوگا۔ عمر پائے گا اور ربّ العالمین کے فضل و کرم سے تجھے اور مجھے، ہم دونوں کو قبر کے شگاف میں اُتارے گا۔

س: عبداللہ نے حلاوہ کو یہ یقین دہانی کیسے کرائی کہ زبیر کی جان بچ جائے گی؟

ج: عبداللہ نے حلاوہ سے کہا کہ تمام راستوں پر آدمی پھیل چکے ہیں جو شہر میں صرف اسی آدمی کو داخل ہونے دیں گے جو قرآن کی قسم اُٹھائے گا کہ اسے زبیر کی سزا سے کچھ سروکار نہیں۔

س: عبداللہ کے خیال میں چوک میں ہجوم کیوں جمع ہے؟

ج: عبداللہ کہتا ہے کہ لوگ سولی کا تماشا دیکھنے کے لیے نہیں کھڑے ہوئے بلکہ اس لیے کھڑے ہیں کہ یہ ناپاک کام خود کریں گے نہ ہونے دیں گے۔

س: مجرم کو پھانسی دینے والا شخص کہاں چلا گیا؟

ج: عبداللہ قاضی کو بتاتا ہے کہ مجرم کو پھانسی دینے والا شخص منہ اندھیرے ہی کہیں چلا گیا اور کسی کو بتا کر نہیں گیا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

س: قاضی نے پوچھا باہر کون ہے تو عبداللہ نے کیا جواب دیا؟

ج: عبداللہ نے کہا میرے سوا قرطبہ کے سارے مرد گھر کے باہر کھڑے ہوئے ہیں لیکن ان میں سے ایسا کوئی بھی نہیں جو آپ کے فتوے کی تعمیل کر سکے۔

س: قاضی نے عبداللہ کو فتوے کی تعمیل کے لیے کہا تو اس نے کیا جواب دیا؟

ج: عبداللہ نے کہا کہ میں تعمیل نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی اور شخص جسے میں جانتا ہوں، کر سکتا ہے۔ اس فتوے کی تعمیل ابلیس کر سکتا ہے یا آپ خود کر سکتے ہیں۔

س: افسر نے قاضی کو کیا جواب دیا؟

ج: افسر نے کہا حضور! اللہ تعالیٰ مجھے توفیق بخشے کہ آپ کے فرزند کو سولی پر چڑھانے سے پہلے میں خود سولی پر

چڑھ جاؤں۔

س: قاضی نے ہجوم سے مخاطب ہو کر کیا کہا؟

ج: قاضی نے کہا لوگو! ایک مجرم منتظر ہے کہ اسے سولی دی جائے اور سولی دینے والا کوئی نہیں۔ تم میں سے کوئی ہے جو یہ خدمت سرانجام دے سکے۔

س: سولی پر چڑھنے سے پہلے نوجوان زبیر نے کیا کیا؟

ج: نوجوان زبیر کو سولی دینے کے لیے لایا گیا تو اس نے قاضی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ قاضی اس کا والد تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو سولی دے رہا تھا۔

س: قاضی کو واپس آتے دیکھ کر عبداللہ نے حلاوہ سے کیا کہا؟

ج: عبداللہ نے حلاوہ سے کہا وہ آ رہا ہے۔ عورت! دیکھ قاتل آ رہا ہے۔ اس کی رُوح پر کالی رات چھائی ہوئی ہے۔

س: قاضی نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تو حلاوہ نے کیا کہا؟

ج: حلاوہ نے کہا اس نے دروازہ بند کر لیا۔ اس نے خود کو بند کر لیا۔ اب یہ دروازہ کبھی نہ کھلے گا۔ ہم اب اسے کبھی زندہ نہ دیکھ سکیں گے۔

11۔ مواصلات کے جدید ذرائع ـــــ ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 97 : ○ مواصلات : ذرائع نقل وحمل، پیغام رسانی ○ جدید : نیا ○ ذرائع : ذریعہ کی جمع ○ قاصد : پیغام لے کر جانے والا، ڈاکیا ○ منزلیں : سٹاپ، ڈاک کے مراکز ○ جداگانہ : الگ ○ دیوان البرید : ڈاک کا محکمہ ○ پیغام رسانی : پیغام پہنچانا ○ منزلِ مقصود : وہ مقام جہاں پہنچنا ہو ○ بلاد اسلامیہ : اسلامی شہر، اسلامی ممالک ○ فرماں روا : حکمران

صفحہ نمبر 98 : ○ ایجاد : نئی چیز، تخلیق ○ موٹر : کار ○ ٹیلی گرافی : تار پر اطلاع بھیجنا ○ وائرلیس : بغیر تار کے ٹیلی فون ○ ریڈیائی لہریں : بغیر تار کے برقی لہریں ○ آلات : آلہ کی جمع ○ عامل : عمل کرنے والا ○ قطر : وہ خط جو دائرے کے مرکز سے گزر کر اسے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ○ ڈھیلا : مٹی کا ٹکڑا ○ خلل : خرابی ○ پے در پے : مسلسل ○ یکے بعد دیگرے : ایک کے بعد دوسرا

صفحہ نمبر 99 : ○ بناوٹ : ساخت، شکل ○ مائیکروفون : آواز کو ریکارڈ کرنے اور ایمپلی فائر کے ذریعے دُور تک پہنچانے والا آلہ ○ منسلک : جڑا ہوا ○ ٹرانسمیٹر : ریڈیو، ٹی وی یا وائرلیس سیٹ تک الیکٹرانک سگنلز بھیجنے کا کام کرنے والا آلہ ○ ایریل : ریڈیائی لہروں کو بھیجنے اور وصول کرنے والا تار ○ ارتعاش : حرکت، تھرتھراہٹ ○ رسیور : برقی اشارے وصول کرنے والا آلہ ○ ایمپلی فائر : برقی لہروں کی توانائی میں اضافہ کرنے والا آلہ ○ تار گھر : تار بھجوانے کا مرکز

صفحہ نمبر 100 : ○ بحر اوقیانوس : دُنیا کے دوسرے بڑے سمندر کا نام ○ والو : ریڈیائی لہروں کو طاقتور بنانے والا آلہ ○ خفیف : کمزور ○ پیش خیمہ : بنیاد، کسی کام کے آثار ○ بعینہٖ : بالکل اسی طرح ○ اخذ کرنا : حاصل کرنا ○ یکجا کرنا : اکٹھا کرنا، ایک جگہ جمع کرنا ○ پیشین گوئی : مستقبل کی بات پہلے ہی بتا دینا

صفحہ نمبر 101 : ○ فوائد : فائدہ کی جمع ○ مرہونِ منت : احسان مند، ○ ٹرانسسٹر : برقی آلات میں استعمال ہونے والا وہ آلہ جو برقی رو کو کنٹرول کرتا ہے ○ داستان : کہانی ○ ڈایافرام : یہ آلہ جھلی کی شکل کا ہوتا ہے، یہ برقی اشاروں کو آواز میں اور آواز کو برقی اشاروں میں تبدیل کر دیتا ہے ○ تنا ہوتا ہے : نصب کیا گیا ہوتا ہے ○ منتشر ہونا : بکھر جانا ○ صوتی اشارے : آواز کے اشارے

صفحہ نمبر 102 : ○ لائق : قابل ○ رہبر : راہ دِکھانے والا، رہنما ○ کارآمد : مفید ○ ارسال کرنا : بھیجنا ○ بصری اشارے : تصویر کے اشارے

صفحہ نمبر 103 : ○ سبقت : برتری ○ نجی : ذاتی ○ آپریٹر : مشین چلانے والا ○ ڈائریکٹ ڈائلنگ : کسی واسطے کے بغیر بیرونِ ملک ٹیلی فون کرنے کی سہولت ○ مصنوعی سیارے : غیر قدرتی سیارے جنھیں سائنسدان

تیار کر کے خلا میں چھوڑ دیتے ہیں ○ مائیکرو ویو لنکس: برقی مقناطیسی لہروں کے رابطے کا ذریعہ

صفحہ نمبر 104: ○ کارڈلیس: ایسا ٹیلی فون جو کسی تار سے منسلک نہ ہو ○ امتزاج: ملنا، ملانا، آمیزش کرنا ○ بصری ریشے: انتہائی باریک ریشے جو باریکی کے باوجود بہت مضبوط ہوتے ہیں ○ بظاہر: ظاہری طور پر ○ پل بھر میں: لمحہ بھر میں ○ میکانیت: طریق کار ○ توسیع: پھیلاؤ، وسعت

صفحہ نمبر 105: ○ پروسیسنگ یونٹ: کمپیوٹر کا ایک حصہ جو موجودہ معلومات کی روشنی میں مطلوبہ معلومات مہیا کرتا ہے ○ میموری: کمپیوٹر کا ایک حصہ جس میں مواد جمع اور محفوظ ہوتا ہے ○ آؤٹ پٹ: مخرج، کمپیوٹر کا ایک حصہ جس پر الفاظ، تصاویر یا حسابات دکھائے جاتے ہیں ○ نمودار ہونا: ظاہر ہونا، نظر آنا ○ ٹیلے فیکس: فیکس مشین، یہ تحریری پیغام کو اس کی اصل شکل کے بالکل مطابق دوسری جگہ پہنچاتی ہے ○ ٹیلے پرنٹر: ایک مشین جو ٹیلے فیکس اور کمپیوٹر سے تحریر یا تصویر کا پرنٹ حاصل کرنے کا کام کرتی ہے ○ فوقیت: برتری ○ جوں کا توں: ہو بہو، من وعن ○ حتمی: آخری، فیصلہ کن ○ جسامت: حجم ○ جسمانی ساخت ○ منعکس ہونا: عکس پڑنا ○ سطر بہ سطر: ایک کے بعد دوسری سطر ○ مذکورہ بالا: جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، علاوہ ازیں ○ خوش خبری: اچھی خبر ○ بشارت: خوش خبری

سبق کا خلاصہ

پرانے زمانے میں قاصدوں اور گھڑ سواروں کے ذریعے پیغام رسانی کی جاتی تھی۔ ایک گھڑ سوار دس بارہ میل سفر کرتا اور اگلی منزل پر موجود تازہ دم گھڑ سوار کو ڈاک پہنچاتا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا اور اس طرح پیغامات سیکڑوں میل دور تک پہنچائے جاتے۔ مسلم حکمرانوں نے اس سسٹم کو ترقی دی اور ''دیوان البرید'' کے نام سے ایک الگ محکمہ قائم کر دیا۔ انسان سیکڑوں برس تک کبوتروں کو بھی پیغام رسانی کے لیے استعمال کرتا رہا ہے اس سلسلے کا آغاز کس نے کیا یہ معلوم نہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ شام، عراق، مصر اور ایران وغیرہ میں مسلمان حکمرانوں نے یہ ذریعہ اپنایا تھا۔ مغل بادشاہ جہانگیر اور یورپی حکمرانوں نے بھی کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام لیا تھا۔ سائنس نے مواصلات کو بڑی ترقی دی۔ موٹر اور ریل ایجاد ہوئی تو ڈاک انہی ذرائع سے بھیجی جانے لگی۔ 1838ء میں فنلے مورس نے ٹیلی گرافی کا آلہ ایجاد کر دیا۔ 1895ء میں وائرلیس ایجاد ہوا جو کسی تار کے بغیر ریڈیائی لہروں کے ذریعے پیغام پہنچاتا ہے۔ ان لہروں کے سفر کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ اور زمین کا قطر صرف چند ہزار میل ہے اس طرح رابطے کے لیے وقت کا عامل ختم ہو گیا۔ سورج سے روشنی اور حرارت کے علاوہ برقی مقناطیسی لہریں بھی خارج ہوتی ہیں۔ یہ ریڈیائی لہریں بھی کہلاتی ہیں اور آواز کو ایک سے دوسری جگہ پہنچانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ وائرلیس سیٹ میں ایک مائیکروفون اور ایک ٹرانسمیٹر ہوتا ہے۔ پیغام کے الفاظ مائیکروفون میں داخل ہوتے ہیں اور پھر ٹرانسمیٹر کے ذریعے ریڈیائی لہروں کی شکل میں ہوا میں پھیل جاتے ہیں۔ دوسرے وائرلیس سیٹ کا ریسیور ان ریڈیائی لہروں کو وصول کرتا ہے، ایمپلی فائر کے ذریعے طاقت ور بناتا ہے پھر لہریں لاؤڈ سپیکر میں پہنچتی ہیں جو انہیں سننے کے قابل بنا دیتا ہے۔ مارکونی 1895ء میں وائرلیس کے ذریعے

الفاظ نہیں بلکہ صرف ''کھٹ کھٹ کھڑ کھڑ'' کی آواز بھیجنے میں کامیاب ہوا تھا۔ ایریل کی مدد سے اسی سال اس نے آواز ڈیڑھ سو میل دور تک پہنچا دی تھی۔ 1897ء میں وائرلیس کو بحری جہازوں کے درمیان پیغام رسانی اور بعد میں ٹیلی گرام بھیجنے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ جگہ جگہ تار گھر قائم ہوئے۔ پہلا تار 27 مارچ 1899ء کو اٹلی سے فرانس بھیجا گیا تھا۔ بحر اوقیانوس کے پار پہلا تار 27 نومبر 1901ء کو بھیجا گیا۔ 1904ء میں ڈالر فلیمنگ نے ریڈیائی لہروں کو طاقتور بنانے والا والو ایجاد کیا اس طرح وائرلیس سیٹ پر ''کھٹ کھٹ کھڑ کھڑ'' کے بجائے انسانی گفتگو سنائی دینے لگی یہ کامیابی ریڈیو کی ایجاد کا پیش خیمہ بنی۔ اس سے قبل وائرلیس سیٹ صرف بحری جہاز کے درمیان اشاراتی پیغام رسانی اور ٹیلی گرافی وغیرہ کے لیے ہی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ ریڈیائی لہریں ہرٹز نے دریافت کیں لیکن اس سے قبل میکس ول ان کے وجود اور فوائد کی پیش گوئی کر چکا تھا۔ ریڈیو ایجاد تو مارکونی نے کیا لیکن یہ ایجاد میکس ول اور ہرٹز کی تحقیقات اور تجربات کی مرہون منت ہے۔ جون 1948ء میں دو امریکی سائنسدانوں بارڈین اور برٹین نے ٹرانسٹر ایجاد کیا۔

ریڈیو، مائیکروفون میں کان کے پردے سے مشابہ حساس آلہ ڈایافرام ہوتا ہے۔ بولنے کی آواز ڈایافرام میں ارتعاش پیدا کرتی ہے۔ یہ ارتعاش بجلی کے تاروں میں داخل ہو کر برقی لہروں میں تبدیل ہوتا ہے۔ ایمپلی فائر اور ٹرانسمیٹر ان لہروں کو طاقتور بناتے ہیں۔ ٹرانسمیٹر سے برقی لہریں ریڈیائی لہروں میں تبدیل ہو کر ایریل کے تار میں پہنچتی ہیں جو انہیں فضا میں منتشر کر کے دُنیا بھر میں پھیلاتا ہے۔ ریڈیو سیٹ کے اندر موجود ریسیور ان لہروں یا صوتی اشاروں کو پکڑ لیتا ہے۔ ان کمزور صوتی اشاروں کو قابل سماعت بنانے کے لیے ریڈیو کے اندر لاؤڈ سپیکر موجود ہوتا ہے۔ ریڈیو کے والو سے آواز لاؤڈ سپیکر میں پہنچ کر ڈایافرام سے ٹکراتی ہے تو وہ مرتعش ہو جاتا ہے اور آواز صاف سنائی دینے لگتی ہے۔ طیارے بھی اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے ریڈیائی لہروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ریڈیو کی مدد سے طیارے منزل کی سمت میں ریڈیائی لہریں پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح منزل تک ہوائی سڑک بن جاتی ہے اور طیارے کے لیے رہبر کا کام دیتی ہے۔ راڈار بھی ریڈیائی لہروں کی مدد سے کام کرتے ہیں۔

ٹیلی وژن جان بیئرڈ نامی انگریز کی ایجاد ہے۔ یہ ریڈیو کے اصول پر کام کرتا ہے۔ اضافہ یہ ہے کہ صوتی اشاروں کے ساتھ بصری اشارے بھی فضا میں بکھیرے جاتے ہیں جن کو ٹی وی سیٹ وصول کرتا اور تصویر کی شکل میں سکرین پر دکھاتا ہے۔ تصویروں کو برقی لہروں میں تبدیل کرنے کا کام ٹی وی کیمرہ کرتا ہے اور برقی لہروں کو برقی تاروں کے ذریعے ٹی وی سٹیشن سے باہر پہنچایا اور ایریل کے تار کی مدد سے فضا میں بکھیرا جاتا ہے۔

ٹیلی فون ریڈیو اور ٹی وی سے قدیم اور مفید ایجاد ہے کیونکہ اس کے ذریعے دو طرفہ پیغام رسانی ہوتی ہے اور دوسرے ملکوں اور براعظموں میں نجی رابطہ قائم کرنا بھی ممکن ہے۔ موبائل فون کارڈلیس کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اسے 1984ء میں ایجاد کیا گیا۔ یہ ٹیلیفون اور وائرلیس کا امتزاج ہے۔ ٹیلی فون میں مزید تبدیلیوں پر کام

جاری ہے۔ تانبے کی تاروں کی بجائے بصری ریشے استعمال کرنے کی تھیوری پر عمل ممکن ہوسکا تو جدا جدا نمبروں سے ہزاروں آدمی آپس میں گفتگو کرسکیں گے۔ اس کے لیے پیغامات کو برقی لہروں کے بجائے لیزر شعاعوں میں تبدیل کرنا ہوگا۔ کمپیوٹر صرف حساب کتاب کی نہیں بلکہ مواصلاتی مشین بھی ہے۔ کمپیوٹر سے پوچھا جانے والا سوال ٹائپ کرکے اِن پٹ میں داخل کیا جاتا ہے جہاں سے وہ پروسیسنگ یونٹ میں پہنچتا ہے۔ میموری اِسے حسابی یونٹ میں بھیجتا ہے اور حسابی یونٹ جواب تیار کرتا ہے جو کمپیوٹر کے آؤٹ پٹ پر نظر آتا ہے۔

ٹیلی فیکس فوٹو کاپی مشین کے برابر جسامت رکھنے والی مشین ہے اِس کے ذریعے خط کی فوٹو کاپی چند منٹوں میں ایک سے دوسرے مقام تک پہنچ جاتی ہے۔ خط بھیجنے والا کاغذ مشین میں رکھ کر ایسی ہی دوسری مشین کا نمبر ملاتا ہے تو حروف پہلے روشنی کی لہروں اور پھر بجلی کی لہروں میں تبدیل ہوکر فضا میں بکھر جاتے ہیں۔ مشین کے اندر موجود فلورینسنٹ بلب کی روشنی حروف پر پڑتی ہے تو حروف منعکس ہوکر لائٹ سنسر پر پڑتے ہیں۔ لائٹ سنسر انہیں برقی اشارات میں تبدیل کرکے ایمپلی فائر تک پہنچاتا ہے۔ ایمپلی فائر انہیں طاقت ور بنا کر فضا میں بکھیر دیتا ہے۔ وصول کرنے والی مشین اِن برقی لہروں کو روشنی کی لہروں میں تبدیل کرکے اِس کی فوٹو کاپی اِس کام کے لیے مخصوص کاغذ پر اُتارتی ہے۔

زمانہ قدیم میں تحریری یا زبانی پیغامات قاصدوں کے ذریعے بھیجے جاتے تھے اور اِس میں وقت بھی لگتا تھا لیکن اب اپنی آواز اور اپنی تحریر میں پیغام وقت ضائع کیے بغیر پہنچایا جاسکتا ہے۔ بہت جلد پیغام بھیجنے والے کی تصویر دیکھنا بھی ممکن ہوگا اور ایک تار پر ہزاروں آدمی پیغام رسانی کرسکیں گے۔

مشقی سوالات

1۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے مختصر جواب دیجیے۔

الف: قدیم زمانے میں ایک دوسرے کو خط کیسے بھیجے جاتے تھے؟

جواب: قدیم زمانے میں پیدل یا گھڑسوار قاصدوں کے ذریعے خط بھیجے جاتے تھے۔ ہر دس، بارہ میل کے فاصلے پر چوکیوں میں تازہ دم گھڑسوار موجود رہتے۔ خط ایک سے دوسرے قاصد کے ہاتھ میں سفر کرتا تیز رفتاری سے اپنی منزل تک پہنچ جاتا تھا۔ کبوتروں کے ذریعے بھی خط پہنچائے جاتے تھے۔

ب: ابتدائی مسلمان حکمرانوں نے پیغام رسانی کے لیے کون سا جداگانہ محکمہ قائم کیا؟

جواب: مسلمان حکمرانوں نے مواصلات کے نظام کو ترقی دینے کے لیے ''دیوان البرید'' کے نام سے جداگانہ محکمہ قائم کیا تھا۔

ج: کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام کیسے لیا جاتا تھا؟ مسلمان حکمرانوں کو اس ضمن میں کیا سبقت حاصل ہے۔

جواب: خط کبوتر کی گردن یا بازو میں باندھ کر اسے اُڑا دیا جاتا تھا۔ کبوتر اسے منزلِ مقصود پر پہنچا دیتا تھا۔ مسلم حکمرانوں نے شام، عراق، مصر اور ایران سمیت پوری مسلم دُنیا میں پیغام رسانی کے لیے کبوتروں کو استعمال کیا۔

مغل بادشاہ جہانگیر نے پیغام رسانی کے لیے کبوتر پال رکھے تھے۔

د: ریڈیو کی ایجاد میں مارکونی نے کیا کارنامہ سرانجام دیا؟

جواب: مارکونی ۱۸۹۵ء میں وائرلیس بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس کے ذریعے الفاظ نہیں بلکہ ''کھٹ کھٹ، کھڑ کھڑ'' کی آواز چند گز دوری تک پہنچائی جا سکتی تھی۔ مارکونی تجربات کرتا رہا اور اسی برس وائرلیس کی آواز کو ایریل کی مدد سے ڈیڑھ سو میل تک پہنچانے میں کامیاب ہوا۔

ہ: وائرلیس کی ایجاد کس اصول کے تحت ہوئی؟

جواب: وائرلیس کی ایجاد اس اصول کے تحت ہوئی کہ سورج سے نکلنے والی برقی مقناطیسی لہریں (ریڈیائی لہریں) آواز کو دُور تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتی ہیں، تاہم اس مقصد کے لیے ریڈیائی لہروں میں ارتعاش پیدا کرنا ضروری ہے۔

و: وائرلیس کا استعمال پہلے پہل کن لوگوں نے کیا؟

جواب: وائرلیس کو سب سے پہلے بحری جہازوں کے درمیان پیغام رسانی کے لیے استعمال کیا گیا۔ خطرے میں گھرا ہوا جہاز اپنے وائرلیس سیٹ سے مخصوص اشارے ارسال کرتا تھا جنھیں سنتے ہی دوسرے جہاز پر موجود عملہ سمجھ جاتا تھا کہ اس جہاز کو ہیلپ Help کی ضرورت ہے۔

ز: ریڈیو کی ایجاد سے طیاروں کو کیا فائدہ پہنچا؟

جواب: ریڈیو کی ایجاد کے بعد طیارے اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے ریڈیائی لہروں سے رہبری حاصل کرنے لگے۔ دورانِ پرواز میں طیارے ریڈیو کی مدد سے اپنی منزل کی سمت میں ریڈیائی لہریں پیدا کرتے ہیں جس سے طیارے کی منزل تک ریڈیائی سڑک بن جاتی ہے۔

ح: ٹیلی وژن کس اصول کے تحت کام کرتا ہے؟

جواب: ٹیلی وژن ریڈیو کے اصول کے تحت ہی کام کرتا ہے البتہ اس میں صوتی اشاروں کے ساتھ ساتھ بصری اشارے بھی ریڈیائی لہروں کے ذریعے فضا میں بکھیرے جاتے ہیں۔

ط: ٹیلی وژن کا کیمرہ مووی کیمرے سے کس لحاظ سے مختلف ہوتا ہے؟

جواب: ٹیلی وژن کے کیمرے میں مووی کیمرے کی طرح فلم کی ریل یا ٹیپ نہیں ہوتی۔ یہ تصویروں کو برقی لہروں میں تبدیل کرتا ہے اور پھر بصری اشاروں کی صورت میں (ایریل کے ذریعے) فضا میں بکھیرتا ہے۔

ی: ٹیلی فون کو ریڈیو اور ٹیلی وژن پر کس لحاظ سے سبقت حاصل ہے؟

جواب: ٹیلی فون کو ریڈیو اور ٹیلی وژن پر دو باتوں میں سبقت حاصل ہے۔ ایک یہ کہ اس کے ذریعے دو طرفہ پیغام رسانی ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ وہ نجی ضرورتوں میں بھی کام آتا ہے۔

ک: موبائل ٹیلی فون کس اصول کے تحت کام کرتا ہے؟

جواب: موبائل ٹیلی فون کو ٹیلی فون اور وائرلیس کا امتزاج کہا جا سکتا ہے۔ یہ کارڈلیس کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

ل: کمپیوٹر کس اصول پر کام کرتا ہے؟

جواب: کمپیوٹر سے پوچھا جانے والا سوال ٹائپ کر کے ان پٹ میں ڈالا جاتا ہے۔ سوال بجلی کی لہروں میں تبدیل ہو کر پروسیسنگ یونٹ میں پہنچتا ہے۔ پروسیسنگ یونٹ کا ایک حصہ حسابی یونٹ اس کا جواب تیار کرتا ہے۔ جواب کمپیوٹر کے آؤٹ پٹ پر نمودار ہوتا ہے۔

م: ٹیلی فیکس کسے کہتے ہیں؟ اس کے ذریعے خط بھیجنے کا طریقہ بیان کیجیے؟

جواب: ٹیلی فیکس مواصلات کا وہ نظام ہے جو کسی بھیجنے والے کے خط کی فوٹو کاپی چند لمحوں میں وصول کرنے والے تک پہنچا دیتا ہے۔ بھیجنے والا اپنا خط ٹیلی فیکس مشین میں رکھ کر وصول کرنے والے کی مشین کا نمبر ملاتا ہے۔ فیکس مشین خط کے حروف کو برقی اشارات میں بدل کر فضا میں بکھیر دیتی ہے۔ وصول کرنے والی مشین ان برقی اشارات کو روشنی کی لہروں میں تبدیل کر کے خط کا عکس سادہ کاغذ پر اُتارتی ہے۔

2: مندرجہ ذیل الفاظ میں سے مناسب الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے خالی جگہیں پُر کیجیے:

الف: اس کے لیے ایک جداگانہ محکمہ قائم کر دیا تھا جو دیوان البرید کہلاتا تھا۔

ب: ریڈیائی لہروں کے سفر کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔

ج: ایمپلی فائر آواز کی لہروں کو طاقتور بنا دیتا ہے۔

د: وائرلیس کو سب سے پہلے بحری جہازوں کے درمیان پیغام رسانی کے لیے استعمال کیا گیا۔

ہ: ٹیلی ویژن جان بیئرڈ نے ایجاد کیا۔

3: اس سبق میں جن جن سائنس دانوں (موجدوں) کا نام آتا ہے۔ ان کی ایک فہرست مرتب کیجیے۔

جواب: فنلے مورس، مارکونی، ڈاکٹر فلیمنگ، ہرٹز، میکسول، ہارڈین، برٹین، جان بیئرڈ۔

4: درج ذیل جملوں کو رموزِ اوقاف کی علامتوں کا درست استعمال کر کے دوبارہ لکھیے:

جواب: جملے ملاحظہ ہوں۔

الف: دن ہو کہ رات، سفر ہو کہ حضر، خلوت ہو یا جلوت، انسان کو چاہیے کہ وہ خدا کو نہ بھولے۔

ب: قائداعظم کا فرمان: ''اتحاد، تنظیم اور یقین محکم'' ہمارے لیے آج بھی مشعلِ راہ ہے۔

ج: باپ نے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''بیٹا! محنت کرو، محنت کا پھل ضرور ملے گا۔''

☆ سیاق و سباق کے حوالے سے اہم اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1: ''پہلے زمانے میں بھیجنے والے کا پیغام کبھی صرف تحریر کی صورت میں یا قاصد کی زبانی پہنچا کرتا تھا، مگر جدید زمانے میں اب وہ ان دونوں طریقوں کے علاوہ خود اپنی زبان میں اور اپنی تحریر میں بھی پہنچنے لگا ہے۔ علاوہ ازیں پہلے ان کاموں میں وقت لگتا تھا مگر اب وقت بالکل نہیں لگتا۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 106)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : مواصلات کے جدید ذرائع

مصنف کا نام : ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن

سیاق وسباق: ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن نے دورِ قدیم سے عہدِ جدید تک ذرائع مواصلات کے تدریجی ارتقا کا جائزہ لیا ہے۔ معلومات سے بھرپور مضمون ہمیں انسانی حیات میں سائنس کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔ پرانے زمانے میں قاصدوں کے ذریعے پیغام رسانی ہوتی تھی جو کبھی کبوتر ہوتے تھے تو کبھی گھڑسوار، پھر سائنسدان ایجادات کا ایک جہان آباد کرتے گئے۔ وائرلیس، ٹیلی گراف، ریڈیو، ٹیلی فون، ٹیلی وژن، کمپیوٹر، فیکس مشین اور موبائل فون نے مواصلات کی دُنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ ہم اپنا پیغام اپنی تحریر یا آواز کی صورت میں دُنیا کے کسی بھی کونے میں پہنچا سکتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ پیغام رسانی کے اس عمل میں کوئی وقت بھی نہیں لگتا۔ سائنسی ترقی کا یہ سفر ابھی جاری ہے اور مواصلات کی دُنیا میں مزید نئی ایجادات اور انقلابات کا امکان ہے۔

تشریح: یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ سائنس نے انسان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا ہے اور انسان کے لیے بے شمار آسانیاں مہیا کی ہیں۔ آج ایک عام آدمی جن سہولیات سے مستفید ہو رہا ہے زمانہ قدیم کے شہنشاہ تک ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سکندرِ اعظم، چنگیز خان، جلال الدین محمد اکبر اور جہانگیر جیسے بادشاہ اور فاتح پیغام رسانی کے لیے گھڑسواروں کو دوڑاتے تھے یا پھر کبوتروں کو اُڑاتے تھے۔ یہ لوگ اپنی آواز میں پیغام بھیجنے کی سہولت سے محروم تھے جبکہ آج صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔ ایک عام آدمی بھی موبائل فون لیے پھرتا ہے اور سیکڑوں ہزاروں میل دُور رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ اس کا پیغام اسی کی آواز میں سات سمندر پار بھی پہنچ جاتا ہے۔ تحریری پیغام بھجوانا مقصود ہو تو وہ فیکس مشین استعمال کرتا ہے اور اس کے خط کی فوٹو کاپی چند لمحوں میں ہزاروں میل دُور موصول ہو جاتی ہے۔ کمپیوٹر کے ذریعے پیغام رسانی یعنی ای میل سسٹم اس کے علاوہ ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ پیغام رسانی میں وقت بالکل نہیں لگتا۔ بات ایک شخص کی زبان سے نکلتی اور دوسرے شخص کی سماعت تک پہنچ جاتی ہے۔ مواصلات کی دُنیا میں حیرت انگیز ترقی کو تسخیرِ کائنات کی انسانی کوششوں کے سفر کا ایک اہم سنگِ میل قرار دیا جا سکتا ہے۔

اقتباس 2: ''بہت زمانے تک مواصلات یا پیغام رسانی کا کام کبوتروں سے بھی لیا گیا۔ خط اس کی گردن میں یا اس کے بازو میں باندھ دیا جاتا اور وہ اسے منزلِ مقصود پر پہنچا دیتا۔ ان کے ذریعے سیکڑوں سال تک پیغام رسانی ہوئی۔ انھیں پہلی بار کس نے استعمال کیا، اس کا تو علم نہیں مگر یہ بات تاریخ کی کتابوں میں بہ کثرت موجود ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے انھیں پورے بلادِ اسلامیہ میں استعمال کیا ہے۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ نمبر 97)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : مواصلات کے جدید ذرائع

مصنف کا نام : ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن

سیاق وسباق: ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن نے اپنے معلوماتی مضمون میں مواصلاتی ذرائع میں ارتقا اور سائنسی پیش رفت کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ زمانۂ قدیم میں پیغام رسانی کا کام گھڑسواروں سے لیا جاتا تھا لیکن وقت کے ساتھ

ساتھ انسان سائنس کے میدان میں آگے بڑھتا رہا۔ مختلف سائنسدانوں نے وائرلیس، ٹیلی گراف، ریڈیو، ٹی وی، ٹیلی فون، کمپیوٹر، فیکس مشین اور موبائل فون جیسی مفید مشینیں ایجاد کیں جنھوں نے دُنیا بھر میں رابطے کو آسان بنا دیا۔ آج ہر عام آدمی دُنیا کے کسی بھی حصے میں اپنا پیغام اپنی آواز میں پہنچا سکتا ہے۔ ٹیلی فون پر پیغام رسانی کے باعث وقت کی بچت بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح فیکس مشین کے ذریعے اپنی تحریر وقت ضائع کیے بغیر ہزاروں میل دُور بھیجی جا سکتی ہے۔ دَورِ قدیم میں مسلم حکمرانوں سمیت دُنیا بھر کے حکمرانوں نے کبوتروں کو بھی بطورِ قاصد استعمال کیا جو پیغام رسانی کا ایک منفرد ذریعہ ثابت ہوئے۔

تشریح: دَورِ جدید میں ذرائع مواصلات کے میدان میں اتنی ترقی ہو چکی ہے کہ آج کا انسان قدیم زمانے میں مواصلات کے ذرائع کے متعلق جان کر حیرانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آج موبائل فون، ای۔میل اور فیکس مشین کا زمانہ ہے لیکن ماضی میں پیغام رسانی کے لیے کبوتروں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ کبوتروں کا بطورِ قاصد استعمال سیکڑوں برسوں تک ہوتا رہا۔ اس مقصد کے لیے کبوتروں کو خاص تربیت دی جاتی تھی۔ تحریری پیغام کبوتر کی گردن یا بازو میں باندھ کر اسے اُڑایا جاتا۔ تربیت یافتہ کبوتر یہ خط لے کر اس جگہ اُترتے تھے جہاں پیغام پہنچانا مقصود ہوتا تھا۔ پیغام رسانی کا یہ ذریعہ اس دَور میں رائج دوسرے ذرائع مثلاً گھڑ سوار قاصدوں کے مقابلے میں تیز رفتار تھا اور اس سے وقت کی کافی بچت ہوتی تھی۔ کبوتروں کو بطورِ قاصد استعمال کرنے کا آغاز کس نے کیا؟ اس بارے میں تاریخ ہمیں کچھ نہیں بتاتی لیکن یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے پیغام رسانی کے اس ذریعے سے خوب فائدہ اُٹھایا اور تمام اسلامی ممالک اور شہروں میں کبوتروں کو بطورِ قاصد استعمال کیا گیا۔ ہندوستان کے مغل بادشاہ بھی کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں جہانگیر کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس نے قاصد کبوتروں کی پرورش اور تربیت کا خصوصی انتظام کر رکھا تھا۔

مزید معروضی سوالات

س: گھڑ سواروں کے ذریعے پیغام رسانی کا کام کیسے ہوتا تھا؟

ج: دس دس، بارہ بارہ میل پر منزلیں بنی ہوتی تھیں، جہاں تازہ دم گھوڑے موجود ہوتے تھے۔ ایک گھڑ سوار خط اگلی منزل کے گھڑ سوار کو دیتا۔ اگلا گھڑ سوار یہی عمل دُہراتا اس طرح خط منزل تک پہنچ جاتا۔

س: کن مسلم ممالک کے حکمرانوں نے کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام لیا؟

ج: شام، عراق، مصر اور ایران کے حکمرانوں نے کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام لیا۔ مغل بادشاہ جہانگیر نے بھی پیغام رساں کبوتر پال رکھے تھے۔

س: کس آلے نے پیغام رسانی کے لیے موٹر اور ریل کی محتاجی ختم کر دی؟

ج: ٹیلی گراف نے موٹر اور ریل کی محتاجی ختم کر دی۔

س: وائرلیس نے وقت کے عامل کو کس طرح ختم کر دیا؟

ج: وائرلیس پیغام جن لہروں کے ذریعے بھیجا جاتا ہے ان کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے جبکہ ہماری زمین کا قطر صرف چند ہزار میل ہے۔ اس طرح پیغام رسانی میں سے وقت کا عامل ختم ہو گیا۔

س: مارکونی نے وائرلیس کے ذریعے پہلا پیغام کیا بھیجا؟

ج: 1895ء میں وائرلیس ایجاد کرنے کے بعد مارکونی صرف ''کھٹ کھٹ، کھڑ کھڑ'' کی آواز پر مشتمل پیغام بھیجنے میں کامیاب ہوا کیونکہ اس وقت تک الفاظ بھیجنا ممکن نہیں تھا۔

س: ریڈیائی لہروں کو کس نے دریافت کیا تھا؟

ج: ریڈیائی لہروں کو ہرٹز نے دریافت کیا تھا۔

س: ریڈار ہوائی جہازوں کے متعلق علم کس ذریعے سے حاصل کرتے ہیں؟

ج: ہوائی جہاز دوران پرواز میں ریڈیائی لہریں پیدا کرتے ہیں۔ ریڈار ان ریڈیائی لہروں کی مدد سے آنے اور جانے والے جہازوں کے متعلق علم حاصل کرتے ہیں۔

س: موبائل ٹیلی فون کب ایجاد ہوا؟

ج: موبائل ٹیلی فون 1984ء میں ایجاد ہوا۔

س: ٹیلی فیکس مشین کی جسامت کتنی ہوتی ہے؟

ج: ٹیلی فیکس مشین کی جسامت فوٹو کاپی مشین کے برابر ہوتی ہے۔

س: ٹیلی فیکس کے اندر استعمال ہونے والے کاغذ کا نام کیا ہے؟

ج: ٹیلی فیکس میں خاص قسم کا کاغذ استعمال کیا جاتا ہے جسے تھرمل پیپر کہتے ہیں۔

س: ڈاکٹر فلیمنگ کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

ج: ڈاکٹر فلیمنگ ایک انگریز سائنسدان تھا۔ اس نے وائرلیس کے لیے ایک والو ایجاد کیا تھا۔ یہ والو خفیف ریڈیائی لہروں کو طاقت ور بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

س: بصری ریشہ کیا چیز ہے اور کیا کام کرے گا؟

ج: بصری ریشہ بال کی طرح باریک لیکن مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے استعمال سے ایک تار پر جدا جدا نمبروں سے ایک وقت میں کئی ہزار آدمی گفتگو کر سکیں گے۔

12۔ مولوی نذیر احمد دہلوی ـــ شاہد احمد دہلوی

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 109: ○ کھاری: نمکین ○ باؤلی: وہ بڑا کنواں جس میں سیڑھیاں بنی ہوتی ہیں تاکہ مسافر بغیر رسّی ڈول کے نیچے اُتر کر پانی لے سکیں ○ کھاری باؤلی: دہلی کا ایک محلّہ ○ دالان: برآمدہ ○ دروں: دروازوں ○ کواڑوں کی جوڑیاں چڑھی ہوئی تھیں: دوپٹ کے دروازے نصب تھے ○ بستے: چوکھٹے ○ رنگ بہ رنگ: مختلف رنگوں کے ○ کنٹوپ: وہ ٹوپی جس سے کان بھی ڈھانپے جا سکیں ○ دِل کی بھڑاس نکلنا: دِل ہلکا ہو جانا ○ اشرفی: سونے کا سکہ، ○ زمانہ سازی: چالاکی ○ مامور: متعین ○ باک: ڈر، خوف

صفحہ نمبر 110: ○ والی: حکمران ○ جاورہ: ہندوستان کی ایک مسلم ریاست ○ طبیبوں: حکیموں ○ رُوداد: کہانی، قصہ ○ چھاپہ خانہ: پریس ○ ستّرے بہتّرے ہونا: بہت بوڑھا ہو جانا ○ صاحب احسن التفاسیر: احسن التفاسیر کے مصنف ○ خویش: رشتے دار ○ جھانوا: مٹی سے بنا اوزار جس سے بدن کو رگڑ کر میل اُتارا جاتا ہے ○ کٹڑا: محلّہ ○ گٹے پڑنا: پیشانی، کہنیوں، گھٹنوں یا ٹخنوں کی جلد کا سخت اور سیاہی مائل ہو جانا ○ آبدیدہ ہونا: رونا ○ مصائب: مشکلات ○ کڑکڑاتے جاڑوں میں: سخت سردی میں ○ بساط: حیثیت، طاقت ○ علی الصباح: صبح سویرے

صفحہ نمبر 111: ○ ضدن: ضدی عورت ○ قدرت کی ستم ظریفی: تقدیر کا ستم، مقدر کی خرابی ○ غیور: غیرت مند ○ مرفہ الحال: دولت مند ○ کھنڈلا: جھونپڑا ○ ہلگانا: پھنسانا ○ فارغ التحصیل ہونا: تعلیم مکمل کرنا ○ اپلوں کی ڈنڈی: اُپلوں کا ٹال ○ لیترا: ٹوٹا ہوا جوتا ○ تعظیماً: ادب کے ساتھ ○ آداب بجالانا: سلام کرنا

صفحہ نمبر 112: ○ حکام: حاکم کی جمع ○ معزز: عزت والا ○ غبن: فراڈ، خیانت ○ محال: بہت مشکل ○ داے، درے، قدے، سخنے: روپے پیسے سے، عملی طور پر، زبان سے ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ○ محاسب: حساب کتاب کرنے والا ○ ڈھارس بندھانا: حوصلہ بڑھانا ○ چندہ اگاہنا: چندہ جمع کرنا ○ کارآمد: کام آنے والا ○ قوتِ تقریر: تقریر کرنے کی صلاحیت ○ استعداد: قابلیت، ہمت ○ پس و پیش کرنا: ٹال مٹول کرنا ○ دُشوار: مشکل ○ پنشن: مدت ملازمت پوری ہونے پر ملنے والا وظیفہ

صفحہ نمبر 113: ○ ردوقدح: بحث و تکرار ○ جید عالم: بہت بڑا عالم ○ نظرثانی کرنا: دوبارہ دیکھنا ○ پروف دیکھنا: تحریر کو پڑھ کر غلطیوں کی نشاندہی کرنا ○ ترمیم: تبدیلی ○ شستہ و رفتہ: صاف اور رواں، پاک صاف، سلیس ○ بامحاورہ: درست محاورے کے مطابق ○ توشۂ آخرت: نیک اعمال جو آخرت میں کام آئیں

سبق کا خلاصہ

میں نے مولوی نذیر احمد کو پانچ برس کی عمر میں دیکھا۔ ہم تین بھائی حیدر آباد دکن سے ابا کے ساتھ

دہلی آئے تھے۔ یہ نذیر احمد کے بڑھاپے کا زمانہ تھا ابا اِن سے لپٹ کر خوب روئے پھر ہمیں کہا کہ دادا ابا کو سلام کرو۔ دادا نے ہمیں پیار کیا اور ایک ایک اشرفی بھی دی۔ اِس کے بعد انہیں دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ مولوی نذیر احمد حق گو تھے اِسی لیے دکن میں گزارا نہ کر سکے اور پنشن لے کر دہلی آ گئے ''غیور جنگ'' کا خطاب بھی قبول نہ کیا۔ نواب افتخار علی خاں والی ریاست جاورہ کے بھائی نواب سرفراز علی نے شدید بیماری کے عالم میں خواب دیکھا کہ مولوی نذیر انہیں ''ترجمۃ القرآن'' شائع کرانے کا حکم دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اِس طرح تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔ نواب سرفراز نے مولوی نذیر احمد کے بیٹے سے اجازت لے کر ترجمہ چھپوایا اور واقعی بالکل صحت مند ہو گئے۔ مولوی نذیر احمد کی کہنیوں پر میل کی تہہ دیکھ کر ان کے عزیز مولوی احمد حسن نے جھانوے سے صاف کرنے کی اجازت مانگی تو مولوی صاحب نے بتایا کہ طالب علمی کے زمانے میں رات رات بھر مسجد کے فرش پر کہنیاں ٹکائے پڑھا کرتا تھا پہلے کہنیوں میں زخم ہوئے پھر گٹے پڑ گئے۔ مولوی نذیر احمد اپنا وہ زمانہ یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے۔ وہ بچپن میں شدید سردی کے موسم میں مسجد کی صف میں لپٹ کر سویا کرتے تھے۔ صبح آنکھ نہ کھلتی تو ملاّ لات رسید کرتا۔ یہ لڑھکتے چلے جاتے اور صف بھی بچھ جاتی۔ محلے کے گھروں سے روٹی بھی لانا پڑتی تھی۔ مولوی عبدالقادر کے گھر میں تو اِن سے چھوٹے موٹے کام بھی کروائے جانے لگے۔ اِن کی لڑکی انہیں مارتی پیٹتی رہتی تھی۔ ایک بار اِن کے ہاتھ بھی کچل ڈالے۔ بعد میں اِسی لڑکی سے مولانا کی شادی ہوئی۔ وہ بہت غیور تھے۔ شادی ہوئی تو پندرہ روپے کے ملازم تھے۔ سسرال والے مالدار تھے لیکن مولوی صاحب نے اِن کے ساتھ رہنے کے بجائے الگ گھنڈ لا لیا۔ گھر میں ایک جوتی تھی کبھی بیوی پہنتیں اور کبھی میاں۔ دِلی کالج سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولوی صاحب کو ملازمت نہ ملی تو پرنسپل سے کہا کہ اپلوں کی ڈنڈی کھول کر اِس پر دِلی کالج کی سند لگا دوں گا۔ اِس کی نوبت نہیں آئی اور ملازمت مل گئی لاہور سے دہلی آتے ہوئے ٹرین کے سفر میں سرسیّد احمد خان نے کہا مولوی صاحب! میں آپ کے جوتے کے تسمے باندھنے کے لائق بھی نہیں۔ مولوی صاحب کھڑے ہو کر تعظیماً تین آداب بجا لائے۔ سرسیّد عمر میں اِن سے بیس بائیس برس بڑے تھے۔ مولوی صاحب ان کی عزت کرتے تھے۔ علی گڑھ کالج کے ہندو محاسب نے لاکھوں کا غبن کیا تو دہلی پہنچے اور سرسیّد سے کہا روپیہ کی ضرورت ہو تو حاضر ہے اور کوئی خدمت ہے تو مجھے بتائیں۔ سرسیّد چندہ جمع کرنے کے سلسلے میں دوروں میں مولوی نذیر کو ساتھ رکھتے تھے۔ مولوی صاحب مشہور انگریز مقرر برک کے پائے کے مقرر تھے۔ پرانے سامعین کی رائے ہے کہ مولوی نذیر اور بہادر یار جنگ سامعین پر جادو کرنے کی صلاحیت رکھنے والے مقرر تھے وہ اپنی تقریر سے لوگوں کی جیبیں خالی کروا لیتے۔ عورتیں اپنے زیور تک دے دیتیں۔ مولوی نذیر احمد عربی کے زبردست عالم تھے۔ دوستوں کا دیرینہ تقاضا تھا کہ قرآن کا ترجمہ کریں مگر وہ کہتے کہ یہ علمائے دین کا کام ہے۔ پنشن پانے کے بعد تیسیر کا ترجمہ کیا تو اندازہ ہوا کہ ترجمہ قرآن مشکل کام نہیں، صرف ہچکچاہٹ ہے۔ ایک ایک لفظ پر مکمل توجہ اور عالموں سے مشاورت کے بعد ترجمہ مکمل کیا اور پھر علما سے نظر ثانی بھی کروائی۔ مولوی صاحب

بعد میں بھی ترامیم کرتے رہے اور مکمل اطمینان ہونے کے بعد اسے شائع کیا گیا۔ اس کام میں ڈھائی سال لگے لیکن ترجمہ ایسا ہے کہ پچاس برس میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ سب کتابیں دوسروں کے لیے لکھی ہیں اور ترجمہ اپنے لیے کیا ہے۔ یہی میرا توشۂ آخرت ہے۔

مشقی سوالات

1۔ مختصر جواب دیجیے۔

الف: مصنف نے مولوی نذیر احمد کو پہلے پہل کب اور کن حالات میں دیکھا تھا؟

جواب: مصنف نے صرف پانچ برس کی عمر میں مولوی نذیر احمد کو دیکھا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ حیدرآباد سے مولوی نذیر احمد کے گھر پہنچے تو مولوی صاحب پلنگ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مصنف کے والد مولوی نذیر احمد سے گلے مل کر خوب روئے پھر مصنف کو حکم دیا کہ دادا کو سلام کرو۔ انھوں نے سلام کیا تو مولوی صاحب نے پیار کیا اور ایک اشرفی بھی دی۔

ب: مولوی نذیر احمد کے لیے حیدرآباد دکن میں کیا خطاب تجویز ہوا تھا؟

جواب: مولوی نذیر احمد کے لیے حیدرآباد دکن میں ''غیور جنگ'' کا خطاب تجویز کیا گیا تھا مگر انھوں نے قبول نہیں کیا۔

ج: ریاست جاورہ کے نواب کے بھائی معجزاتی طور پر کیسے صحت یاب ہوئے؟

جواب: نواب افتخار علی خاں والی ریاست جاورہ کے بھائی نواب سرفراز علی خاں نے مولوی نذیر احمد کو خواب میں دیکھا کہ ان سے کہہ رہے ہیں ''ہمارے قرآن کا ترجمہ چھپوالو، اچھے ہو جاؤ گے'' نواب صاحب نے ترجمہ قرآن دو بڑی خوبصورت جلدوں میں شائع کروایا اور خدا کے فضل سے بالکل تندرست ہو گئے۔

د: مولوی نذیر احمد کی کہنیوں پر گٹے کیسے پڑے تھے؟

جواب: مولوی نذیر احمد بچپن میں مسجد میں طالب علم تھے اور رات بھر مسجد کے فرش پر کہنیاں ٹکائے پڑھا کرتے تھے۔ اس وجہ سے پہلے کہنیوں میں زخم ہوئے اور پھر گٹے پڑ گئے۔

و: مولوی نذیر احمد کا بچپن کن حالات میں بسر ہوا؟

جواب: مولوی نذیر احمد کا بچپن انتہائی عسرت اور تنگ دستی میں بسر ہوا۔ وہ سخت سردی کے موسم میں مسجد میں ٹاٹ کی دری میں لپٹ کر سوتے تھے۔ مسجد کا ملا صبح آ کر لات رسید کرتا تو نذیر احمد لڑھکتے چلے جاتے اور صف بھی بچھ جاتی۔ نذیر احمد کو محلے کے گھروں سے روٹی مانگ کر لانا پڑتی تھی۔ ان گھروں میں ان سے چھوٹے موٹے کام بھی لیے جاتے تھے مثلاً سودا سلف لانا۔

ہ: جب ایک ہندو محاسب نے علی گڑھ کالج میں لاکھوں کا غبن کیا تو نذیر احمد نے سرسید سے کیا کہا؟

جواب: نذیر احمد خبر سن کر دلی سے علی گڑھ پہنچے اور سرسید کا حوصلہ بڑھایا۔ بولے ''اگر روپے کی ضرورت ہو تو یہ

روپیا اس وقت موجود ہے، لے لو اور بھی دوں گا، اگر کسی خدمت کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔'' سرسیّد اس خلوص سے بے حد متاثر ہوئے۔

ز: موثر تقریر کرنے کے ضمن میں کن دو آدمیوں کا شہرہ تھا؟

جواب: موثر تقریر کرنے کے ضمن میں مولوی نذیر احمد اور نواب بہادر یار جنگ کا شہرہ تھا۔ یہ دونوں اپنی خطابت سے سامعین پر جادو سا کر دیتے تھے اور قومی فلاح کے کاموں کے لیے چندہ اکٹھا کرتے ہوئے عورتوں کے زیور تک اُتروالیا کرتے تھے۔

ح: مولوی نذیر احمد اپنا توشۂ آخرت کسے گردانتے تھے؟

جواب: مولوی نذیر احمد ترجمۃ القرآن کو اپنا توشۂ آخرت گردانتے تھے۔ انھیں اپنی سب کتابوں میں سے یہی کتاب پسند تھی۔ فرماتے تھے کہ میں نے اور سب کتابیں دوسروں کے لیے لکھی ہیں اور ترجمہ اپنے لیے کیا ہے۔

2: درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اِس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

○ دل کی بھڑاس نکالنا: ہاکی کے میچ میں شکست کے بعد پاکستانی کوچ کی مسلسل بیان بازی' دل کی بھڑاس نکالنے کے مترادف ہے۔

○ لات رسید کرنا: ڈپٹی نذیر احمد کے استاد علی الصبح شاگردوں کو اُٹھانے کے لیے لات رسید کیا کرتے تھے۔

○ ڈھارس بندھانا: اچھا دوست مشکل حالات میں ہمیشہ ڈھارس بندھاتا ہے۔

○ جادو کرنا: نہ جانے افشاں نے کیا جادو کر دیا ہے کہ آسیہ ہر وقت اُس کے گُن گاتی رہتی ہے۔

○ رام کرنا: مولانا صاحب کی تقریر اتنی دلنشیں ہوتی ہے کہ سننے والوں کو رام کر لیتی ہے۔

○ طوطی بولنا: ہندوستان میں نواب بہادر یار جنگ کی تقریر کا طوطی بولتا تھا۔

○ درگت بننا: نہرو کی یو۔این۔او کے اجلاس میں کشمیر کے مسئلے پر وہ درگت بنی جو ہندوستان کبھی نہیں بھول سکتا

○ خبر آگ کی طرح پھیلنا: قائداعظمؒ کی رحلت کی خبر پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔

○ تل دھرنے کو جگہ نہ رہنا: مشاعرہ سننے کے لیے لوگ اتنی بڑی تعداد میں جمع تھے کہ پنڈال میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تھی۔

○ پہلو بدلنا: لگتا ہے آج امجد کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ اس لیے وہ بے قراری سے پہلو بدل رہا ہے۔

○ پس وپیش کرنا: سرسیّد احمد خاں کی حمایت میں ڈپٹی صاحب کبھی پس وپیش نہیں کرتے تھے۔

3۔ درج ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب کی مدد سے واضح کیجیے۔

غَیُّوْر' تَاَسُّف' اَحْسَنُ التَّفَاسِیْر' خَوِیْش' فَارِغُ التَّحْصِیْل' عَلَی الصَّبَاح'
مقرِبِیْن' جَیِّدْ عَالِم' مُرَفَّهُ الْحَال' رَدوقَدْح

4: ہم رکاب اور با اثر میں بالترتیب ''ہم''، ''با'' سابقے ہیں۔ ان سے بیس بیس الفاظ بنائیے۔

○ ہم: ہم خیال، ہم راہ، ہم رکاب، ہم راز، ہم جماعت، ہم عمر، ہمزاد، ہم شکل، ہمدرد، ہم درس، ہم مکتب، ہمدوش، ہم دیوار، ہم مقصد، ہمرنگ، ہم فکر، ہمدم، ہم مذہب، ہم وزن، ہم وطن۔

○ با: بالیدہ، باریش، باقاعدہ، باادب، بااصول، بارُعب، بااخلاق، باکردار، بانصیب، باجماعت، بااثر، بامقصد، بامعنی، بازبان، باوضو، بازیچہ، باوجود، باخبر، باکرہ، باوسیلہ، باخدا، باذوق۔

5: سبق کے متن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خالی جگہیں قوسین میں دیے ہوئے موزوں لفظ سے پُر کیجیے۔

الف: مولوی نذیر احمد کو زمانہ سازی بالکل نہیں آتی تھی۔ (زمانہ سازی، حیلے بازی، ٹال مٹول)

ب: اس کے بعد وہ اپنا زمانہ یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے۔ (خوش، رنجیدہ، آبدیدہ)

ج: مسلمانوں کی تعلیم و ترقی کے باب میں وہ سرسیّد احمد خاں کے حامی و مددگار تھے۔

(مخالف، حامی و مددگار، مربی و محسن)

د: لوگ جوق در جوق آنے لگے اور شاہی مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ (جوق در جوق، تیز تیز، صبح شام)

ہ: جب لیکچر ختم ہوا تو علی گڑھ کے لیے روپیہ برس رہا تھا۔ (مینہ، روپیہ، ہن)

و: مولوی صاحب کو اپنی تمام کتابوں میں ترجمۃ القرآن ہی پسند تھا۔

(ترجمہ تیسیر، ناول، مرآۃ العروس، ترجمۃ القرآن)

☆ سیاق و سباق کے حوالے اہم اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1: ''مولوی صاحب بڑے فخر سے اپنے بچپن کے مصائب بیان کرتے تھے، جس مسجد میں ٹھہرے تھے اس کا مُلّا بڑا بدمزاج اور بے رحم تھا۔ کڑکڑاتے جاڑوں میں ایک ٹاٹ کی صف میں یہ لپٹ جاتے اور ایک میں ان کے بھائی۔ سات آٹھ سال کے بچے کی بساط ہی کیا؟ علی الصبح اگر آنکھ نہ کھلتی تو مسجد کا مُلّا ایک لات رسید کرتا اور یہ لڑھکتے چلے جاتے اور صف بھی بچھ جاتی۔ اس زمانے کے طالبِ علموں کی طرح انھیں بھی محلے کے گھروں سے روٹی مانگ کر لانی پڑتی تھی۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 111,110)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : مولوی نذیر احمد دہلوی

مصنف کا نام : شاہد احمد دہلوی

سیاق و سباق: شاہد احمد دہلوی نے اپنے دادا کا خوبصورت خاکہ تحریر کیا ہے جس کے مطالعہ سے مولوی نذیر احمد کی جیتی جاگتی تصویر نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ مولوی صاحب سیلف میڈ انسان تھے۔ وہ بے حد محنتی تھے۔ بچپن میں مسجد کے فرش پر کہنیاں ٹکا کر سبق یاد کرنے کی عادت کے باعث ان کی کہنیوں پر گٹے پڑ گئے تھے۔ انھوں نے اپنی مسلسل محنت سے معاشرے میں وہ مقام حاصل کیا کہ سرسیّد احمد جیسا محسن قوم ان کے جوتے کے تسمے باندھنے

کے لیے تیار تھا۔ مولوی نذیر احمد اعلیٰ پائے کے مقرر اور علی گڑھ تحریک کے مخلص معاون تھے۔ انھوں نے اپنی خطابت کے جوہر دکھا کر علی گڑھ کے لیے بہت چندہ جمع کیا۔ زندگی کے آخری دَور میں انھوں نے قرآن مجید کا اُردو ترجمہ کیا جسے اپنے لیے توشۂ آخرت سمجھتے تھے۔ مولوی صاحب کی زندگی محنت میں عظمت کی ایک عمدہ مثال ہے۔

تشریح: مولوی نذیر احمد ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوتے ہیں بلکہ انھوں نے مسلسل محنت سے اپنی زندگی کو سنوارا اور معاشرے میں قابلِ رشک مقام حاصل کیا تھا۔ ان کا بچپن انتہائی مفلسی اور مشکلات میں گزرا تھا۔ ان کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ شہرت اور نام کمانے کے بعد انھوں نے اپنے ماضی کو فراموش نہیں کر دیا تھا بلکہ جدوجہد کے اس دَور کو فخر کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ بچپن میں دِینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے وہ ایک مسجد میں رہا کرتے تھے، جس کا مُلّا ظالم اور سخت مزاج تھا۔ مولوی نذیر کی عمر ان دِنوں صرف سات آٹھ برس تھی۔ شدید سردی کے موسم میں بستر یا لحاف تو میسر نہ آتا، یہ مسجد میں موجود ٹاٹ کی صف میں لپٹ کر سو جاتے۔ خود کو موسم کی شدت سے بچانے کے لیے یہ منفرد بستر ایک معصوم ذہن نے خود ایجاد کر لیا تھا۔ مسجد کا مُلّا علی الصباح آتا۔ نذیر احمد کی آنکھ کھل چکی ہوتی تو خیریت گزرتی۔ بصورتِ دیگر مُلّا صف میں لپٹے کمسن نذیر احمد کو ایک ٹھڈا مارتا جس سے دو مقصد حاصل ہوتے۔ مولوی نذیر احمد بیدار ہو جاتے اور ان کے لڑھکنے سے صف خود بخود بچھ جاتی۔ اس دَور میں مساجد و مدارس کے ذرائع آمدن نہ ہونے کے برابر تھے۔ مسلم سلاطین کی طرف سے ان اداروں کو عطا کی گئی جاگیریں انگریز نے ضبط کر لی تھیں۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ طالبِ علموں کو محلے کے گھروں سے روٹی مانگ کر لانی پڑتی تھی۔ مولوی نذیر احمد بھی اپنے بچپن میں روٹی مانگ کر لانے کی یہ ذلت برداشت کرتے رہے۔ سات آٹھ برس کی عمر میں یہ سختیاں جھیلنے والے نذیر احمد نے حوصلہ نہ ہارا اور مسلمانوں کے ایک معزز قومی رہنما، اُردو کے صاحبِ طرز ادیب اور مترجم قرآن کا رُتبہ پایا اور ان کی انتھک محنت کے باعث انھیں وہ سب کچھ ملا جس کی ایک انسان زندگی میں آرزو کر سکتا ہے۔

اقتباس 2: ''کئی مولویوں اور عالموں کے مشوروں سے انھوں نے قرآنِ مجید کا ترجمہ کرنا شروع کیا۔ ایک ایک لفظ پر ردّ و قدح ہوتی اور بالآخر ایک رائے ہو کر ترجمہ لکھ لیا جاتا۔ ترجمہ مکمل ہونے کے بعد بھی ایک نابینا جید عالم کو پڑھ کر سنایا گیا اور ایک اور عالم کو نظرِ ثانی کے لیے باہر بھیجا گیا، جب کاپیوں کی تصحیح ہوئی اور پروف دیکھے گئے، تب بھی ان میں ترمیم کی گئی اور جب تک اس کی طرف سے پورا پورا اطمینان نہیں ہو گیا، اسے شایع نہیں کیا گیا۔''

(سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 113,112)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : مولوی نذیر احمد دہلوی

مصنف کا نام : شاہد احمد دہلوی

سیاق و سباق: مولوی نذیر احمد اُردو کے پہلے ناول نگار، سرسیّد کی اصلاحی تحریک کے اہم رُکن اور مسلمانوں کے اہم قومی رہنما تھے۔ ان کا بچپن اور جوانی کا ابتدائی حصہ بہت تنگ دستی میں گزرا تھا۔ بچپن میں جس مسجد میں

رہتے تھے، رات کو اس کی صف میں لپٹ کر سو جاتے، علی الصباح ملا آتا۔ یہ سو رہے ہوتے تو ایک لات رسید کرتا جس سے یہ بیدار ہو جاتے اور لڑھکنے کی وجہ سے صف بھی بچھ جاتی۔ مولوی نذیر کی قوت تقریر علی گڑھ کے لیے چندہ جمع کرنے کی مہم میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ سرسیّد احمد ان کے خلوص سے بہت متاثر تھے اور کہتے تھے کہ میں ان کے جوتے کے تسمے باندھنے کے لائق بھی نہیں۔ مولوی صاحب کی عربی میں استعداد کے باعث لوگوں کا اصرار تھا کہ وہ قرآن کا ترجمہ کریں لیکن وہ ٹالتے تھے۔ آخری عمر میں ترجمہ کیا اور اس میں کئی علمائے دین سے مشاورت کی۔

تشریح: تواضع اور انکسار کے اوصاف اکثر عظیم شخصیات کی عظمت کو رعنائیت اور دلکشی عطا کرتے ہیں۔ مولوی نذیر احمد زبردست عالم، مقرر، ادیب اور بیدار مغز شخصیت تھے لیکن اپنے حوالے سے ہمیشہ کسر نفسی سے کام لیا کرتے تھے۔ احباب عربی زبان میں نذیر احمد کی غیر معمولی قابلیت سے آگاہ تھے اور ان سے تقاضا کرتے تھے کہ قرآن پاک کا اُردو میں ترجمہ کریں لیکن مولوی نذیر احمد کا مؤقف تھا کہ یہ کام علمائے دین ہی کو زیبا ہے۔ عمر کے آخری حصے میں عربی کتاب تیسیر کا ترجمہ کیا تو انھیں احساس ہوا کہ طبیعت کی ہچکچاہٹ دُور ہو جائے تو قرآن پاک کا ترجمہ کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ ترجمہ کرتے ہوئے ان کا طریق کار یہ تھا کہ ایک ایک لفظ پر علمائے دین اور عربی زبان کے مسلمہ ماہرین سے تفصیلی گفتگو کرتے۔ بحث و تمحیص کے بعد جب سب لوگ ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو ترجمہ لکھ لیا جاتا۔ اس احتیاط کے بعد ترجمہ مکمل ہوا تو اسے ایک بڑے عالم کو، جو نابینا تھے، پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کے علاوہ ایک اور جید عالم دین کو نظر ثانی کے لیے بھی ارسال کیا گیا۔ کاتبوں کی تحریر کو بغور پڑھ کر غلطیوں کی نشاندہی کی گئی۔ آخری وقت تک ترجمے میں تبدیلیاں کر کے بہتری لانے کا عمل جاری رہا اور جب تک مولوی نذیر احمد پوری طرح سے مطمئن نہ ہوئے، اسے شایع نہیں کیا گیا۔ اس احتیاط اور محنت سے یہ فائدہ ہوا کہ ترجمے کو اُردو دان طبقہ میں قبولِ عام حاصل ہوا اور سب نے اس کی شستہ اور رواں زبان کی داد دی۔

مزید معروضی سوالات

س: مصنف کے والد اور مولوی نذیر احمد آپس میں کس طرح ملے؟

ج: مصنف کے والد جلدی سے آگے بڑھے اور مولوی نذیر احمد (جو مصنف کے دادا تھے) سے لپٹ کر رونے لگے۔ دل کی بھڑاس نکلی تو والد نے حکم دیا کہ دادا کو سلام کرو۔

س: مولوی نذیر احمد نے مصنف کو کیا دیا؟

ج: مصنف نے مولوی نذیر احمد کو سلام کیا تو انہوں نے پیار کیا اور مصنف اور دیگر بچوں کو ایک ایک اشرفی دی۔

س: مولوی نذیر احمد نے نواب سرفراز علی کے خواب میں آ کر کیا کہا؟

ج: مولوی نذیر احمد نے نواب سرفراز علی کے خواب میں آ کر کہا "ہمارے قرآن کا ترجمہ چھپوا لو اچھے ہو جاؤ گے۔"

س: زمانہ طالب علمی میں مولوی نذیر احمد کہاں سویا کرتے تھے؟

ج: مولوی نذیر احمد جس مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کے ٹاٹ کی صف میں لپٹ جاتے تھے۔ شدید سردیوں کے موسم میں رات صف ہی میں گزرتی تھی۔

س: مسجد کا ملا مولوی نذیر احمد کو کیسے اُٹھاتا تھا؟

ج: مولوی نذیر احمد کی آنکھ علی الصباح نہ کھلتی تو مسجد کا ملا ایک لات رسید کرتا۔ یہ لڑھکتے چلے جاتے اور اس طرح صف بھی بچھ جاتی۔

س: مولوی عبدالقادر صاحب کی لڑکی مولوی نذیر احمد سے کیا سلوک کرتی تھی؟

ج: لڑکی بہت ضدی تھی۔ ان کا کولہا توڑتی اور انہیں مارتی پیٹتی رہتی۔ ایک دفعہ مسالا پیستے میں مرچوں کا بھرا ہوا ڈبہ چھین کر ان کے ہاتھ کچل ڈالے۔ بعد میں یہی لڑکی ان کی بیوی بنی۔

س: مولوی نذیر احمد کی شادی ہوئی تو ان کی آمدن کتنی تھی؟

ج: مولوی نذیر احمد کی شادی ہوئی تو ان کی آمدن پندرہ روپے تھی۔ اسی میں ایک کھنڈلا لے کر رہتے تھے۔ گھر میں صرف ایک ٹوٹی ہوئی جوتی تھی۔

س: مولوی نذیر احمد نے دِلّی کالج کے پرنسپل سے کیا کہا؟

ج: انہوں نے دِلّی کالج کے پرنسپل سے کہا کہ مجھے سرکاری ملازمت نہ دی گئی تو اُپلوں کی ڈنڈی کھولوں گا اور اس پر دِلّی کالج کی سند لگا دوں گا۔

س: سرسیّد احمد خان نے مولوی نذیر احمد کی تعریف کرتے ہوئے کیا کہا؟

ج: سرسیّد احمد خان نے کہا کہ مولوی صاحب! میں اس لائق بھی نہیں ہوں کہ آپ کے جوتے کے تسمے باندھوں۔ اس پر مولوی صاحب کھڑے ہو کر تین آداب بجا لائے۔

س: مولوی نذیر احمد نے قرآن پاک کا ترجمہ کس طریقے سے لکھا؟

ج: مولوی نذیر احمد نے کئی مولویوں اور عالموں کے مشوروں سے قرآن مجید کا ترجمہ کرنا شروع کیا۔ ایک ایک لفظ پر ردوقدح ہوتی اور ایک رائے ہو کر ترجمہ لکھ لیا جاتا۔

س: مولوی صاحب کو اپنی تمام کتابوں میں سے کون سی کتاب پسند تھی؟

ج: مولوی صاحب کو ترجمۃ القرآن پسند تھا۔ فرماتے تھے کہ میں نے سب کتابیں دوسروں کے لیے لکھی ہیں اور یہ ترجمہ اپنے لیے کیا ہے۔ یہی میرا توشۂ آخرت ہے۔

13۔ایک سفر نامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے ـــــ ابن انشا

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 115 : ○ سفرنامہ: نثر کی ایک صنف، سفر کا احوال ○ چین و ماچین: چین اور چین سے آگے ○ توران: وسط ایشیا کا ایک علاقہ ○ واردات: واقعہ ○ چشم دید: آنکھوں دیکھا ○ احوال: حال کی جمع ○ کابل: افغانستان کا دارالحکومت ○ تعویق: تاخیر ○ درہ خیبر: صوبہ سرحد میں داخلے کا مشہور دروازہ ○ جلال آباد: افغانستان کا شہر ○ جوئے کم آب: ندی جس میں پانی کم ہو ○ گھنگھور بادل: گہرے سیاہ رنگ کے بادل ○ آثار: نشانیاں ○ تن زیب کا انگرکھا: بہت باریک کپڑے کا چغا

صفحہ نمبر 116 : ○ دگلا: چغا جس میں روئی بھری ہو ○ طعنے تشنے پر اُتر آنا: طعنے دینا شروع کر دینا ○ شرماشرمی میں: شرما کر، مجبوراً ○ درکار تھے: ضرورت تھی ○ زیر جامہ: وہ لباس جو پوشاک کے نیچے پہنا جائے ○ قیاس: خیال ○ مہاجر: ہجرت کرنے والا ○ پاوندے: افغانستان کے خانہ بدوش قبائل کے افراد ○ سرمنڈھنا: کوئی چیز زبردستی دے دینا ○ ڈرائی کلین: میلے کپڑے کیمیائی اجزا سے صاف کرنا، ○ دیدہ زیب: آنکھوں کو اچھا لگنے والا ○ عطیہ: عطا ○ قطب شمالی: زمین کے محور کا شمالی علاقہ ○ کلہ: لمبی ٹوپی ○ دستار: پگڑی ○ فیلٹ ہیٹ: انگریزی ٹوپی ○ کانگڑی: مٹی کی انگیٹھی جس پر تیلیوں کا غلاف چڑھا ہوتا ہے ○ آتشدان: آگ جلانے کی جگہ

صفحہ نمبر 117 : ○ ناک نقشہ: حلیہ، ظاہری حالت ○ لان: گھر میں کھلی جگہ ○ کشادہ: کھلا ○ غالیچوں: قالینوں ○ کترنیں: کپڑے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ○ لاؤنج: انتظار گاہ، ○ عظمت رفتہ: ماضی کی شان و شوکت ○ آسائش: آرام، سہولت ○ عمر طبیعی: معمول کی عمر ○ مصرع: شعر کی ایک لائن ○ عالی حوصلگی: بلند ہمتی ○ کماحقہٗ: جیسا اس کا حق ہے، ٹھیک ٹھیک ○ پی آئی اے: پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز ○ پچھواڑے: پیچھے ○ فرلانگ: فاصلے کا ایک پیمانہ، 220 فٹ

صفحہ نمبر 118 : ○ کاٹھیاواڑ: بھارت کا ایک شہر ○ تبت: چین کا خودمختار صوبہ ○ فرسنگ: فاصلے کا ایک پیمانہ، 18 ہزار فٹ ○ خائف: ڈرا ہوا ○ بالوں کا جھاڑ: بکھرے اور اُلجھے ہوئے بال ○ وضع قطع: شکل صورت، حلیہ ○ سج دھج: شان و شوکت ○ یونیسکو: اقوام متحدہ کا وہ ادارہ جو سائنسی اور ثقافتی ترقی کے لیے کام کرتا ہے ○ کوپن ہیگن: ڈنمارک کا دارالحکومت ○ السی نور: ڈنمارک کا ایک قلعہ ○ منگھوپیر: کراچی کا ایک علاقہ ○ کچا نہ پڑ جائے: کمزور نہ پڑ جائے ○ دوادارو والے: علاج کرنے والے ○ ہملٹ: انگریز ڈرامہ نگار ولیم شیکسپیئر کے مشہور ڈرامے ہیملٹ کا مرکزی کردار

صفحہ نمبر 119 : ○ مہم جو: مشکل کام کرنے والا ○ گرین لینڈ: قطب شمالی کا ایک ملک ○ اسکیمو: برف میں رہنے والے لوگ ○ معاشرت: رہن سہن ○ مشرق بعید: یورپ کے مشرق میں واقع، ایشیائی ممالک کا خطہ

○ سادھو: درویش ○ گئوکشی: گائے ذبح کرنا ○ ٹورسٹ: سیاح ○ خشمگیں: غصے میں آیا ہوا ○ نرغہ: محاصرہ ○ معترف: ماننے والا، ○ تپاک: گرمجوشی ○ خلیق: با اخلاق ○ متواضع: تواضع کرنے والا ○ نظر بٹو: ایسی بدشکل چیز یا کالا نشان جو خوبصورت چیز کو نظر بد سے بچائے ○ باوا آدم کے زمانے کے: بہت پرانے

صفحہ نمبر 120 : ○ بلا سینگ: سینگ کے بغیر ○ جستجو: تلاش ○ قطار در قطار: قطاریں بنائے ہوئے ○ پالان: وہ گدی جو بوجھ ڈھونے والے جانور کی کمر پر بچاؤ کے لیے ڈالتے ہیں ○ مچل گئیں: فریفتہ ہو گئیں ○ بھاؤ: نرخ ○ پلے نہ پڑا: سمجھ میں نہ آیا ○ چہ۔ چہ: کیا کیا ○ ادائے مطلب: مطلب ادا کرنا، مفہوم سمجھانا ○ قاصر: معذور ○ باٹ: وزن کرنے کا پیمانہ ○ ایں قدر: اس قدر، اتنے ○ افہام و تفہیم: سمجھنا سمجھانا ○ دِقت: پریشانی ○ ریزگاری: سکے ○ دیارِ غیر: غیر ملک ○ موزوں: مناسب ○ کسر نفسی: عاجزی، انکساری

صفحہ نمبر 121 : ○ پبلشر: ناشر، کتابیں چھاپنے والا ○ کتب فروش: کتابیں بیچنے والا ○ ناول: نثر کی ایک صنف ○ جنتری: ایسی کتاب جس میں سال کے بارہ مہینوں، تعطیلات اور تہواروں کی تفصیلات ہوتی ہیں ○ جھلاہٹ سے: غصے میں آ کر ○ شیطانی چرخہ: فتنہ پھیلانے والی چیز ○ مطبع: پرنٹنگ پریس چھاپہ خانہ ○ پرائیوٹ پریس: ایسا پرنٹنگ پریس جو نجی ملکیت میں ہو، غیر سرکاری چھاپہ خانہ ○ عرضی: درخواست ○ ازراہِ قانون: قانون کی رو سے ○ تالیف لطیف: عمدہ کتاب ○ زیورِ طبع سے آراستہ کرنا: چھاپنا ○ ٹھوک بجا کر دیکھنا: پوری طرح تحقیق اور تسلی کرنا

صفحہ نمبر 122 : ○ مضائقہ: حرج ○ طباعت: چھپائی، پرنٹنگ ○ مانگ: طلب ○ بیہودہ: فضول ○ مصلحت: حکمت ○ فرنگی: انگریز ○ بدعت: نئی چیز ○ آثارِ صنادید: پرانے تاریخی آثار ○ تہ دِل سے: دل کی گہرائی سے ○ معذرت خواہ ہیں: معافی مانگتے ہیں ○ ویمن کالج: لڑکیوں کا کالج ○ ناطاقتی: کمزوری

صفحہ نمبر 123 : ○ تشنگی: پیاس ○ رفع کرنا: دُور کرنا ○ مٹکے: مٹی کے برتن جن میں پانی بھرا جاتا ہے ○ رباعیات: رباعی کی جمع، رباعی شاعری کی ایک صنف ہوتی ہے ○ عمر خیام: فارسی کا مشہور شاعر ○ جھجر: مٹی سے بنا برتن، یہ اُوپر سے تنگ، نیچے سے کشادہ ہوتا ہے ○ سقہ: ماشکی

سبق کا خلاصہ

ہم نے سفرنامے بہت لکھے ہیں۔ اِن جگہوں کے بھی جہاں ہم کبھی نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو آخر دماغ بھی تو دیا ہے ہم صبح کابل کے لیے چلے تھے لیکن رات تک پہنچ نہیں پائے پہلے راولپنڈی پھر پشاور میں تاخیر ہوئی۔ جہاز روانہ تو ہوا لیکن کابل پر گھنگور بادل چھائے ہوئے تھے اِس لیے جہاز وہاں اُترنے کی بجائے پشاور ائیر پورٹ پر واپس آ گیا۔ ہمارے دوست شروع ہی سے ہمیں کابل کی سردی سے ڈرا کر جانے سے منع کر رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے جل کر طعنہ دیا کہ کابل میں گدھے نہیں ہوتے جو تم وہاں جا رہے ہو۔ ہم نے مختلف مارکیٹوں سے گرم کپڑے خریدے۔ دوست سمجھنے لگے کہ ہم فلسطینی مہاجروں یا افغان پاوندوں کے لیے کپڑے

جمع کر رہے ہیں لہٰذا اپنے پرانے پھٹے اور گھسے کپڑے ہمارے سر منڈھنے لگے۔ دوست سوچتے تھے کہ ان کپڑوں سے جان چھوٹے گی اور اگر واپس آ گئے تو بھی ہم ڈرائی کلین تو کروا ہی دیں گے۔ آغا جعفری نے اتنا خوبصورت اوورکوٹ دیا کہ پہننے کو جی نہ چاہے۔ حبیب اللہ شہاب کا اوورکوٹ اتنا وزنی تھا کہ ہم نے پہنا تو زمین پر بیٹھ گئے۔ دو آدمیوں نے ہمیں اٹھایا۔ اسے پہن کر ہم برفانی ریچھ لگتے تھے۔ ہم نے ایک فیلٹ بھی خریدی۔ لومڑی کی کھال کے دستانے اور گلے میں کانگڑی ڈالنے کا خیال تھا لیکن کشمیر کی یہ خاص چیزیں کراچی میں نہیں ملتیں۔ اب ہم ڈین ہوسٹل پشاور کے کمرہ نمبر 47 میں پڑے ہیں۔ ہمارے گاؤں کے فتح دین درزی نے کراچی میں الیف ڈین اینڈ سنز ٹیلرز اینڈ آؤٹ فٹرز کے نام سے دکان کھولی تھی اس لیے ہم سمجھے کہ ڈین ہوٹل بھی کسی احمد دین یا نور دین کا ہوگا مگر ہوٹل کا ناک نقشہ، کمروں، احاطہ اور لان کی کشادگی بتاتی تھی کہ یہ واقعی انگریز بہادر کی ملکیت رہا ہے۔ کنجوس مالکان نے کمروں میں غالیچے نہیں، ان کی کترنیں ڈال رکھی تھیں۔ باوجود فون کرنے کے ہمیں پشاور میں کوئی دوست نہ مل سکا۔ ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک نے بتایا کہ پی آئی اے کا دفتر پچھواڑے میں ایک فرلانگ دور ہے۔ ہم پیدل چلے اور کوئی سو میل چلنے کے بعد دفتر پہنچے۔ اس پیمانے کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو کراچی کے پچھواڑے میں کاٹھیاواڑ اور لاہور کے پچھواڑے میں تبت پڑتا ہے۔ اس مثال سے ڈر کر ہم نے مزید سیر نہ کی۔ ہم درہ خیبر کے متعلق پوچھتے تو یقیناً یہی بتایا جاتا کہ دو منٹ کا راستہ ہے۔ پشاور ائیر پورٹ پر ڈنمارک سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ سے ملاقات ہوگئی جو میرا سکینڈے نیوین ائیر سروس کا ٹکٹ دیکھ کر میرے پاس آئے تھے۔ میں نے بتایا کہ میں نے ایسی نور دیکھا ہے تو وہ بولے کہ عمر بھر ڈنمارک میں رہنے کے باوجود انہوں نے یہ جگہ نہیں دیکھی۔ میں نے کہا کہ کراچی میں رہنے کے باوجود میں بھی کبھی منگھو پیر نہیں گیا۔ یہ بزرگ ڈاکٹر گلبرگ تھے جو میڈیکل ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف بھی ہیں۔ ان کی کتاب اسکیمو ڈاکٹر کئی ملکوں میں چھپی ہے۔ یہ کتاب لکھنے کے لیے گلبرگ نے کئی برس گرین لینڈ میں اسکیموؤں کے ساتھ گزارے تھے۔ ایشیا کے دورے پر نکلے یہ میاں بیوی ہندوستان میں انتہا پسند ہندوؤں کے گئوکشی کے خلاف مظاہرے سے خوفزدہ ہو گئے تھے اور وہاں صرف ایک شب قیام کے بعد نیپال چلے گئے تھے لیکن پاکستان، پشاور اور پی آئی اے کی ڈاکٹر گلبرگ خوب تعریفیں کر رہے تھے۔ ڈین ہوٹل پشاور انہیں ناپسند تھا اور اسے پاکستان کا نظر بٹو کہتے تھے۔ کابل میں ہم نے زرنگار پارک کے سامنے گدھوں کی قطاریں دیکھیں جن کے پالان سنگتروں سے بھرے تھے۔ ڈاکٹر گلبرگ کی بیگم سنگترے خریدنا چاہتی تھیں۔ سنگترہ فروش ہماری اور ہم اس کی فارسی نہ سمجھ سکے لہٰذا ہم آگے چل دیے مگر بیگم گلبرگ ایک اور گدھے والے کے پاس مچل گئیں۔ ہم نے ایک باٹ کی طرف اشارہ کیا اور بولے آغا ایں قدر دے دو۔ دس افغانی کا نوٹ دیا اس نے چار کاٹ کر باقی ریزگاری دے دی۔ ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی بیگم نے ہمارا شکریہ ادا کیا۔

ہم نے اپنے ایک افغان دوست سے کسی پبلشر سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ بولے کہ ملک

بھر میں کوئی پبلشر نہیں۔ اس کے علاوہ ریلوے کا بھی نام نشان نہیں۔ ہمیں افغانستان کے متعلق وہ مضمون یاد آ گیا جس میں لکھا تھا کہ درہ خیبر کے پار قدم رکھتے ہی انسان ایک صدی پیچھے پہنچ جاتا ہے۔ افغانستان میں پرائیویٹ پریس بھی نہیں۔ صرف پانچ سرکاری پریس ہیں۔ حکومتی ادارے کتابیں چھاپتے ہیں۔ ان حالات میں بھی کوئی غالب یا فیض پیدا ہو جائے تو کتاب چھپوانے کے لیے اسے حکومت کو عرضی دینی پڑتی ہے۔ حکومت مکمل تحقیقات کے بعد کاغذ، کتابت اور طباعت کے پیسے لے کر کتاب چھاپ دے گی جسے بیچنا مصنف کی اپنی ذمہ داری ہوگی۔ افغان دوست نے اس نظام کی یہ خوبی بیان کی کہ لوگ بیہودہ شاعری اور ناولوں سے بچ جاتے ہیں۔ افغانستان میں شاہ امان اللہ خان نے ریلوے لائن بچھائی تھی لیکن بچہ سقہ نے اسے فرنگیوں کی بدعت قرار دے کر اکھاڑ پھینکا۔ ہم نے خود اکھڑے ہوئے سلیپر اور ٹوٹی پھوٹی پٹریاں دیکھیں۔ دریائے کابل کو دریا کہنے پر ہم سندھ اور ستلج جیسے دریاؤں سے معذرت خواہ ہیں۔

اہل کراچی ویمن کالج کے پاس سے گزرنے والا گندہ نالہ دیکھ کر دریائے کابل کی وسعت کا اندازہ کر سکتے ہیں البتہ نالے کا پانی نسبتاً صاف ہے۔ دریائے کابل میں عورتیں کپڑے دھوتیں، بچے نہاتے اور لوگ گھروں کا کوڑا پھینکتے ہیں اس کے باوجود کابل والے اس کا پانی پیتے ہیں۔ پرانے شہر میں لوگ نلکوں سے عجیب شکل کے مٹکوں میں پانی بھر کے گزارا کرتے ہیں جن کو ''صراحا'' کہا جا سکتا ہے۔ حکومت پائپوں کے ذریعے فراہمی آب کا انتظام کر رہی ہے تاہم ابھی تک سقوں کا راج ہے ایک سقہ تو کچھ روز بادشاہ بھی رہا ہے۔

مشقی سوالات

1۔ مختصر جواب دیجیے۔

الف: مصنف ابتدا میں کابل کے بجائے پشاور کے ہوائی اڈے پر کیوں اُترے؟

جواب: کابل کے قریب پہنچ کر پائلٹ نے اعلان کیا کہ کابل گھنگھور بادلوں میں چھپا ہوا ہے، ہم وہاں نہیں اُتر سکتے۔ لہٰذا جہاز کو پشاور کے ہوائی اڈے پر اُتار لیا گیا۔

ب: مصنف نے پشاور کے عرصۂ قیام کے دوران میں کس ہوٹل میں قیام کیا اور یہ ہوٹل ان کو کیسا لگا؟

جواب: مصنف نے پشاور کے ڈین ہوٹل میں قیام کیا۔ مصنف نے لکھا ہے کہ ہوٹل کی عمارت کشادہ تھی لیکن مالک کنجوس تھا۔ لاؤنج اور کمروں کے قالین جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ ڈین ہوٹل میں جدید ہوٹلوں جیسی سہولیات میسر نہیں تھیں۔

ج: مصنف پشاور کی سیر سے کیوں خائف ہو گئے؟

جواب: مصنف نے اپنے ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک سے پی آئی اے کے دفتر کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ تقریباً ایک فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ مصنف اس اطلاع پر یقین کرتے ہوئے پیدل چل پڑے۔ دفتر پہنچنے کے لیے انھیں سوا میل پیدل مارچ کرنا پڑا۔ اس مثال سے خوفزدہ ہو کر انھوں نے پشاور کی مزید سیر کا ارادہ ترک کر دیا۔

د: ڈاکٹر گلبرگ نے اپنی کتاب ''اسکیمو ڈاکٹر'' لکھنے کے لیے کیا کیا جتن کیے؟

جواب: ڈاکٹر گلبرگ گرین لینڈ گئے اور کئی برس اسکیموؤں کے ساتھ گزارے۔ ان کی زبان اور معاشرت اختیار کی۔ مچھلی اور ریچھ کا گوشت کھاتے رہے۔ بے نمک کھانے کھائے، برف کے جھونپڑوں میں قیام کیا اور پھر یہ کتاب لکھی۔

ہ: ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی بی بی کو بطور سیاح ہندوستان میں اپنا عرصۂ قیام کیوں مختصر کرنا پڑا؟

جواب: ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی بی بی کے ہندوستان میں قیام کے دوران میں ہندوؤں نے گئوکشی کے خلاف پرتشدد مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے مغربی سیاحوں کو بھی گھیر لیا کہ یہ بھی مسلمانوں کی طرح گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔ ڈاکٹر گلبرگ بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلے اور اسی روز ہندوستان سے نیپال چلے گئے۔

و: ڈاکٹر گلبرگ کی بی بی نے کابل میں سنگترے کیسے خریدے؟

جواب: ڈاکٹر گلبرگ کی بی بی (بیوی) نے مصنف سے کہا کہ سنگتروں کا بھاؤ پوچھو۔ مصنف نے کوشش کی مگر سنگترہ فروش ان کی فارسی سمجھ نہ سکا۔ مصنف نے ایک اور سنگترہ فروش کو اشارے سے سمجھایا کہ اس باٹ کے برابر سنگترے دے دو اور دس افغانی کا نوٹ دے کر سنگترے اور باقی ریزگاری حاصل کی۔

ز: مصنف نے کابل جانے سے پہلے افغانستان کے بارے میں کیا پڑھا تھا؟

جواب: مصنف نے پڑھا تھا کہ ''ادھر آپ نے درہ خیبر کے پار، افغانستان کی نئی سرزمین میں قدم رکھا، ادھر ایک صدی پیچھے پہنچ گئے۔''

ح: افغانستان میں پبلشرز یا بک سیلرز کیوں نہیں ہوتے؟

جواب: افغانستان میں صرف حکومتی محکمے اور ادارے سرکاری مطبعوں میں کتابیں چھاپتے ہیں۔ ملک بھر میں کوئی پرائیوٹ پرنٹنگ پریس نہیں۔ اسی لیے ملک میں پبلشرز اور بک سیلرز بھی نہیں ہوتے۔

ط: افغانستان میں ریلوے لائن کیوں نہیں ہے؟

جواب: افغان حکمران شاہ امان اللہ خان نے دارالامان نامی بستی تک ریلوے لائن بچھائی تھی۔ بچہ سقہ نے امان اللہ سے بادشاہت چھینی تو ریلوے لائن کو فرنگیوں کی بدعت قرار دیتے ہوئے پٹڑیاں اکھاڑ دیں۔

2: مصنف نے دریائے کابل کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ اسے اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: دریائے کابل شہر کے بیچوں بیچ بہتا ہے۔ اس کی وسعت مصنف کے خیال میں گندے نالے کی طرح ہے۔ گرمیوں میں برف پگھلتی ہے تو اس کی کمزوری دُور ہو جاتی ہے۔ مصنف کو کراچی کا گندہ نالہ اس سے زیادہ وسیع اور اُس کا پانی اس سے زیادہ شفاف محسوس ہوتا ہے۔ عورتیں اس کے کنارے کپڑے دھوتی ہیں۔ بچے نہاتے ہیں آس پاس رہنے والے گھروں کا کوڑا پھینکتے ہیں۔ یہی دریا پیاسوں کی پیاس بجھاتا ہے۔

3۔ درج ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب کی مدد سے واضح کیجیے۔

تَوْرَان. تَعْوِیْق. کُلّہ. کَمَاحَقُّہٗ. کَسرِ نَفسی. بِدْعَت. آثارُ صَنَادِید. خَشمگیں.

4۔ درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

- کچا پڑنا: اکرام کی چوری پکڑی گئی تو وہ گھر والوں کے سامنے بہت کچا پڑا۔
- نظر لگنا: تاج محل اتنا خوبصورت ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر لگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔
- مچل جانا: نذیر احمد کی پر درد تقریر سن کر حاضرین مچل گئے۔
- پلے پڑنا: عجیب آدمی کے پلے پڑے ہیں۔ اسے ہماری بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔
- سر منڈھنا: کابل میں سنگترے خریدنے کا کام مصنف کے سر منڈھا گیا۔
- جان چھوٹنا: گلگت کے پہاڑی سفر سے خدا خدا کر کے جان چھوٹی۔
- بے مزہ ہونا: ڈاکٹر گلبرگ ہندوستان کے سفر سے بے مزہ ہوئے۔

5۔ سبق کے متن کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

الف: ان لوگوں کا ہم ذکر نہیں کرتے جو ہم سے جل کر طعنے تشنے پر اُتر آئے تھے۔ (مارکٹائی، تو تکار، طعنے تشنے)

ب: آتش دان میں آتش دہک رہی ہے۔ (جل، دہک، سلگ)

ج: ان کی وضع قطع سج دھج سب سے الگ تھی۔ (سج دھج، شکل وصورت، تراش خراش)

د: افغانستان میں ریلوے نام کی کوئی چیز نہیں یہ شیطانی چرخہ تمہی کو مبارک ہو۔" (بدعت، ایجاد، شیطانی چرخہ)

ہ: پورے ملک میں مطبعوں کی تعداد پانچ ہے۔ (پانچ، پچاس، ان گنت)

و: شاہ امان اللہ خاں نے اپنے زمانے میں دارالامان نام کی تازہ بستی بسائی تھی (دارالعوام، دارالامان، دارالاسلام)

6: مندرجہ ذیل جملوں کو مطابقت کے اصولوں کے پیش نظر درست کر کے لکھیے:

غلط جملے	درست جملے
الف: "مکاتیبِ غالب" چھپ گئے ہیں۔	الف: "مکاتیبِ غالب" چھپ گئی ہے۔
ب: جلسے میں عورتیں بھی آئیں ہوئیں تھیں۔	ب: جلسے میں عورتیں بھی آئی ہوئی تھیں۔
ج: میاں بیوی ہنسی خوشی رہتی ہے۔	ج: میاں بیوی ہنسی خوشی رہتے ہیں۔
د: گھر عورت کی سلطنت ہوتی ہے۔	د: گھر عورت کی سلطنت ہوتا ہے۔
ہ: نیکی کا راہ بھی کٹھن ہے۔	ہ: نیکی کی راہ بھی کٹھن ہے۔

☆ سیاق وسباق کے حوالے سے اہم اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1: "ایک جو نا مارکیٹ ہم شرما شرمی میں نہیں گئے، ورنہ کون سی جگہ ہے جہاں سے ہم نے اپنے لیے

کپڑے جمع نہیں کیے۔ ہمیں دراصل اوورکوٹ وغیرہ درکار تھے اور کوئی ادنیٰ زیر جامہ مل جاتا تو سبحان اللہ لیکن ہماری شہرت ایسی خراب ہوئی کہ لوگوں نے قیاس کیا، ہم شاید فلسطین کے مہاجروں یا افغانستان کے پاوندوں کے لیے کپڑے جمع کر رہے ہیں۔ نتیجتاً سب نے اپنے پھٹے ہوئے، گھسے ہوئے کپڑے ہمارے سر منڈھنے کی کوشش کی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر واپس دے گا تو ڈرائی کلین کرا کے دے گا۔ نہ دے گا تو ہماری جان ان کپڑوں سے چھوٹے گی۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ نمبر 116)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : ایک سفرنامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے

مصنف کا نام : ابن انشا

سیاق وسباق: ابن انشا نے اپنے سفر افغانستان کا احوال مزاحیہ انداز میں تحریر کیا ہے۔ وہ افغانستان کی پسماندگی اور افغانوں کی روایت پسند ذہنیت کو گہرے طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ افغانستان میں ریلوے سٹیشن ہے نہ پبلشروں کا کوئی وجود ہے۔ کتابیں سرکار مطبعوں میں چھپتی ہیں۔ مصنف یا شاعر کتاب چھپوانے کے لیے حکومت کو درخواست بھیجتا ہے جس کے بعد سرکاری ادارے مواد کا ٹھوک بجا کر جائزہ لیتے ہیں اور اگر وہ بے ضرر ثابت ہو تو لکھنے والے کے خرچ پر کتاب چھاپ کر اس کے حوالے کر دیتے ہیں کہ جہاں چاہو بیچو۔ افغانستان کے بڑے حصے میں فراہمی آب کا کوئی باقاعدہ اور جدید انتظام نہیں اور سقوں کا راج ہے۔ ابن انشا نے افغانستان جانے کا سن کر ان سے دوستوں نے کابل کی سردی سے بہت ڈرایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابن انشا پوری تندہی سے گرم کپڑے جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔

تشریح: افغانستان کی شدید سردی کے متعلق اپنے دوستوں کی خوفزدہ کر دینے والی باتیں سن کر ابن انشا نے بہت سے گرم کپڑے جمع کر لیے۔ وہ لکھتے ہیں کہ گرم کپڑے خریدنے کے لیے میں نے کراچی کی تمام مارکیٹیں گھوم لیں۔ صرف جونا مارکیٹ نہیں گیا جس کی وجہ یہ سوچ تھی کہ کسی دوست نے مجھے جونا مارکیٹ میں دیکھ لیا تو سوچے گا کہ میں غریب غربا کی مارکیٹ سے خریداری کر رہا ہوں۔ میں اوورکوٹ اور زیر جامہ تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس مسلسل تلاش نے میری شہرت خراب کر دی، مجھے روز روز مارکیٹوں کے پھیرے لگاتا دیکھ کر لوگ یہ سوچنے لگے کہ میں کوئی سماجی کارکن ہوں اور اسرائیلی مظالم سے تنگ آ کر گھر بار چھوڑنے والے فلسطینیوں یا پھر افغانستان کے خانہ بدوش قبائلیوں کی امداد کے لیے کپڑے جمع کرتا پھر رہا ہوں۔ یہ تاثر پھیلنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوستوں نے اپنے پھٹے پرانے اور گھسے ہوئے کپڑے ہمارے سر منڈھنے کی کوشش کی۔ اس سخاوت میں دوستوں کا فائدہ ہی فائدہ تھا۔ انھیں معلوم تھا کہ میں نے یہ پرانے کپڑے واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو احسان مندی اور ممنونیت کے جذبات کے تحت انھیں کم از کم ڈرائی کلین تو کروا ہی دوں گا۔ اس طرح برسوں کے میلے کچیلے یہ کپڑے نکھر اور سنور کر انھیں واپس ملیں گے۔ دوسری صورت میں اگر میں کپڑے قبول کر لوں گا تو ان کی جان اس بوجھ سے چھوٹ جائے گی۔

اقتباس 2: ''حکومت کے محکمے اور ادارے سرکاری مطبعوں میں کتابیں چھاپتے ہیں۔ ان کی بھی مکمل تعداد پورے ملک میں پانچ ہے۔ پرائیوٹ پریس کوئی نہیں ہے۔ اوّل تو ان حالات میں کوئی شخص کچھ لکھنے کا حوصلہ ہی نہیں کرتا اگر کوئی مرزا غالب یا فیض احمد فیض پیدا ہو بھی جائے تو ازراہِ قانون اسے حکومت کو عرضی دینی چاہیے کہ بندے کی یہ تالیف لطیف زیورِ طبع سے آراستہ کی جائے۔ وہ ٹھوک بجا کر (کسی کام میں جلدی نہیں کی جاتی) دیکھیں گے کہ ہاں کوئی مضائقہ نہیں تو حکم ملے گا اچھا چھاپے دیتے ہیں۔ کاغذ کتاب طباعت کے لاؤ اور جب چھپ جائے تو جہاں جی چاہے، جیسے جی چاہے بیچو۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ نمبر 122,121)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : ایک سفرنامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے

مصنف کا نام : ابن انشا

سیاق وسباق: ابن انشا نے اپنے سفر افغانستان کا احوال دلچسپ لہجے اور دلکش انداز میں تحریر کیا ہے۔ ان کے دوستوں نے انھیں کابل کی سردی سے بہت ڈرایا تھا جس کی وجہ سے ابن انشا نے گرم کپڑوں کا انتظام کر لیا تھا۔ موسم کی خرابی کے باعث ہوائی جہاز کابل نہ اُتر سکا اور اسے پشاور واپس آنا پڑا جہاں ان کی ملاقات ڈاکٹر گلبرگ سے ہوئی اور یہ ساتھ کابل میں بھی قائم رہا۔ ابن انشا لکھتے ہیں کہ افغان لوگ روایات پر جان دیتے ہیں۔ افغانستان میں ریلوے کا وجود نہیں۔ وہاں پبلشرز بھی نہیں ہوتے اور کتابیں صرف حکومت کی اجازت اور مسودے کی منظوری ملنے کے بعد سرکاری مطبعوں ہی میں چھپتی ہیں۔ افغانستان میں فراہمی آب کا بھی مناسب انتظام نہیں اور کابل میں مشکے پانی کی فراہمی کا کام کرتے ہیں۔

تشریح: ابن انشا نامور شاعر اور ادیب تھے۔ اسی لیے انھوں نے کابل میں اپنے ایک افغان دوست سے ملک میں کتابیں چھاپنے اور فروخت کرنے کے انتظام کے متعلق پوچھا جس پر ان کے دوست نے حیرتناک انکشافات کیے۔ اس افغان نے بتایا کہ افغانستان بھر میں کوئی پبلشر نہیں۔ یہاں کتب فروشی کا کاروبار بھی نہیں ہوتا۔ ملک بھر میں کل پانچ سرکاری پرنٹنگ پریس ہیں۔ کوئی ایک پرنٹنگ پریس بھی نجی شعبہ کی ملکیت میں نہیں۔ افغان حکومت نے آزادئ اظہار پر کڑی پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ حکومتی ادارے اور سرکاری پریس ہی کتابیں چھاپتے ہیں۔ جبر کے اس ماحول میں کوئی کتاب لکھنا آسان کام نہیں پھر بھی مرزا اسد اللہ خان غالب یا فیض احمد فیض جیسا کوئی جرأت مند اہلِ قلم یہ ''قلم بندی'' توڑنے کا حوصلہ کر لے تو اسے قانونی طریق کار اپنانا پڑتا ہے جس کا پہلا مرحلہ حکومت کو یہ درخواست بھیجنا ہے کہ میری کتاب شایع کی جائے۔ درخواست موصول ہونے کے بعد حکومتی محکمے مسودے کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں اور اگر ان کی نظر میں مسودے میں قومی سلامتی اور مفاد کے منافی کوئی بات شامل نہ ہو تو کتاب چھاپنے پر آمادگی ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس کڑے معیار پر پوری اُترنے والی کتاب چھپوانے کے لیے بھی اخراجات کا بندوبست خود مصنف ہی کو کرنا پڑتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ کتاب چھپنے کے بعد اسے فروخت کرنا بھی مصنف کی ذمہ داری ہے۔ وہ جیسے چاہے، اسے بیچے اور اپنی رقم کی وصولی کا انتظام کرے۔

حکومت اور اس کے ادارے اس سلسلے میں مصنف کی کوئی مدد نہیں کرتے۔

مزید معروضی سوالات

س: مصنف کے دوستوں نے اسے کابل جانے سے کیا کہہ کر روکا؟

ج: مصنف کے دوست اسے سردی سے ڈراتے رہے۔ مولانا حامد علی خان نے کہا کابل میں دو اوورکوٹ پہن کر بھی محسوس ہوتا تھا تن زیب کا انگرکھا پہنا ہے۔ حمید اختر نے کہا جاتے ہی افغانی کوٹ خرید لینا۔

س: حبیب اللہ شہاب کا اوورکوٹ پہن کر مصنف کا کیا حال ہوا؟

ج: حبیب اللہ شہاب کا اوورکوٹ پہنتے ہی بوجھ کے مارے مصنف زمین پر بیٹھ گئے اور دو آدمیوں نے بانہوں میں ہاتھ دے کر ان کو کھڑا کیا۔

س: پشاور کا ہوٹل دیکھ کر مصنف کو کون سا مصرع یاد آیا؟

ج: پشاور کا ہوٹل دیکھ کر مصنف کو سید محمد جعفری کا یہ مصرع یاد آیا۔

ع کسی مرے ہوئے گورے کی یادگار ہے یہ

س: ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک نے انٹرنیشنل ہوٹل کے متعلق کیا بتایا؟

ج: کاؤنٹر کلرک نے کہا کہ انٹرنیشنل ہوٹل بالکل ہمارے پچھواڑے ہے۔ بس کوئی ایک فرلانگ کا فاصلہ ہوگا۔

س: مصنف نے ڈاکٹر گلبرگ کا تعارف کن الفاظ میں کرایا ہے؟

ج: مصنف نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر گلبرگ دوادارو والے ڈاکٹر ہیں لیکن نسخوں کے علاوہ کتابیں بھی لکھتے ہیں اور یہی ہماری ان سے دوستی کی وجہ ہوئی۔

س: گئوکشی کے خلاف مظاہرہ کرنے والوں نے مغربی ٹورسٹوں سے کیا سلوک کیا؟

ج: ہندو مظاہرین کو جہاں بھی مغربی سیاح نظر آئے انہیں گھیر لیا اور کہنے لگے کہ یہ لوگ بھی مسلمانوں سے کم نہیں۔ یہ بھی گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔

س: ڈاکٹر گلبرگ نے پشاور کے ہوٹل کے متعلق کیا رائے ظاہر کی؟

ج: ڈاکٹر گلبرگ پشاور کے ہوٹل کے نام سے بے مزہ ہو جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ ہوٹل نظر ہٹو ہے تاکہ پاکستان کو نظر نہ لگ جائے۔

س: مصنف نے سنگترے بیچنے والے کو کتنے کا نوٹ دیا اور اس نے کتنی ریزگاری واپس کی؟

ج: مصنف نے سنگتروں کی قیمت کے طور پر دس افغانی کا نوٹ سنگترہ فروش کو دیا۔ اس نے چار افغانی کاٹ کر باقی ریزگاری واپس کر دی۔

س: ریلوے سٹیشن کا ذکر کرنے پر مصنف کے افغان دوست نے کیا کہا؟

ج: مصنف کے افغان دوست نے کہا "میاں! ہوش کی دوا کرو۔ کون سے ریلوے سٹیشن اور کیسی ریلوے۔ تمہیں

معلوم ہے افغانستان میں ریلوے نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہ شیطانی چرخہ تمہی کو مبارک ہو۔

س: مصنف نے افغانستان کے متعلق مضمون میں کیا پڑھا تھا؟

ج: مصنف نے افغانستان کے متعلق مضمون میں پڑھا تھا کہ ادھر آپ نے درہ خیبر کے پار افغانستان کی نئی سرزمین میں قدم رکھا اور ادھر آپ ایک صدی پیچھے پہنچ گئے۔

س: بچہ سقہ نے ریلوے لائن کیوں اکھاڑ پھینکی؟

ج: بچہ سقہ نے ریلوے لائن کو فرنگیوں کی بدعت قرار دے کر اکھاڑ ڈالا۔

س: کراچی والے دریائے کابل کی وسعت کا اندازہ کس طرح لگا سکتے ہیں؟

ج: کراچی والے اس گندے نالے کو دیکھ لیں جو نہ جانے کہاں سے آتا ہے اور کہاں جاتا ہے لیکن ویمن کالج کے پاس سے گزرتا ہے تو انہیں دریائے کابل کی وسعت کا اندازہ ہو جائے گا۔

14۔ ایوب عباسی ـــ رشید احمد صدیقی

مشکل الفاظ کے معانی

صفحہ نمبر 126: ○ ارزاں: سستا ○ ناگزیر: ضروری ○ نعائم فطرت: قدرت کی نعمتیں ○ اس درجہ: اس قدر ○ ناقابل التفات: جو توجہ کے قابل نہ ہو ○ گھل مل جانا: بہت محبت ہو جانا ○ رخصت ہونا: چلے جانا ○ ناقابلِ بیان: جو بیان کے قابل نہ ہو ○ نایاب: نہ ملنے والا، جو میسر نہ ہو ○ بظاہر: ظاہری طور پر ○ توڑ جوڑ: سازش ○ خوش پوشاک: اچھا لباس پہننے والا ○ خوش گفتار: اچھی گفتگو کرنے والا

صفحہ نمبر 127: ○ رنگین ورعنا: شوخ اور خوبصورت ○ سیاہ فام: کالے رنگ والا ○ نحیف الجثہ: کمزور جسم والا ○ پست قد: چھوٹے قد والا ○ چیچک رو: جس کے چہرے پر چیچک کے نشان ہوں ○ بدہیئتی: بدصورتی ○ دل آویز: دل کو اچھا لگنے والا ○ برت لے: میل ملاقات کر لے ○ دخیل تھے: داخل تھے ○ بے دست و پا: بے سہارا ○ الم: دُکھ ○ پیکرِ حقیر: کمزور آدمی ○ دلسوزی: ہمدردی ○ خودسپاری: خود کو دوسروں کے لیے وقف کر دینا ○ بے کراں: جس کی کوئی حد نہ ہو ○ بیش قیمت: بہت قیمتی ○ ودیعت: عطا ○ جان چھڑکنا: بہت زیادہ محبت کرنا ○ خاطر میں نہیں لاتے: پروا نہیں کرتے، اہمیت نہیں دیتے ○ جملے سر کرنا: جملے بازی کرنا ○ مسرت: خوشی ○ رنج: دُکھ ○ تسکین: سکون، ○ تقویت: طاقت ○ سراپا: سر سے پاؤں تک، ○ تک رہے ہیں: دیکھ رہے ہیں ○ احتمال: خدشہ، اندیشہ ○ بھانپ کر: اندازہ لگا کر ○ سدباب: تدارک، خاتمہ ○ کانوں کان خبر نہ ہو: بالکل پتا نہ چلے

صفحہ نمبر 128: ○ بہ ذاتِ خود: اپنے طور پر ○ عہدہ برآ ہونا: ذمہ داری پوری کرنا ○ خاطر خواہ: حسبِ توقع، اُمید کے مطابق ○ بگڑتے تھے: ناراض ہوتے تھے ○ سخت سست کہنا: برا بھلا کہنا ○ ملگجی: مٹی کے رنگ کی ○ مشغول و منہمک: متوجہ اور مصروف ○ بالخصوص: خاص طور پر ○ اعزہ: عزیز کی جمع، رشتے دار، ○ بلاخوف تردید: تردید کے ڈر کے بغیر ○ مشغولیتیں: مصروفیات، ○ تعجب: حیرانی ○ حواس بجا ہونا: حواس اپنی جگہ ہونا، حواس درست ہونا ○ کلمات: باتیں

صفحہ نمبر 129: ○ سیرت: کردار، زندگی گزارنے کا انداز ○ نادر: منفرد، نایاب ○ پرافتخار: فخر سے بھرپور ○ عزت آمیز محبت: ایسی محبت جس میں عزت بھی شامل ہو ○ تسکین: سکون ○ اطمینان بخش: تسلی بخش ○ استعداد: صلاحیت ○ صلہ: بدلہ ○ معاوضہ: اُجرت ○ یکساں: ایک جیسا ○ تن دہی: محنت ○ بیرا: ہوٹل کا خدمت گار ○ بھنگی: جھاڑو دینے والا ○ بہشتی: ماشکی ○ براہِ راست: سیدھے راستے سے، کسی وسیلے کے بغیر ○ سابقہ پڑنا: واسطہ پڑنا ○ اسٹرائیک: ہڑتال ○ طرزِ عمل: رویہ ○ صلیبِ احمر: ریڈ کراس ایک عالمی تنظیم، جو جنگ اور ناگہانی آفات میں خدمات انجام دیتی ہے، ہلالِ احمر ○ حتی المقدور: جہاں تک طاقت ہو، جتنا ممکن

ہو سکے ○ قضیہ: معاملہ، جھگڑا ○ تذکرہ: ذکر ○ مداوا: علاج

صفحہ نمبر 130: ○ کشادہ دلی: دل کی وسعت، دل بڑا ہونا ○ درپے رہتے: تیار رہتے ○ غم غلط کرنا: دُکھ دُور کرنا ○ جی بہل جائے: طبیعت خوش ہو جائے ○ یک بیک: ایک دم، اچانک ○ آبدیدہ ہو گئے: رونے لگے ○ تامُل: سوچ بچار ○ دنایت: نالائقی، کمینہ پن ○ شقاوت: بدبختی، بے رحمی ○ بددل نہ ہوں: دِل بُرا نہ کریں ○ نیک نام: اچھی شہرت والا، معزز ○ فیاضی: سخاوت، ○ اغیار: غیر کی جمع، پرائے ○ مسرور: خوش ○ بافراغت: خوش حال ○ انگاروں پر لوٹنا: شدید تکلیف محسوس کرنا ○ نکمّا پن: نالائقی ○ حربہ: تدبیر، ہتھیار ○ غاصب: غصب کرنے والا، ناجائز قابض ○ قبضہ مخالفانہ: وہ قبضہ جو مخالفت کی وجہ سے کیا گیا ہو ○ بہ صورتِ دیگر: دوسری صورت میں ○ ناکارہ: نکمّا، ○ ناموری: شہرت، ○ اذیت: تکلیف ○ جائے قیام: ٹھہرنے کی جگہ ○ شکرگزاری: شکریہ ادا کرنا ○ عالم: کیفیت، حالت ○ طاری ہونا: ظاہر ہونا، چھا جانا ○ بھلمنساہٹ: شرافت

صفحہ نمبر 131: ○ بہ زعم خود: اپنے خیال میں ○ معقول: عقلمند ○ متعارف کرایا: جان پہچان کرائی ○ دُوراز کار: بے کار ○ برخود غلط: اپنے متعلق غلط رائے رکھنے والا ○ دال ہیں: دلیل ہیں ○ بھدی: بری ○ تحت شعور: شعور سے نیچے کی سطح ○ ہرج: نقصان ○ تعجب: حیرت ○ تک: جواز، اپنی طرف سے بنائی ہوئی بات ○ بے تکلف دوست: انتہائی قریبی دوست ○ ردوقدح: بحث تکرار ○ نوعیت: قسم ○ دریافت کرنا: پوچھنا ○ اوڑھا ڈھکا کر: حفاظت کے ساتھ ○ جتن: کوشش ○ تشویش: خطرہ، ڈر ○ مرض الموت: موت کی بیماری، وہ بیماری جو جان لے کر جائے

صفحہ نمبر 132: ○ نزع: جان نکلنے کی کیفیت ○ عمائدین: معززین، اہم لوگ ○ ہجوم: بھیڑ ○ خانساماں: روٹی پکانے والا، ○ خوانچے والے: چھابڑی لگانے والے ○ بہتوں کے: بہت سوں کے ○ سپردِ خاک کیا گیا: مٹی کے حوالے کیا گیا، دفن کیا گیا ○ گریہ: رونا ○ گلوگیر ہونا: رونے سے گلا بند ہو جانا ○ غم نصیب: جس کی قسمت میں غم لکھے ہوں ○ دردناک: دردوالی ○ صدا: آواز ○ واجب الادا: جو ادا کرنا ضروری ہو

سبق کا خلاصہ

ایوب عباسی قدرتی نعمتوں مثلاً ہوا، پانی اور روشنی کی طرح تھے جن کی اہمیت کا ہمیں احساس نہیں ہوتا لیکن ان میں سے کوئی میسر نہ آئے تو زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ وہ اتنے اچھے تھے کہ ان کی خوبیاں بیان کرنے کے لیے موزوں الفاظ کا انتخاب بھی ایک مسئلہ ہے۔ وہ زندہ تھے تو اتنے غیر محسوس طریقے سے دوستوں کے کام آتے تھے کہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ رُخصت ہوئے تو ان کے نایاب اور اہم ترین ہونے کا احساس ہوا۔ وہ دولت مند، ذہین، خوش لباس، خوش گفتار یا شوخ اور حسین شخص نہ تھے بلکہ معمولی آدمیوں سے بھی زیادہ معمولی تھے۔ رنگ کالا، قد چھوٹا، جسم کمزور اور چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ اس بدہیئتی کے باوجود ان کی

خوبیوں نے انہیں دلاویز بنا دیا تھا ان کی موت پر ہم سب کو یکساں رنج و غم ہے۔ ان کی شخصیت میں دردمندی کا قیمتی خزانہ تھا۔

مجھ پر میرے خاندان اور دوستوں پر جان چھڑکتے تھے۔ ہر خوشی اور غم کے موقع پر موجود رہتے۔ خوشی کا موقع ہوتا تو جملے بازی کرتے۔ غم کا موقع ہوتا تو بالکل خاموش ہو جاتے۔ تعزیت کا ایک لفظ تک زبان سے ادا نہ کرتے تھے۔ میرے مزاج آشنا تھے جن باتوں سے مجھے تکلیف یا دل آزادی کا احتمال ہوتا ان کا سدباب مجھے بتائے بغیر کر دیا کرتے تھے۔

ہم دوست چاہتے تھے کہ ہاتھ پیر ہلانے نہ پڑیں اور ایوب سب کام کر دیں۔ اپنی غلطی سے کسی ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تو ہم ایوب پر برستے تھے۔ بمشکل پانچ فٹ قد کے ایوب معمولی ململ کی شیروانی پہنتے۔ کوٹا پھولا ہوتا اور گلے میں میلا سا مفلر لپٹا ہوتا تھا۔ ان کا گھر سال بھر تھرڈ کلاس کا مسافر خانہ بنا رہتا تھا۔ عزیزوں اور دوستوں کے جتنے لڑکوں کو ایوب نے اپنے گھر میں رکھ کر، اپنے خرچ سے علی گڑھ میں تعلیم دلوائی اتنا کسی اور شخص سے ہوا ہے نہ آئندہ ہو سکے گا۔ گھر میں طالب علموں کا ہجوم ہوتا اور وہ سب کے کھانے پینے اور ضرورتوں کا خیال رکھتے۔ آفس کا کام اور دوستوں کا کام انہیں ہر دم مصروف رکھتا ہم حیران ہوا کرتے تھے کہ وہ کیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ کوئی دوست بیمار ہوتا تو یہ رات دن تیمارداری کے لیے موجود رہتے۔ پاؤں دبانے سے سر میں تیل ڈالنے تک، ہر طرح کی خدمت کرتے، مریض اپنے چڑچڑے پن کی وجہ سے سخت سست بھی کہتا تو شکوہ نہ کرتے۔ صحت یاب ہونے کے بعد بھی لوگ شکریہ ادا کرنے کے بجائے ان کو بڑا بھلا کہا کرتے تھے۔ ہر چھوٹا بڑا ان سے عزت آمیز محبت کرنے میں لطف محسوس کرتا تھا۔ ایوب سے محبت یا ان کی عزت نہ کرنے سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہم میں شریفانہ جذبات اور احساس ذمہ داری نہیں۔ رہے ایوب تو انہوں نے عمر بھر کبھی نہیں سوچا کہ ان کی خدمات کا کوئی صلہ بھی مل رہا ہے یا نہیں۔

پروویسٹ کے دفتر میں اہم عہدے پر ہونے کے باعث ان کا سابقہ ہر طبقہ کے لوگوں سے پڑتا تھا۔ وہ طلبا کے خاندانی حالات سے آگاہ رہتے تھے اور طلبا انہیں اپنا بزرگ اور خیر خواہ سمجھتے تھے۔ یونیورسٹی میں سٹرائیک ہوتی تو طلبا کسی کی نہ سنتے تھے لیکن ایوب کا احترام برقرار رہتا تھا۔ ایوب یونیورسٹی کے معاملات اور تنازعات سے خود الگ رہتے اور اپنے دوستوں کو الگ رکھنا چاہتے تھے۔ کبھی کبھار اپنے خاندانی معاملات کا تذکرہ چھیڑتے۔ رشتے داران کی شرافت اور کشادہ دلی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے جس کا انہیں غم تھا۔ ایک روز اپنے عزیزوں کے برے رویے کا ذکر کرتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے۔ میں نے کہا بددل نہ ہوں آج کل لوگ غیروں کو خوش حال دیکھ کر فخر کرتے ہیں لیکن اپنوں کو کھاتا پیتا دیکھ کر حسد کرنے لگتے ہیں۔ نکمے پن کو اپنی خوبی اور کھاتے پیتے عزیز کو غاصب سمجھتے ہیں جس نے ان کے حصے کی نعمتوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ نہیں سوچتے کہ اس نے خوشحالی اور تامور ی پانے کے لیے کتنی محنت کی ہے۔

ایوب اپنے بزرگوں اور دوستوں کو میرے ہاں لاتے۔ پھر اصرار کرتے کہ میں ان لوگوں کے گھر بھی جاؤں۔ ان کی خوشی غمی سے مطلع کرتے اور میں ان میں سے کسی کے ہاں ہوآتا تو میرے شکر گزار ہوتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے پسندیدہ لوگوں کو میں بھی پسند کروں۔ ان کا خیال تھا کہ جس کو مجھ سے ملایا اس پر احسان کیا کہ اسے ایک معقول آدمی سے متعارف کیا۔ ایک روز اصرار کرنے لگے کہ رشید صاحب پتلون پہنا کیجیے۔ میں نے انکار کیا مگر ان کا اصرار جاری رہا۔ میرے ایک دوست نے مداخلت کرتے ہوئے واضح کیا کہ رشید نے خود پتلون سلوائی ہے۔ پہننا چاہتا ہے آپ سے ڈرتا ہے اس لیے کہہ رہا ہے کہ آپ پتلون پہنا کیجیے۔

موسم سرما میں ایک روز احباب ڈاکٹر عبادالرحمن کے ہاں جمع تھے۔ ایوب نے شدید سردی لگنے کی شکایت کی۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے اپنا گرم کوٹ اوڑھایا اور چائے پلائی۔ ایوب نے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی تو ہم انہیں چھوڑ آئے۔ بخار نے زور پکڑا اور دو تین ہفتے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ عالم نزع میں تھے تو مکان کے باہر طلبا، یونیورسٹی کے عمائدین بھنگی، بہشتی، چپڑاسی سمیت نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ اور ان کے بیوی بچے مایوس کھڑے تھے۔ میں نے پچیس برس میں کسی مرنے والے کے مکان پر ایسا مجمع نہیں دیکھا۔ ایوب کی تدفین کے بعد مولانا ابوبکر نے فرمایا کہ کسی کو ایوب سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معاف کردے۔ بہت سے لوگ رونے لگے وہاں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس پر ایوب کی خدمات کا قرض نہ ہو۔

مشقی سوالات

1۔ سبق کے متن کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالوں کے مختصر جواب دیجیے:

الف: ایوب عباسی کے سب کے ساتھ گھل مل جانے کا راز کیا تھا؟

جواب: ایوب میں بظاہر کوئی بات غیر معمولی نہ تھی۔ وہ دولت مند یا ذہین نہ تھے۔ خوش شکل، خوش پوشاک یا خوش گفتار بھی نہیں تھے لیکن وہ ہر چھوٹے بڑے کی خدمت اس خلوص اور محبت سے کرتے تھے کہ ہر کوئی انھیں اپنا سمجھتا تھا۔

ب: ایوب عباسی کی خدمت شعاری کا انداز کیا تھا؟

جواب: ایوب عباسی کسی صلے کی توقع رکھے بغیر اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، دوستوں اور علی گڑھ کے طلبا کی خدمت کرتے۔ ہر کسی کی خوشی غمی میں شریک ہوتے۔ بیمار دوستوں کی تیمارداری کرتے۔ اپنی ان خدمات کے معاوضے کا احساس ان کے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوا تھا۔

ج: آپ کے خیال میں ایوب عباسی کی سیرت کا سب سے منفرد پہلو کیا تھا؟

جواب: انسان فطری طور پر اپنی نیکیوں، خدمت گزاری یا احسانات کے صلے اور انعام کی توقع رکھتا ہے اور یہ کوئی غلط توقع بھی نہیں ہوتی۔ ایوب عباسی ہر چھوٹے بڑے کی خدمت کرتے تھے لیکن کبھی کسی صلے یا انعام کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ یہی ان کی سیرت کا منفرد ترین پہلو تھا۔

د: یونیورسٹی کے ملازمین کے ساتھ ایوب عباسی کا سلوک کیسا تھا؟

جواب: ایوب پرووسٹ کے دفتر میں اہم ترین عہدے پر فائز تھے اور ان کا سابقہ اساتذہ، بیرا، باورچی، نائی، چپڑاسی، بھنگی، بہشتی سب ہی سے پڑتا تھا۔ وہ سب کا خیال رکھتے تھے اور ان سے بھی خوش تھے۔ ایوب یونیورسٹی کے متنازعہ معاملات سے خود کو ہمیشہ الگ رکھتے تھے۔

ہ: ایوب عباسی کے انتقال پر لوگوں کے جذبات کا کیا عالم تھا؟

جواب: ایوب کا آخری وقت آیا تو ان کے مکان کے باہر یونیورسٹی کے طلبا اور عمائدین کے علاوہ بھنگی، بہشتی، چپڑاسی، نائی، دھوبی، بیرے، باورچی، خانساماں اور خوانچے والے بھی موجود تھے۔ یہ سب غم کی تصویر بنے، سر جھکائے کھڑے تھے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ انھوں نے ایسا مجمع پچیس سال میں کسی مرنے والے کے دروازے پر نہیں دیکھا تھا۔

2: مندرجہ ذیل میں سے درست لفظ منتخب کر کے خالی جگہ پُر کیجیے:

واجب الادا۔ دخیل۔ صلیب احمر۔ نعائم فطرت۔ دل سوزی و خود سپاری۔ بے دریغ بخشی۔ لطف و تن دہی

الف: وہ موجود تھے تو ان کی مثال نعائم فطرت کی تھی۔

ب: میں نہیں بتا سکتا کہ ہم سب کی زندگیوں میں ایوب کس قدر دخیل تھے۔

ج: خدا ہی بہتر جانتا ہے اس پیکر حقیر میں دل سوزی و خود سپاری کا کیسا بے کراں و بیش قیمت خزانہ ودیعت تھا۔

د: چھوٹے بڑے کی خدمت یکساں لطف و تن دہی سے کرتے تھے۔

ہ: ان کا طرز عمل لوگوں سے وہی ہوتا جو میدان جنگ میں صلیب احمر کا ہوتا ہے۔

و: ''کیا یہاں کوئی ایسا بھی موجود ہے جس پر ایوب کی خدمات کا صلہ واجب الادا نہ ہو۔''

3: مندرجہ ذیل محاورات کو جو اس سبق میں آئے ہیں۔ اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

جواب: ○ جملے سُر کرنا: ہر ایک پر جملے سُر کرنا امجد کی تو عادت ہی بن گئی ہے۔

○ کانوں کان خبر نہ ہونا: امجد کے یورپ جانے کی محلے میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

○ عہدہ برآ ہونا: ہمارے پروفیسر صاحب اپنی ذمہ داریوں سے بڑی خوش اسلوبی سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔

○ دم گھٹنا: اس شدید حبس میں میرا تو دم گھٹ رہا ہے۔

○ جادو کا کام کرنا: ایوب مرحوم کی باتیں لوگوں پر جادو کا کام کرتی تھیں۔

○ جی ہلکا ہونا: صفحہ قرطاس پر اپنی رُوداد غم لکھ کر اس کا جی ہلکا ہو گیا۔

○ انگاروں پر لوٹنا: دوست کی بے وفائی پر اس نے تمام رات انگاروں پر لوٹتے ہوئے گزاری۔

○ بے دست و پا: قاسم رضا دوستوں کے روٹھ جانے سے خود کو بے دست و پا محسوس کرتا ہے۔

○ جان چھڑکنا: ہماری افواج مادرِ وطن پر جان چھڑکتی ہیں۔

○ خاطر میں نہ لانا: قاسم اتنا خود غرض ہے کہ اپنے مفادات کے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔

4: اپنی کسی پسندیدہ شخصیت کا خاکہ تحریر کیجیے۔

جواب: طالب علم خود کوشش کریں۔

5: سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباسات کی تشریح کیجیے۔

الف: ''ہم سب کی زندگیوں میں مرحوم کے گھل مل جانے کا راز یہ تھا کہ اُن میں بظاہر کوئی بات غیر معمولی نہ تھی۔ وہ غیر معمولی قابلیت کے آدمی نہ تھے، دولت مند نہ تھے، کچھ بہت ذہین بھی نہ تھے۔ نہ انھیں توڑ جوڑ آتا تھا، نہ خوش پوشاک، نہ خوش گفتار، نہ خوش باش، نہ رنگین و رعنا۔ وہ معمولی آدمیوں سے بھی زیادہ معمولی تھے، پھر بھی وہ ایسے تھے کہ اب ہم میں ویسا کوئی اور نہ اب ڈھونڈے سے بھی کوئی ایسا ملے۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ 127,126)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : ایوب عباسی

مصنف کا نام : رشید احمد صدیقی

سیاق و سباق: رشید احمد صدیقی نے ایوب عباسی کی شخصیت کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ دردِ دل، انسانیت سے محبت اور اس کی خدمت وہ عظیم جذبات ہیں جو عام سی شخصیت کو بھی خاص بنا دیتے ہیں۔ ایوب چہرے مہرے، قد کاٹھ اور ظاہری شخصیت کے اعتبار سے معمولی آدمی تھے لیکن زندگی بھر ہر خاص و عام سے ایسا محبت بھرا سلوک کرتے رہے کہ ان کی موت نے سب کو سوگوار کر دیا۔ ایوب علی گڑھ کے طلبا، اپنے عزیز و اقارب، دوست احباب سب کے لیے ایک نعمت خداوندی تھے۔ وہ دوسروں کے کام آ کر خوش ہوتے تھے۔ رشید احمد صدیقی سے انھیں بہت محبت اور عقیدت تھی۔ خاکے میں رشید صدیقی نے ان کی دردمندی اور انسانیت کو قابلِ قدر قرار دیتے ہوئے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

تشریح: خلقِ خدا کے دلوں میں جگہ بنانے اور معاشرے میں باعزت مقام حاصل کرنے کے لیے حسن، ذہانت، دولت، عہدہ و منصب اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ان سے محروم شخص عزت اور محبوبیت سے بھی محروم ہی رہے۔ دردِ دل، انسانیت سے محبت، خوش اخلاقی، صلہ رحمی، دوست داری اور جذبہ خدمت موجود ہو تو معمولی آدمی بھی لوگوں کے دل جیت لیتا ہے۔ ایوب عباسی ایسے ہی معمولی آدمی تھے جن میں یہ غیر معمولی صفات موجود تھیں۔ وہ دولت مند یا ذہین نہ تھے۔ سیاست اور جوڑ توڑ سے ناواقف تھے۔ خوش لباس اور خوش کلام بھی نہ تھے۔ ان کی شخصیت میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس میں دوسرے لوگ کشش محسوس کریں اس کے باوجود وہ اپنے دوست احباب کی زندگی کا جزوِ لاینفک تھے۔ ان جیسا دردمند، خدمت گزار، مخلص اور بے غرض دوست ڈھونڈنا ممکن نہیں۔ ان کی وفات ان کے دوستوں کا ناقابلِ تلافی نقصان تھا۔

ب: ''ایوب صاحب کا گھر بارہ مہینے تھرڈ کلاس کا مسافر خانہ بنا رہتا تھا، ہر طرح کے لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بالخصوص اعزّہ اور دوستوں کے لڑکے، مجھے یقین ہے اور میں بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ ایوب صاحب کے گھر میں قیام کر کے اُن کے خرچ سے، ان کی توجہ و محنت سے، ان کے بَل پر اعزّہ اور احباب کے جتنے لڑکوں نے علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی ہوگی، اتنا اب تک کسی اور شخص سے نہ اب تک ہوا اور نہ شاید آئندہ ہو۔''

(سرمایۂ اُردو 12، صفحہ نمبر 128)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : ایوب عباسی

مصنف کا نام : رشید احمد صدیقی

سیاق وسباق: رشید احمد صدیقی نے ایک ایسے شخص کا خاکہ لکھا ہے جو ظاہری شکل وصورت، علم وفضل یا معاشرے میں اپنے مقام کے حوالے سے انتہائی معمولی ہے۔ اس کی شخصیت میں کشش کا کوئی پہلو نہیں لیکن اس کے دردمند دِل نے اسے پورے ماحول میں مقبولیت عطا کر رکھی ہے۔ ایوب عباسی نے اپنی بے لوث خدمت گزاری کی عادت کے باعث علی گڑھ میں ہر دلعزیزی حاصل کی۔ وہ دوسروں کے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھتے تھے۔ مشکل میں لوگوں کے کام آنا ان کا خاص وصف تھا۔ ان کے انتقال پر علی گڑھ میں ان کے مکان کے باہر جمع ہونے والے ہجوم میں یونیورسٹی کے عمائدین کے ساتھ بھنگی، بہشتی اور نائی بھی شامل تھے جس سے ان کی ہر دلعزیزی کا پتا چلتا ہے۔ ان کی تدفین پر ہر شخص سوگوار تھا اور بہت سے لوگوں کی آنکھیں نم تھیں۔

تشریح: ایوب عباسی انسانیت کی بے لوث خدمت پر یقین رکھتے تھے اور کسی صلے یا ستائش کی تمنا رکھے بغیر لوگوں کے کام آتے تھے۔ اپنے مختلف کاموں کے سلسلے میں علی گڑھ آنے والے لوگ ہوں یا یونیورسٹی کے طلبا، ایوب کے گھر کے دروازے سب کے لیے کھلے تھے۔ ان کے گھر میں مختلف علاقوں اور مختلف مزاجوں کے لوگ ٹھہرا کرتے تھے اسی لیے رشید صدیقی نے لکھا ہے کہ ان کا گھر بارہ مہینے تھرڈ کلاس کا مسافر خانہ بنا رہتا تھا۔ عزیزوں اور دوستوں کے لڑکوں کی یونیورسٹی میں تعلیم کو وہ اپنا ذاتی مسئلہ سمجھتے تھے۔ حد یہ ہے کہ وہ ان کی تعلیم کے اخراجات تک ادا کر دیا کرتے تھے۔ کسی کو اپنے گھر میں رہنے کے لیے جگہ دینا ہی ایثار کی عمدہ مثال ہے اور اگر میزبان مہمان کے ذاتی اخراجات بھی برداشت کرنے لگے تو تسلیم کرنا ہوگا کہ ایسا میزبان اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے۔ ایوب کی مہمان نوازی اور ایثار کی صفات کے پیشِ نظر رشید صدیقی کہتے ہیں کہ علی گڑھ میں کسی اور شخص کے بل پر اس کے رشتے داروں اور عزیزوں کے اتنے لڑکوں نے تعلیم نہ پائی ہوگی جتنے لڑکوں نے ایوب کی سرپرستی کے باعث تعلیم پائی۔ خدمتِ خلق کے اس خاص شعبہ میں ایک معمولی شخص ایوب نے علی گڑھ کے بڑے بڑے عہدیداروں اور علمی شخصیات کو بھی پیچھے چھوڑ دیا جو یقیناً ایوب کی عظمت کی دلیل ہے۔

ج: ''دوستوں میں سے کوئی بیمار پڑا اور یہ آموجود ہوئے، رات دِن کا مسلسل قیام پاؤں دبا رہے ہیں، سر میں تیل ڈال رہے ہیں، دوا لا رہے ہیں، کھانا تیار کر رہے ہیں۔ بیماری میں آدمی چڑچڑا ہو جاتا ہے چنانچہ اس کی ہر

قسم کی زیادتیاں بھی سہ رہے ہیں۔ بیمار اچھا ہوا تو شکریے میں بھی سخت سست ہی کلمات کہے۔''

(سرمایۂ اُردو 12، صفحہ نمبر 128)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : ایوب عباسی

مصنف کا نام : رشید احمد صدیقی

سیاق وسباق: ایوب عباسی شکل وصورت کے اعتبار سے معمولی لیکن سیرت وکردار کے لحاظ سے قطعی غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے پاس مال ودولت نہیں بلکہ ہمدردی اور خدمت خلق کا قیمتی جذبہ تھا۔ وہ اپنے عزیز واقارب، دوست احباب کی خدمت میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ ان کی عظمت یہ تھی کہ بھلائی کے بدلے میں کچھ بھی نہیں چاہتے تھے۔ دوست ان کی خدمات کے صلے میں انھیں سخت سست کہتے لیکن وہ کبھی شکوہ نہ کرتے تھے۔ ان کی انھی صفات نے انھیں علی گڑھ میں ہر چھوٹے بڑے کی نظر میں پسندیدہ بنا دیا تھا۔ انھوں نے وفات پائی تو ہر شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے لوگ مکان کے باہر جمع تھے۔ یہ ایک بے لوث اور دردمند شخصیت کو علی گڑھ والوں کا خراج عقیدت تھا۔

تشریح: ایوب عباسی پر خاکے کی ابتدا میں رشید احمد صدیقی نے لکھا ہے کہ وہ ہوا، پانی اور روشنی کی طرح فطرت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت محسوس ہوتے تھے۔ مشاہدے کی بات ہے کہ ہم سب نعائم فطرت سے فیض یاب ہوتے ہیں لیکن کسی نے کبھی ان نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ ہوا، پانی اور روشنی کی اہمیت ہم اس لیے نہیں جان پاتے کہ یہ نعمتیں ہمیں مفت میں میسر آتی ہیں اور ہمارا لاشعور ان کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔ ایوب عباسی کے دوست ایوب کی شخصیت کے حوالے سے بالکل یہی رویہ اپنائے ہوئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایوب سے خدمت لینا ان کا حق ہے۔ اسی لیے ایوب کا شکریہ تک ادا نہیں کرتے تھے۔ کوئی دوست بیمار پڑتا تو ایوب رات دن اس کے پاس موجود رہتے۔ اپنے آرام کی قربانی دے کر تیمارداری کرتے۔ بیمار کے سر میں تیل ڈالتے۔ پاؤں دباتے، کھانے اور دوا کا خیال رکھتے، مریض عموماً چڑچڑا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ وقت گزارنا آسان نہیں ہوتا۔ ایوب بیمار دوستوں کی ناگوار باتیں بھی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے تھے۔ ان کی محنت بارآور ہوتی اور بیمار دوست صحت یاب ہو جاتے تو بھی شکریہ ادا کرنے کے بجائے ایوب کو سخت سست ہی کہا کرتے تھے۔ دوست سمجھتے تھے کہ نعائم فطرت کی طرح ایوب پر بھی ان کا پورا حق ہے اور ایوب ان کی خدمت کرتے ہیں تو اس میں ایوب کی کوئی خوبی نہیں بلکہ وہ اپنی فطرت اور ہمدرد طبیعت کے باعث اس نیکی پر مجبور ہیں۔

و: ''ایوب صاحب کی سیرت وشخصیت کا عجیب اور نادر پہلو یہ تھا کہ بڑے سے بڑا آدمی ہو یا چھوٹے سے چھوٹا، ان سے عزت آمیز محبت کرتا تھا۔ ترس کھا کر یا مجبور ہو کر نہیں بلکہ ان سے محبت کرنے میں اسے لطف آتا تھا۔ ایوب سے محبت کر کے جیسے دل کو تسکین ہو جاتی تھی، ایک طرح کی پُرافتخار اور اطمینان بخش تسکین، جیسے یہ احساس کہ ہم میں بھلائی کرنے یا بلند ہونے کا جذبہ یا استعداد ہے۔ ایوب سے محبت نہ کیجیے یا اُن کی عزت نہ

کیجیے تو یہ محسوس ہوتا کہ ہم میں شریفانہ جذبات یا احساسِ ذمے داری کی کمی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مدِ نظر رکھیے کہ ایوب صاحب کے دِل میں یہ بات کبھی گزری ہی نہیں کہ ان کی خدمات کا صلہ مل رہا ہے یا نہیں۔ معاوضے کا احساس شاید ان میں پیدا ہی نہیں کیا گیا تھا۔ بڑے چھوٹے کی خدمت یکساں لطف و تن دہی سے کرتے تھے۔" (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ نمبر 129)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : ایوب عباسی

مصنف کا نام : رشید احمد صدیقی

سیاق و سباق: ایوب عباسی کی شخصیت میں ہمدردی اور خدمت گزاری کے اوصاف اتنے نمایاں تھے کہ معمولی شکل و صورت کے باوجود وہ علی گڑھ میں ہر دلعزیز تھے۔ وہ ہر چھوٹے بڑے کے دُکھ درد میں شریک ہوتے۔ بیمار دوستوں کی تیمارداری کرتے۔ رشتہ داروں اور دوستوں کے طالب علم بیٹوں کو اپنے گھر میں ٹھہراتے اور تعلیمی اخراجات تک برداشت کرتے تھے۔ وہ اپنی ان خدمات کے بدلے میں کسی معاوضے یا صلے کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ ان کے احباب ان کی خدمات کا شکریہ تک ادا نہ کرتے تھے لیکن ایوب بد دِل نہ ہوتے تھے۔ ان کی بے لوث خدمات کے باعث علی گڑھ کے لوگ ان سے محبت اور عقیدت رکھتے تھے جس کا مظاہرہ ان کی وفات اور تدفین کے وقت ہوا۔ رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ علی گڑھ والوں نے ایوب کی وفات پر جس عقیدت اور محبت کا اظہار کیا وہ کسی اور مرنے والے کے حصے میں نہیں آئی۔

تشریح: فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ اچھے کو اچھا اور برے کو برا سمجھا جائے اور اس کے مخالف رویہ اپنانے والے انسان کا ضمیر کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ اچھائی کے اعتراف کی اسی انسانی فطرت نے ایوب کو معاشرے میں باعزت مقام دِلایا تھا۔ ایوب عباسی کی نیکیاں، ہمدرد طبیعت اور جذبہ خدمت گزاری کے پیشِ نظر سب بڑے چھوٹے نہ صرف ان سے محبت کرتے بلکہ ان کی عزت بھی کرتے تھے۔ یہ عزت کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں تھی نہ ہی لوگ ایوب پر ترس کھا کر ان سے محبت کرتے تھے بلکہ حقیقت یہ تھی کہ ان کا ضمیر انھیں ایوب سے محبت اور ان کی عزت کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ ضمیر سے یہ صدا آتی تھی کہ ایسے بھلے اور نیک آدمی سے ضرور محبت کرنی چاہیے۔ رشید صدیقی لکھتے ہیں کہ ان سے محبت کرنے میں لطف آتا تھا۔ دل کو اطمینان اور سکون ملتا تھا۔ ایوب عباسی سے محبت نہ کرنے یا ان کی عزت نہ کرنے کا مطلب گویا یہ تھا کہ ہم میں شرافت یا احساسِ ذمہ داری نہیں کیونکہ شرافت موجود ہو تو انسان شرافت کی قدر ضرور کرتا ہے اور احساسِ ذمہ داری ہو تو کسی کی خدمت گزاری کی تعریف کیے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتا۔ ایوب عباسی کے حوالے سے یہ بات خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ ان کے دِل میں کبھی یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی کہ انھیں ان کی خدمات کا صلہ مل رہا ہے یا نہیں۔ یہ بے غرضی ہی ان کی عظمت کی بنیاد تھی۔ وہ ہر چھوٹے بڑے کی خدمت گزاری میں یکساں لطف محسوس کرتے تھے اور کسی سے کوئی صلہ نہیں چاہتے تھے۔

6: اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

جواب: دیکھیے سبق کا خلاصہ۔

مزید معروضی سوالات

س: مصنف نے ایوب عباسی کی شکل وصورت کے متعلق کیا لکھا ہے؟

ج: مصنف نے لکھا ہے کہ ایوب عباسی سیاہ فام، چیچک رو، پست قد اور نحیف الجثہ تھے۔ ان کا قد بمشکل پانچ فٹ اور شکل صورت ایسی تھی کہ کوئی دیکھے تو منہ پھیر لے۔

س: ایوب عباسی کے مصنف کے ساتھ کیسے تعلقات تھے؟

ج: ایوب عباسی مصنف، ان کے بچوں، دوستوں اور خاندان پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ مصنف کے ہاں ہر خوشی اور غم کے موقع پر سب سے پہلے موجود ہوتے تھے۔

س: غم کے موقع پر ایوب عباسی کا ردِعمل کیا ہوتا تھا؟

ج: غم کے موقع پر وہ ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے تھے۔ نہ تسکین کا، نہ تقویت کا، چپ چاپ بیٹھے دوسرے کا منہ دیکھتے رہتے۔

س: مصنف اور ان کے دوست ایوب عباسی سے کیا توقع رکھتے تھے؟

ج: مصنف اور ان کے دوست توقع رکھتے تھے کہ انہیں ہاتھ پاؤں ہلانا نہ پڑے اور ایوب سب کام خود ہی کر دیں۔

س: ایوب عباسی کے اپنے رشتے داروں کے متعلق کیا تاثرات تھے؟

ج: ایوب عباسی اپنے رشتہ داروں سے کچھ زیادہ راضی نہ تھے۔ یہ رشتہ دار ایوب کی شرافت اور کشادہ دلی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کے درپے رہتے تھے۔ اس کا ایوب کو بہت غم تھا۔

س: مصنف کے خیال میں کامیاب لوگوں کے رشتہ داروں کا رویہ کیسا ہوتا ہے؟

ج: مصنف نے لکھا ہے کہ لوگ غیروں کو بافراغت دیکھ کر خوش ہوتے ہیں لیکن اپنوں کی خوش حالی سے جلتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ خوش حال رشتہ داروں نے ان کے حصے کی نعمتیں غصب کر رکھی ہیں۔

س: ایوب عباسی نے مصنف کو پتلون پہننے کا مشورہ کیوں دیا؟

ج: ایوب عباسی نے ایک پتلون سلوائی تھی اور اسے پہننا چاہتے تھے لیکن مصنف سے ڈرتے تھے۔ اس لیے مصنف کو پتلون پہننے کا مشورہ دیا تاکہ بعد میں خود بھی پتلون پہن سکیں۔

س: ڈاکٹر عباد نے ایوب عباسی سے کیا کہا؟

ج: ڈاکٹر عباد نے ایوب عباسی سے کہا "نہ ٹھکانے سے کھاتے ہو نہ شریفوں کی طرح رہتے ہو سردی کیوں نہ لگے۔" پھر اپنا گرم کوٹ ایوب کو اوڑھا دیا۔

س: ایوب عباسی کی موت کے وقت ان کے گھر کے باہر کون لوگ جمع تھے؟

ج: ایوب عباسی کی موت کے وقت ان کے گھر کے باہر یونیورسٹی کے عمائدین، طلبا، بھنگی، بہشتی، چپڑاسی، نائی، دھوبی، بیرے، باورچی، خانساماں، خوانچے والے اور ان میں سے بہتوں کے بیوی بچے موجود تھے۔

س: ایوب عباسی کی تدفین کے بعد مولانا ابوبکر نے کیا کہا؟

ج: مولانا ابوبکر نے کہا کہ ''بھائیو! ایوب اپنے پیدا کرنے والے کے ہاں پہنچ گئے۔ اگر تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معاف کر دینا۔''

س: یونیورسٹی کے معاملات کے حوالے سے ایوب عباسی کا طرزِ عمل کیا تھا؟

ج: ایوب عباسی یونیورسٹی کے معاملات اور اُلجھنوں سے ہمیشہ علیحدہ رہتے اور حتی المقدور اپنے دوستوں کو بھی علیحدہ رکھنا چاہتے تھے۔

س: ایوب عباسی کی موت کے وقت ان کے گھر کے باہر کون لوگ جمع تھے؟

ج: ایوب عباسی کی موت کے وقت ان کے گھر کے باہر یونیورسٹی کے عمائدین، طلبا، بھنگی، بہشتی، چپڑاسی، نائی، دھوبی، بیرے، باورچی، خانساماں، خوانچے والے اور ان میں سے بہتوں کے بیوی بچے موجود تھے۔

س: ایوب عباسی کی تدفین کے بعد مولانا ابوبکر نے کیا کہا؟

ج: مولانا ابوبکر نے کہا کہ ''بھائیو! ایوب اپنے پیدا کرنے والے کے ہاں پہنچ گئے۔ اگر تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معاف کر دینا۔''

س: یونیورسٹی کے معاملات کے حوالے سے ایوب عباسی کا طرزِ عمل کیا تھا؟

ج: ایوب عباسی یونیورسٹی کے معاملات اور اُلجھنوں سے ہمیشہ علیحدہ رہتے اور حتی المقدور اپنے دوستوں کو بھی علیحدہ رکھنا چاہتے تھے۔

حصہ غزلیات

خواجہ میر درد ـــــ (1719ء-1785ء)

شاعر کا تعارف: سیّد خواجہ میر نام اور درد تخلص تھا۔ والد کا نام خواجہ محمد ناصر اور عندلیب تخلص تھا جو فارسی زبان کے بہت اچھے شاعر تھے۔ ظاہری و باطنی کمالات اور تعلیم و تربیت اپنے والد ہی سے حاصل کی۔ قرآنِ پاک، حدیث، تفسیر، فقہ اور تصوف میں بھی دسترس پائی۔ درویشانہ تعلیم نے روحانیت کو جلا بخشی گویا شاعری اور تصوف کی تعلیم ورثے میں ملی۔ آپ باعمل صوفی تھے۔ ''قال'' کے نہیں بلکہ ''حال'' کے صوفی تھے۔ ذاتی تقدس، تقویٰ، خودداری، ریاضت، عبادت، قناعت، حق پرستی اور درویشی کی وجہ سے، چھوٹے بڑے ان کی عزت کرتے تھے۔ یہی موضوعات اُن کی شاعری میں شامل ہیں۔

دردؔ کا اردو دیوان اگرچہ مختصر ہے مگر سراپا انتخاب ہے۔ دردؔ کے کلام کی شستگی، تاثر اور صفائی کے بارے میں مولانا محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' میں بہت مختصر مگر نہایت لطیف اور جامع تبصرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''درد کی غزل سات یا نو شعروں کی ہوتی ہے۔ خصوصاً چھوٹی چھوٹی بحروں میں غزل کہتے ہیں گویا تلوار کو کی آب داری، نشتر میں بھر دیتے ہیں۔'' خیالات متین ہیں کسی کی ہجو کہی اور نہ کسی دنیادار کا قصیدہ لکھا۔ ان کے کلام میں سوز و گداز، متانت، نفاست حلاوت اور رنگینی ہے۔ بقول امیر مینائی ''کلام کیا ہے پسی ہوئی بجلیاں معلوم ہوتی ہیں۔''

1۔ غزل ـــــ خواجہ میر دردؔ

شعر 1:

کام مردوں کے جو ہیں، سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ کام مردوں کے: بہادروں کے کام، دلیری اور جوانمردی کے کام، مردوں سے یہاں مراد ہے بہادر لوگ۔

مفہوم: دنیا میں صرف وہی لوگ دلیری کے کام کر سکتے ہیں جو اپنی جان کی پروا نہیں کرتے۔

تشریح: خواجہ میر دردؔ غزل کے اس مطلع میں ایک اٹل اور مسلمہ حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی بڑا کارنامہ انجام دینے کے لیے جرأت، مردانگی، بہادری، بلند ہمتی اور جوانمردی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جوانمرد جو کچھ کہتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔ راستے کتنے ہی کٹھن، راہیں کتنی ہی دُشوار اور منزلیں کتنی ہی پُرخطر کیوں نہ ہوں وہ کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ وہ کڑی دُھوپ ہی کو اپنا سایہ بنا لیتے ہیں ہر گرداب کو پانیوں کا پھول سمجھتے ہیں۔ وہ کبھی قائداعظمؒ کی طرح، شاعر کے تصور کو حقیقت کا جامہ پہناتے ہیں اور کبھی وطن کی حفاظت کے لیے بم سینوں سے باندھ کر ٹینکوں کے آگے لیٹ جاتے ہیں۔ انہیں موت کی قطعاً پروا نہیں ہوتی۔

موت ان کے لیے محض ایک کھیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان جوانمردوں کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جنھوں نے ناممکنات کو ممکن بنا دیا۔ ان کے کارنامے ابد تک یاد رکھے جائیں گے' جو لوگ جان کو اعلیٰ ترین مقاصد سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں انہیں جوانمرد نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ان کے ارادے بلند نہیں ہوتے اسی لیے وہ کسی ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں جرأت کا اظہار نہیں کر سکتے۔ بزدل لوگ کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتے۔ خواجہ میر درد ایسے لوگوں پر طنز بھی کر رہے ہیں اور انہیں عمل کی طرف راغب بھی کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ تاریخی کارنامے انجام دینا ''نشانِ حیدر'' پانا اور اپنا نام زندۂ جاوید رکھنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر مرنا جانتے ہیں۔ بقول اقبالؒ

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

شعر 2: **موت! کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے**
مرنے سے آگے ہی' یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **فقیر:** وہ لوگ جنھوں نے فقر اختیار کیا ہو۔ یہاں فقیر سے مراد صوفی اور درویش لوگ ہیں جو دنیا سے بے نیاز ہوں' جنھوں نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کو مار ڈالا ہو' دنیا کی عشرتوں کو چھوڑ کر اصل موت سے پہلے ہی اپنے آپ کو مار ڈالا ہو ○ **موت سے آگے مرنا:** یعنی موت آنے سے پہلے مرنا۔ نفسِ امارہ کو مارنا۔ دنیاوی خواہشات کو مار ڈالنا۔

مفہوم: موت کو ان لوگوں سے کیا ملے گا جنھوں نے مرنے سے پہلے ہی اپنے آپ کو مار ڈالا ہو اور خود موت کے منتظر ہوں۔

تشریح: خواجہ میر درد نے اس شعر میں لفظ ''فقیروں'' سے بڑی معنویت پیدا کی ہے ایک صوفی اور درویش جس نے اپنی تمام دنیاوی آرزوؤں' تمناؤں اور خواہشوں کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ تمام نفسیاتی لذتوں اور زندگی کی مسرتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ اپنی دلی خواہشات کو مار ڈالا ہے' فقر اختیار کر لیا ہے۔ زندگی اور کائنات میں میسر وسائل کو ذاتی مفاد میں لانے کا عمل چھوڑ دیا ہے۔ ''وہ ''مُوتُوا قَبلَ اَن تَمُوتُوا'' یعنی مر جاؤ اس سے پہلے کہ تمہیں موت آ جائے۔'' کی عملی تفسیر بن چکا ہے۔

جسمانی یا حیوانی ضروریات یا نفسِ امارہ ہماری روحانی زندگی کے لیے بہت نقصان دہ ہیں جن کی وجہ سے ہم غرور اور تکبر کرتے ہیں صوفیائے کرام اسی لیے نفسِ امارہ کو مارنے پر زور دیتے ہیں تاکہ خدا تعالیٰ کی محبت کے سوا کسی اور ہستی یا چیز کی محبت دل میں پیدا نہ ہو۔ اسی کو موت سے آگے یعنی موت سے پہلے مرنا کہتے ہیں۔ ایسے فقیروں اور دنیا سے بے نیاز لوگوں کے پاس موت کا فرشتہ آ کر کیا لے گا؟ کیونکہ وہ پہلے ہی موت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ موت ان کے لیے خوشخبری کا پیغام

لانے کا سبب بنتی ہے۔ انہیں دنیا چھوڑنے کا کوئی غم نہیں ہوتا۔ دنیا چھوڑنے کا غم تو انہیں ہوتا ہے جو دنیا سے دل لگاتے ہیں۔ خواجہ میر درد کہتے ہیں کہ اے موت! دنیا سے بے نیاز لوگوں کے پاس آ کر تجھے کیا ملے گا؟ ان کے پاس آنا یا نہ آنا برابر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ پہلے ہی دنیاوی اعتبار سے مُردوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں' جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں زندگی بسر کر رہے ہوں موت انکا کیا بگاڑ لے گی؟

کیا سہل جی سے ہاتھ اُٹھا بیٹھتے ہیں لوگ — یہ عشق پیشگاں ہیں الٰہی کہاں کے لوگ؟
مجنوں و کوہکن نہ تلف عشق میں ہوئے — مرنے پہ جی ہی دیتے ہیں اس خانداں کے لوگ

شعر 3: دید وا دید جو ہو جائے' غنیمت سمجھو
جوں شرر' ورنہ ہم' اے اہلِ نظر' جاتے ہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ دیدوادید: آمنا سامنا' ملاقات' دو آدمیوں کا ایک دوسرے کی ملاقات کو جانا۔
○ غنیمت: کافی ○ جوں: جیسے ○ شرر: چنگاری ○ اہلِ نظر: نظر والے' بصیرت رکھنے والے۔

مفہوم: اس مختصر سی زندگی میں جتنی ملاقات یا دیدار ہو جائے اسے غنیمت سمجھو ورنہ اے اہلِ نظر! ہم چنگاری کی طرح بہت جلد دنیا سے جانے والے ہیں۔

تشریح: اس دنیا میں کسی سے ملاقات ہو جائے۔ کوئی منظر سامنے آ جائے۔ کسی سے آمنا سامنا ہو جائے۔ کسی کا دیدار ہو جائے تو اسے کافی سمجھا جائے۔ کیونکہ ہمارا قیام اس دنیا میں ایک خاص مدت تک کے لیے ہے۔ ہر شخص کو موت کی آغوش میں جانا ہے۔ موت کسی شخص کو کب آ جائے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جب موت آ جائے گی تو اس دُنیا کی طرف سے آنکھ بند ہو جائے گی۔ ہماری رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گی تو ہمیں دوبارہ اس دنیا میں کسی پسندیدہ یا غیر پسندیدہ شخص یا منظر کو دیکھنے کی مہلت نہیں ملے گی۔ دُنیاوی زندگی کا باب بند ہو جائے گا۔ اس لیے زندگی کے دوران میں جو وقت ملتا ہے۔ اس وقت کو غنیمت جاننا چاہیے۔ زندگی ایک چنگاری کی طرح بہت مختصر ہے۔ چنگاری جو جلتی ہوئی لکڑی یا کوئلے سے چھٹک کر ایک لمحے سے بھی کم وقت کے لیے ایک لکیر سی بناتی ہوئی فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی بھی بہت مختصر ہے۔ اسی مختصر سی زندگی میں جو کچھ نظر آتا ہے اسے غنیمت جانیں ورنہ مرنے کے بعد اس دُنیا کی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ خواجہ حیدر علی آتش کہتے ہیں:

فرصتِ زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

شعر 4: بے ہنر' دشمنِ اہلِ ہنر سے' آ کر
منہ پہ چڑھتے تو ہیں' پر جی سے اُتر جاتے ہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ بے ہنر: ہنر نہ جاننے والے' کمال نہ رکھنے والے' فن سے ناواقف۔

○ دُشمنیٔ اہلِ ہنر: صاحبانِ ہنر سے دُشمنی ○ منہ پر چڑھنا: منہ لگنا' گستاخ ہونا' مقابلہ کرنا ○ جی سے اُترنا: نظروں سے گر جانا' قدر نہ رہنا' عزت نہ رہنا۔

مفہوم: ہنر نہ جاننے والے لوگ' ہنر مند لوگوں کے ساتھ دُشمنی کی بنا پر مقابلے پر اُترتے ہیں لیکن ذلیل ہو کر رہ جاتے ہیں۔

تشریح: خواجہ میر دردؔ نے اس شعر میں بے ہنر اور اہلِ ہنر۔۔۔ چڑھنا اور اُترنا کے الفاظ استعمال کر کے صنعتِ تضاد سے کام لیا ہے۔ وہ ایک بہت لطیف بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ لوگ جو کسی فن میں پختہ نہیں ہوتے اپنی کم ظرفی کی وجہ سے پختہ کار فنکاروں کے مقابلے میں اُترتے ہیں تو بہت جلد منہ کی کھاتے ہیں اور ذلیل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان کا مقصد اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنا اور بڑے ہنر مند کو کمتر ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ وہ صرف حسد اور دُشمنی کی بنیاد پر مقابلے پر اُترتے ہیں۔ چونکہ وہ فن کے اسرار و رموز سے واقف نہیں ہوتے اس لیے خود ہی ذلیل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مشاہدے کی بات ہے کہ کم علم لوگ جب کسی عالم سے بحث کرتے ہیں تو ذلت اُٹھاتے ہیں' کوئی ادنیٰ گویا کسی بڑے گلوکار کے مقابل آتا ہے تو رسوا ہوتا ہے۔ کسی بڑے کاریگر کے مقابلے میں کوئی کمتر ہنر مند آتا ہے تو کچھ بھی کمال نہیں دِکھا سکتا۔ بعض بد اصل اور کم ہنر مند لوگ یہ جان کر کہ کسی بڑی ہستی کے مقابل آئیں گے تو جلد مشہور ہو جائیں گے۔ دشمنی کرتے ہیں لیکن اعلیٰ کے مقابلے میں ادنیٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اسے ذلت ہی اُٹھانا پڑتی ہے۔ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ اہلِ ہنر ہمیشہ کامیاب و کامران اور باعزت رہے لیکن بے ہنر یا کم ہنر مند لوگوں کو ان کے مقابل ذِلت و رسوائی ہی اُٹھانا پڑی۔ فن پہلوانی کے اسرار و رموز سے کم آشنا شخص کسی ماہر پہلوان کے مقابل اپنی گردن ہی تڑوائے گا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں ذلت اُٹھانے کے سوا کبھی کچھ نہ ملا۔ کم ظرف لوگوں کے بارے میں سودا کہتے ہیں:

ہنر سے دُور ہے یہ اصل کی خلقت کہ آئینہ!
ضمیر سنگ سے بنتا تو ہے جوہر نہیں ہوتا

شعر 5: ہم کسی راہ سے واقف نہیں' جوں نورِ نظر
رہنما تو ہی تو ہوتا ہے' جدھر جاتے ہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ واقف: آشنا' جاننے والا ○ نورِ نظر: نورِ بصر' آنکھوں کی روشنی' بینائی' ○ رہنما: رہبر' راستہ دِکھانے والا۔

مفہوم: ہم اپنی بینائی کی طرح خود کوئی بھی راستہ نہیں جانتے اے خداوند! تو ہی ہمارا رہنما ہے۔

تشریح: خواجہ میر درد کہتے ہیں کہ ہماری آنکھیں صرف وہی کچھ دیکھتی ہیں جس طرف ان کا رُخ ہوتا ہے۔ یعنی آنکھوں کا نور صرف اسی چیز کو دیکھ سکتا ہے' جو اس کے سامنے لائی جائے یا جو مناظر ہمیں ہماری آنکھوں کی بینائی دِکھاتی ہے' ہم صرف وہی دیکھتے ہیں لیکن جو کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں آتا ہم وہ چیزیں اور وہ مناظر نہیں دیکھ سکتے۔ خواجہ میر درد اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ! تیری رہنمائی کے بغیر ہم کچھ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم وہی کچھ کرتے ہیں جو تو چاہتا ہے۔ ہم اپنی مرضی کے مطابق کچھ نہیں کر سکتے۔ تیری مرضی کے بغیر کائنات کا کوئی ذرّہ کوئی پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ کوئی پرندہ پَر نہیں مار سکتا۔ کوئی شخص پلک نہیں جھپک سکتا۔ درد نے اس شعر میں دراصل نظریہ جبر کو موضوع بنایا ہے وہ خود باعمل صوفی تھے اور ''نظریہ جبر'' پر یقین رکھتے تھے۔ یہ وہ نظریہ ہے جس کے مطابق دُنیا میں خدا کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ صوفی حضرات گناہوں سے بچتے ہوئے جو کوئی بھی نیک عمل کرتے ہیں۔ اسے خدا ہی کی رضا جانتے ہیں اپنا عمل قرار نہیں دیتے۔ ہماری بینائی خود کسی راستے سے واقف نہیں ہے۔ ہماری نظر ہمیں نظر نہیں آتی کیونکہ وہ غیر مادی یا غیر مرئی ہے۔ اسی طرح خدا بھی غیر مادی اور غیر مرئی ہے۔ صوفیائے کرام خدا کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ حدیثِ مبارکہ کے مطابق

''جب کوئی بندہ اپنے ارادے اور اپنے عمل کو خدا کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے تو اس کا کوئی عمل اس کا ذاتی عمل نہیں رہتا۔''

حضرت عیسیٰ جب قم باذن اللہ کہتے تو مردہ زندہ ہو جاتا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کنکریاں دشمنوں کی طرف پھینکیں تو یہ کنکریاں خدا نے پھینکیں۔

''وَمَا رَمَیتَ' اذ رمیت.''

جوں نورِ نظر تیرا تصور
تھا پیشِ نظر جدھر گئے ہم

شعر 6: آہ معلوم نہیں' ساتھ سے اپنے شب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے' سو یہ کدھر جاتے ہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ آہ: افسوس ○ شب و روز: رات دِن

مفہوم: افسوس ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ ہمارے ساتھ جینے والے لوگ مرنے کے بعد ہمارا ساتھ چھوڑ کر کہاں چلے جاتے ہیں؟

تشریح: خواجہ میر درد نے اس شعر میں صنعتِ تضاد سے کام لیا ہے۔ شاعر نے سوال اُٹھایا ہے کہ فلسفی اور صوفی حضرات تو اپنی زندگیاں اسی سوال کا جواب ڈھونڈنے میں گزار دیتے ہیں لیکن اس کا جواب نہیں ملتا۔ مذہبی

نقطۂ نظر سے اس سوال کا جواب ملتا ہے کہ مرنے کے بعد ہمیں عالمِ برزخ میں چلے جانا ہے اور انسان کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوگی، پھر روزِ حشر آئے گا۔ انسانوں کے اعمال کے حساب کتاب کا مرحلہ ہوگا اس کے بعد جنت یا دوزخ میں جانا ہوگا اور انسان ہمیشہ اسی میں رہیں گے لیکن زندگی اور موت کی حقیقت پر غور کرنے والے فلسفی اور صوفی حضرات یا شاعرانہ طبیعت رکھنے والے حساس لوگ یہ سوچتے ضرور ہیں کہ دِن رات ہمارے ساتھ کھانے پینے' اُٹھنے بیٹھنے والے' کھیلنے کودنے والے' لڑنے جھگڑنے والے' پیار محبت کرنے والے' خوشی اور غم میں ساتھ دینے والے جب مر جاتے ہیں تو اِن کی رُوح کو جسم سے کیسے نکالا جاتا ہے۔ آدمی مرتا ہے تو آنکھیں رکھنے کے باوجود وہ دیکھ نہیں سکتا۔ پاؤں ہونے کے باوجود وہ چل نہیں سکتا۔ زبان ہونے کے باوجود بول نہیں سکتا۔ زندہ تھا تو بھوک بھی لگتی تھی' پیاس بھی ستاتی تھی۔ رُوح نکل گئی ہے تو اب اس کے کھانے پینے کا کیا سلسلہ ہے؟ اگرچہ یہاں بھی اسلام اور اللہ کے رسول نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے لیکن عام انسان ہونے کی وجہ سے اِن سوالوں کا جواب جاننے کی طلب باقی رہتی ہے۔ خواجہ میر دردؔ کے انجان بن کر سوال کرنے کا انداز بڑا خوبصورت ہے کہ مرنے والوں کے ساتھ مرنے کے بعد کیا سلوک ہوتا ہے۔ خواجہ میر دردؔ کا اس مضمون کا ایک اور شعر یہ ہے:

دردؔ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے، کیدھر چلے؟

شعر 7: تا قیامت نہیں مٹنے کا دِل عالم سے
دردؔ ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **تا قیامت**: قیامت تک ○ **دل عالم سے**: دنیا والوں کے دِل سے
○ **عوض**: بدلے میں' جگہ بدلنے کے طور پر۔

مفہوم: عظیم فنکار اگرچہ مر جاتے ہیں لیکن ان کا فن انہیں ہمیشہ زندہ رکھتا ہے۔

تشریح: شاعر' عام طور پر ''شاعرانہ تعلّی'' سے کام لیتے ہیں یعنی اپنی شاعری کی عظمت کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ میر دردؔ نے غزل کے اس مقطع میں اپنے کلام کے یا اپنے تصوف کی تعلیم کے قیامت تک باقی رہنے کا ذکر کیا ہے۔ انہیں اپنے کلام کے بارے میں احساس ہے کہ اس کلام نے فنونِ لطیفہ کے مقاصد پورے کیے ہیں۔ اگر شاعری کا مقصد مسرت بہم پہنچانا ہے تو خواجہ میر دردؔ کی شاعری دُنیا کی بے ثباتی کے بارے ہی میں نہیں بتاتی بلکہ شاعرانہ خوبیوں کے ساتھ زندگی کی ترجمانی بھی کرتی ہے' جس سے مسرت اور لطف پیدا ہوتا ہے۔ اگر فنونِ لطیفہ اور ان میں سے شاعری کا مقصد انسانیت کی فلاح و بہبود ہے اور انسان کو زندگی کے کسی اعلیٰ مفہوم سے آگاہ کرنا ہے تو خواجہ میر دردؔ کی صوفیانہ شاعری نے انسانوں کو خدا کی ذات سے صرف روشناس

کروانے کا کام ہی نہیں کیا بلکہ خدا اور اس کے رسول سے محبت کا درس بھی دیا ہے۔ اِن کے خلوص نے کلام میں بڑا اثر پیدا کیا ہے۔

دردؔ اسی اثر کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں خود تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں لیکن اپنے بدلے میں اپنے کلام کا اثر دنیا میں چھوڑے جا رہا ہوں' جو میرے مرنے کے بعد بھی لوگوں کے دِلوں سے مٹ نہ سکے گا۔ لوگ قیامت تک میرے کلام کی خصوصیات' اس کی خوبیوں' رعنائیوں اور لطافتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور تصوف میں رہنمائی حاصل کریں گے اگرچہ میرا فانی جسم مٹ جائے گا لیکن میرے کلام کی اثر آفرینی مجھے لوگوں میں زندہ رکھے گی۔ دردؔ کے کلام کا جائزہ لیں تو غزل کے اِس مقطع کو شاعرانہ تعلّی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اِن کا کلام آج بھی وہی اثر رکھتا ہے جو اِن کی زندگی میں تھا۔ ان کی موت کے بعد ہزاروں انقلاباتِ زمانہ نے لوگوں کے بڑے بڑے فن پاروں کا وجود مٹا دیا۔ اپنے دَور کے شہ پارے کوڑیوں کے مول بک گئے لیکن دردؔ کا مختصر سا دیوان آج بھی ہر دردمند دِل کا ترجمان نظر آتا ہے۔ یہ اِن کے کلام کی اثر آفرینی کی زندہ مثال ہے۔

یہ اثر صرف شاعری ہی میں نہیں ہوتا بلکہ فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والے ہر بڑے کارنامے میں موجود ہوتا ہے۔ صادقین کی خطاطی ہو یا تاج محل آگرہ۔ چین میں مسجد قرطبہ ہو' شیکسپیئر کے ڈرامے ہوں یا حسان بن ثابت کی نعت گوئی' شیخ سعدی اور مولانا روم کی اخلاقی فارسی شاعری ہو یا میر تقی میرؔ' مرزا غالبؔ' میر انیسؔ' علامہ اقبال کی شاعری، ان تمام شہ پاروں کی تاثیر میں آج بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان تخلیق کاروں نے اپنے کام اور کلام کو عشق کی قوت سے لافانی بنا دیا ہے۔

دردؔ نے غزل کے اس مقطع میں اپنے تخلص کا ذو معنی استعمال کیا ہے' جس طرح کوئی دردؔ پیدا ہو کر ختم بھی ہو جائے۔ تو اس کا اثر دیر تک باقی رہتا ہے۔ اسی طرح دردؔ کے کلام میں تصوف کی اخلاقی اور اسلامی تعلیم کی وجہ سے قیامت تک اس کا اثر دِلوں میں موجود رہے گا۔ اس مقطع میں اثر سے مراد میر دردؔ کے چھوٹے بھائی میر اثرؔ بھی ہیں' جو دردؔ کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے اور دردؔ کو توقع تھی کہ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا۔ میر اثرؔ' دردؔ کی طرح صوفی باعمل بھی تھے اور شاعر بھی۔

2۔ غزل ـــــ خواجہ میر دردؔ

شعر 1:

کیا فرق داغ و گُل میں کہ' جس گُل میں بُو نہ ہو
کس کام کا وہ دِل ہے کہ' جس دِل میں تُو نہ ہو

مفہوم: جس پھول میں خوشبو نہ ہو وہ صرف ایک داغ ہے۔ اسی طرح جس دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات نہ ہو، وہ دِل بیکار ہے۔ گوشت کا لوتھڑا تو ہے' دِل نہیں۔

تشریح: خواجہ میر دردؔ غزل کے اِس مطلع میں گُل اور اِس کی خوشبو سے تعلق کا ذِکر کر کے انسانی دِل کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو قرار دیتے ہیں' جس طرح کسی پھول میں خوشبو نہ ہو تو وہ صرف ایک نشان یا داغ ہی تو ہے' پھول ہرگز نہیں

کروانے کا کام ہی نہیں کیا بلکہ خدا اور اس کے رسول سے محبت کا درس بھی دیا ہے۔ اِن کے خلوص نے کلام میں بڑا اثر پیدا کیا ہے۔

دردؔ اسی اثر کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں خود تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں لیکن اپنے بدلے میں اپنے کلام کا اثر دنیا میں چھوڑے جا رہا ہوں' جو میرے مرنے کے بعد بھی لوگوں کے دِلوں سے مٹ نہ سکے گا۔ لوگ قیامت تک میرے کلام کی خصوصیات' اس کی خوبیوں' رعنائیوں اور لطافتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور تصوف میں رہنمائی حاصل کریں گے اگرچہ میرا فانی جسم مٹ جائے گا لیکن میرے کلام کی اثر آفرینی مجھے لوگوں میں زندہ رکھے گی۔ دردؔ کے کلام کا جائزہ لیں تو غزل کے اِس مقطع کو شاعرانہ تعلّی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اِن کا کلام آج بھی وہی اثر رکھتا ہے جو اِن کی زندگی میں تھا۔ ان کی موت کے بعد ہزاروں انقلاباتِ زمانہ نے لوگوں کے بڑے بڑے فن پاروں کا وجود مٹا دیا۔ اپنے دَور کے شہ پارے کوڑیوں کے مول بک گئے لیکن دردؔ کا مختصر سا دیوان آج بھی ہر دردمند دِل کا ترجمان نظر آتا ہے۔ یہ اِن کے کلام کی اثر آفرینی کی زندہ مثال ہے۔

یہ اثر صرف شاعری ہی میں نہیں ہوتا بلکہ فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والے ہر بڑے کارنامے میں موجود ہوتا ہے۔ صادقین کی خطاطی ہو یا تاج محل آگرہ۔ چین میں مسجد قرطبہ ہو' شیکسپیئر کے ڈرامے ہوں یا حسان بن ثابت کی نعت گوئی' شیخ سعدی اور مولانا روم کی اخلاقی فارسی شاعری ہو یا میر تقی میرؔ' مرزا غالبؔ' میر انیسؔ' علامہ اقبال کی شاعری، ان تمام شہ پاروں کی تاثیر میں آج بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان تخلیق کاروں نے اپنے کام اور کلام کو عشق کی قوت سے لافانی بنا دیا ہے۔

دردؔ نے غزل کے اس مقطع میں اپنے تخلص کا ذو معنی استعمال کیا ہے' جس طرح کوئی دردؔ پیدا ہو کر ختم بھی ہو جائے۔ تو اس کا اثر دیر تک باقی رہتا ہے۔ اسی طرح دردؔ کے کلام میں تصوف کی اخلاقی اور اسلامی تعلیم کی وجہ سے قیامت تک اس کا اثر دِلوں میں موجود رہے گا۔ اس مقطع میں اثر سے مراد میر دردؔ کے چھوٹے بھائی میر اثرؔ بھی ہیں' جو دردؔ کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے اور دردؔ کو توقع تھی کہ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا۔ میر اثرؔ' دردؔ کی طرح صوفی باعمل بھی تھے اور شاعر بھی۔

2۔ غزل ـــــ خواجہ میر دردؔ

شعر 1:

کیا فرق داغ و گُل میں کہ' جس گُل میں بُو نہ ہو
کس کام کا وہ دِل ہے کہ' جس دِل میں تُو نہ ہو

مفہوم: جس پھول میں خوشبو نہ ہو وہ صرف ایک داغ ہے۔ اسی طرح جس دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات نہ ہو، وہ دِل بیکار ہے۔ گوشت کا لوتھڑا تو ہے' دِل نہیں۔

تشریح: خواجہ میر دردؔ غزل کے اِس مطلع میں گُل اور اِس کی خوشبو سے تعلق کا ذِکر کر کے انسانی دِل کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو قرار دیتے ہیں' جس طرح کسی پھول میں خوشبو نہ ہو تو وہ صرف ایک نشان یا داغ ہی تو ہے' پھول ہرگز نہیں

ہے پھول اس وقت پھول ہے جب وہ رنگ کے ساتھ ساتھ خوشبو بھی رکھتا ہو۔ ہماری آنکھیں بند بھی ہوں اور کوئی شخص ہمارے قریب کوئی پھول لائے تو اُس کی خوشبو سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ گلاب کا پھول ہے' چنبیلی یا گیندے کا پھول ہے اور اگر خوشبو نہ ہو تو کھلی آنکھوں سے بھی ہم پھول کو نہ پہچان پائیں گے اُسے پھول کی تصویر' کاغذی پھول یا ایک داغ ہی قرار دیں گے۔ گویا خوشبو کے بغیر پھول' پھول نہیں' پھول کی حقیقت اِس کی خوشبو ہے۔ خواجہ میر درد اس حقیقت کا اظہار کر کے اب ہماری توجہ اصل بات کی طرف مبذول کرا رہے ہیں ایک حدیثِ پاک ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کے دِل میں سما سکتا ہے ورنہ وہ بہت بڑا ہے ارض و سما اس کی وسعت کو نہیں پا سکتے۔ اس مناسبت سے اگر ہم اپنے دِل میں خدا کی ہستی کا احساس نہیں کرتے' اِس کی یاد دِل میں نہیں رکھتے' اُس کی ہستی کا ادراک دِل میں نہیں رکھتے تو وہ دِل ایک ایسے پھول کی مانند ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔ اس لیے اپنے دِل کو ایک مومن کا دِل بناتا ہے' حقیقی دِل بناتا ہے' زندہ دِل بناتا ہے تو اس میں اللہ کی یاد پیدا کرو۔

عاشق جب تک اپنے دِل میں محبوب کی یاد نہیں رکھتا وہ دِل بیکار ہی رہتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ

ع جو دم غافل سو دم کافر

کیونکہ محبوب کی تمنا اور یاد ہی دِل کو زندہ رکھتی ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

سیرت نہ ہو تو عارض و رخسار سب غلط
خوشبو اُڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا

شعر 2: ہووے نہ حول و قوت' اگر تیری درمیاں
جو ہم سے ہو سکے ہے' سو ہم سے کبھو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ ہووے نہ: نہ ہو ○ **حول وقوت:** طاقت اور قدرت' حول وقوت' لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا مخفف یعنی خدائے بزرگ و برتر کے سوا کسی کو طاقت اور قدرت حاصل نہیں ہے ○ **کبھو:** کبھی' پرانی اُردو میں کبھی کو کبھو لکھتے اور بولتے تھے۔

مفہوم: خدا ہر عمل اور ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمارا ہر عمل اُسی کی مرضی کے تابع ہے۔

تشریح: خواجہ میر درد غزل کے اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور قدرت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ اے خداوند تعالیٰ بے شک تو نے ہمیں کچھ عمل کرنے کا اختیار بھی دیا ہے لیکن یہ اختیار بھی تیری قدرت اور طاقت کے تابع ہے۔ تیری مرضی کا مرہونِ منت ہے۔ یعنی تو نے عمل کرنے کی جو قوت ہمیں عطا کی ہے اگر اس میں تیری طاقت' قدرت اور مرضی شامل نہ ہو تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ تیری مرضی کے بغیر تو ایک پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ اس لیے ہم پر جبر کی کیفیت ہے۔ خواجہ میر درد ''قدریہ'' نظریے کے بجائے ''جبریہ'' نظریے کے قائل

ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کوئی کام اپنی مرضی کے مطابق نہیں کر سکتے یعنی ہم کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتے وہ اپنے کسی نیک عمل کو بھی اپنا عمل نہیں کہتے بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات بلکہ بسا اوقات انسان سے غلطیاں اور گناہ بھی سرزد ہوتے ہیں لیکن صوفی ان گناہوں سے توبہ کر کے اپنا سر خدا کے سامنے جھکا کر اس کی بزرگی، بڑائی اور وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں۔

صوفیا نفسِ امارہ کو مارنے کے بعد یا دنیاوی خواہشات کو ترک کرنے کے باوجود یہی سمجھتے ہیں کہ ہم، ہم نہیں ہیں۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے کہ جب کوئی بندہ اپنے ارادے اور عمل کو خدا کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے تو اس کا کوئی بھی عمل اس کا ذاتی عمل نہیں رہتا۔ اس کا ہر عمل خدا کا عمل ہو جاتا ہے۔ گویا ہم کوئی بھی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے۔ بقول محمد اشرف خان:

میرا فن، تخلیق میری ہے مگر میرے خدا
تیری قوت، تیری طاقت کے سوا کچھ بھی نہیں

شعر 3: جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا، ملی مگر
یہ آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ تمنا: خواہش، آرزو

مفہوم: ہماری ہر آرزو پوری ہوئی لیکن یہ آرزو پوری نہ ہو سکی کہ دل میں کوئی آرزو ہی پیدا نہ ہو۔

تشریح: خواجہ میر درد اللہ کی شانِ ربوبیت کو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جب کبھی جو کچھ بھی خدا سے مانگا، اس پالنے والے نے، عطا فرمانے والے نے عطا فرمایا۔ حتیٰ کہ اتنا کچھ دیا کہ بن مانگے بھی جھولیاں بھر دی گئیں۔ اتنا دیا کہ اب یہ خواہش ہے کہ کوئی بھی آرزو اور خواہش نہ کریں۔ اُس کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ وہ جو کچھ عطا فرمانا چاہے، عطا فرمائے۔ خوشی ہو یا غم، دُکھ ہو یا راحت ہر بات میں اس کی رحمت کارفرما ہوتی ہے۔ ذرا غور کریں کہ جسے ہم خوشی اور راحت سمجھ کر مانگتے ہیں ممکن ہے اس کا انجام دُکھ اور تکلیف ہو اور مانگی ہوئی خوشی اور راحت ہمارے لیے مصیبت بن جائے اور جو کچھ وہ اپنی رضا سے عطا فرمائے تکلیف بھی ہو تو گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ موت بھی آئے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہو۔ ایک مریض جو درد سے تڑپ رہا ہو۔ اللہ کی رحمت، موت کی صورت میں اس کے دُکھوں کا مداوا کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے جو مانگو وہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کی کوئی دُعا رد نہیں کرتا البتہ قبول کرنے کے انداز اس کے اپنے ہیں۔ مانگنے والے کو، جو کچھ وہ مانگتا ہے، دنیا میں عطا فرما دیتا ہے تو آخرت میں اس کا حصہ نہیں رکھتا۔ دوسری صورت میں انسان جو مانگتا ہے ممکن ہے وہ مانگنے والے کے حق میں بہتر نہ ہو یہ صرف اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس لیے اُس کی مطلوبہ خواہش کے بجائے اُسے کچھ اور عطا فرما دیتا ہے جو اُس کے حق میں بہتر ہو یا تیسرا انداز یہ ہے کہ دنیا میں مانگی ہوئی دُعاؤں اور تمناؤں کو اپنے پاس جمع کرتا رہتا ہے اور قیامت کے روز ان تمام دُعاؤں کو بہت کچھ اضافے کے ساتھ یوں عطا فرمائے گا کہ خود بندے کو بھی اپنے آپ پر رشک آئے گا اور دیکھنے والے بھی یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں اُن کی کوئی تمنا اور دُعا پوری

نہ ہوتی بلکہ آج قیامت کے دن اس انداز میں ملتی۔

اس شعر کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ دنیا کے تمام مفکرین' اولیا اور انبیا ہمیشہ اپنی تمناؤں اور آرزوؤں سے کنارہ گیر ہی رہتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جو شخص اپنی تمناؤں اور خواہشوں کو دبا لیتا ہے وہ ہمیشہ راحت پاتا ہے۔ گویا دنیاوی عیش و آرام کی تمنا کرنے کے بجائے انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ بندے کے حق میں جو کچھ بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے وہی کچھ عطا فرماتا ہے۔ ہر عطا میں اس کی مصلحت ہوتی ہے۔ اب سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ کاش ہماری کوئی تمنا ہی نہ ہو بقول شرف

؎ زندہ ہیں آرزو کے تسلسل سے ہم مگر
بے آرزو ہو زندگی یہ بھی طلب رہی

شعر 4: **جوں شمع جمع ہوویں گر اہلِ زباں ہزار**
آپس میں چاہیے کہ کبھی گفتگو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **جوں:** جیسے مانند مثل (حرفِ تشبیہ) ○ **اہلِ زباں:** زبان والے کسی زبان کے ماہر لوگ جن کی وہ مادری زبان ہو اور اس زبان پر انہیں مکمل عبور حاصل ہو۔

مفہوم: ہزاروں اہلِ زبان لوگ اگر جمع ہو جائیں تو ان کے درمیان ہزاروں شمعوں کی طرح بغیر بولے ابلاغ ہو جائے۔

تشریح: خواجہ میر درد شعر میں تشبیہ کی مدد سے اپنا مقصد واضح کرتے ہیں' وہ صرف زبان کو ابلاغ کا ذریعہ نہیں سمجھتے۔ کسی جگہ ہزاروں شمعیں جلنے کے بعد ہزاروں زبانیں رکھنے کے باوجود وہ کوئی بات نہیں کرتیں یعنی ان کے شعلے زبان کی طرح ہوتے ہیں مگر گفتگو نہیں ہوتی' گفتگو نہ ہونے کے باوجود ان کا عمل ایک ہی ہوتا ہے وہ اندھیرے کا سینہ چیر کر سب مل کر اُجالا پھیلاتی ہیں۔ یہی ان کے درمیان ذریعۂ ابلاغ ہوتا ہے۔ خواجہ میر درد اہلِ زبان کو مخلصانہ مشورہ دے رہے ہیں کہ آپس میں اختلافات رکھنے کے بجائے شمع سے سبق حاصل کریں۔ آپس کے اختلافات بھلا کر بہتری اور بھلائی کو مطمعِ نظر بنایا جائے یہ بات زندگی کے ہر شعبے میں پیشِ نظر رکھی جا سکتی ہے۔ ہزاروں شمعیں جلنے پر ان کا آپس میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔ ہزاروں پروانوں کا شمع کے گرد طواف ہونے پر آپس کا جھگڑا نہیں ہوتا' لاکھوں فرزندانِ توحید کا خانۂ کعبہ کا طواف کرتے وقت ایک ہی نظریہ ہوتا ہے۔ لاکھوں عشاق کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پر حاضری کے وقت ایک ہی نظریہ ہوتا ہے۔ اسی طرح' اہلِ زبان کو بھی آپس کے اختلافات بھلا کر علم و ادب کی ترویج و ترقی پر توجہ دینی چاہیے۔

شعر 5: **جوں صبح' چاکِ سینہ مرا' اے رفوگراں!**
یاں تو کسو کے ہاتھ سے ہرگز رفو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **جوں:** جیسے مانند مثل (حرفِ تشبیہ) ○ **جوں صبح:** صبح کی طرح ○ **چاکِ سینہ:** پھٹا ہوا سینہ' پھٹا ہوا گریبان ○ **رفوگراں:** رفو کرنے والے پھٹے ہوئے کپڑے کو مرمت کرنے والے

○ رفو: پھٹے ہوئے کپڑے کو نہایت مہارت کے ساتھ مرمت کرنا ○ یاں: یہاں' پرانی اُردو میں یہاں کو یاں لکھا اور بولا جاتا تھا ○ کسو: کسی' پرانی اُردو میں کسی کو کسو لکھا اور بولا جاتا تھا۔

مفہوم: عاشق کا چاک کیا ہوا گریبان رفو نہیں کیا جا سکتا۔

تشریح: خواجہ میر درد نے زیرِ نظر شعر میں تشبیہ اور صنعت تضاد (گریباں چاک اور رفو کے الفاظ) استعمال کر کے حُسن پیدا کیا ہے۔ خواجہ میر درد ایک عاشقِ صادق کے چاک کیے ہوئے گریبان کو صبح کے طلوع ہونے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح پو پھٹنے اور صبح کا اُجالا پھیلنے پر رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ اسی طرح ایک عاشق جب اپنا گریبان چاک کرتا ہے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس نے اپنے وجود کی تاریکی کو عشق کے نور سے منور کر لیا ہے۔ صبح کی پھیلتی ہوئی روشنی کو سیا نہیں جا سکتا' بالکل اسی طرح ایک عاشق کے پھٹے ہوئے گریباں کو سینا ممکن نہیں ہے۔ گویا عشق کو ایک مرضِ جان کر اس کی چارہ گری کرنے والے ہمیشہ ناکام ہوتے ہیں اگر یہ مرض ہے تو یہ مرض لاعلاج ہے جبکہ میر درد عشق کو مرض نہیں قرار دے رہے بلکہ عشق' ذات کی روشنی ہے جو عاشق کو تاریکیوں سے نکال کر اُجالوں میں لے آتی ہے۔ اُسے محبوب کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ عاشق کو اپنے ماحول میں گھٹن اور تنگی محسوس ہوتی ہے۔ اُس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ اس وسعتِ آفاق کو بھی زنداں محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنا گریبان بھی چاک کر لیتا ہے۔ اگر وقتی طور پر گریبان سی بھی لیا جائے تو عاشق اسے دوبارہ چاک کر لیتا ہے۔ اس کی مرمت کرنا یا رفو کرنا لاحاصل ہوتا ہے۔ خواجہ میر درد نے گریبان چاک کرنے کو پو پھٹنے سے تشبیہ دے کر ایک انوکھی بات پیدا کی ہے۔ اُردو شاعری میں ایسی تشبیہ پہلے موجود نہ تھی۔ یہ بات خواجہ میر درد کی جدت پسندی کو ظاہر کرتی ہے۔

شعر 6: اے درد زنگ صورت اگر اس میں جا کرے
اہلِ صفا میں آئینۂ دل کو رُو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ زنگ: کسی دھات یا لوہے کا میل' کدورت' رنج' سیاہی' تاریکی ○ جا: جگہ' مقام ○ اہلِ صفا: صاف باطن لوگ' نیک لوگ ○ آئینۂ دل: دل کا آئینہ' روشن ضمیری' صاف باطن' صاف دل ○ رُو: شکل' صورت' چہرہ

مفہوم: نیک لوگوں کے دل کے آئینے میں اگر زنگ یا کدورت پیدا ہو جائے تو وہ نیک اور پاک دل نہیں رہتے اور اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔

تشریح: خواجہ میر درد' معاشرے میں محبت اور پیار کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہلِ صفا کبھی کسی کے خلاف نفرت یا اپنے دل میں کدورت نہیں رکھتے وہ انسانوں سے پیار کرتے ہیں' انسانیت کا احترام کرتے ہیں۔ اس طرح معاشرے میں محبت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے کام آنے' ایک دوسرے کی مدد کرنے' ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کرنے اور اپنے فرائض ادا کرنے کو اہمیت دیتے ہیں تو

○ رفو: پھٹے ہوئے کپڑے کو نہایت مہارت کے ساتھ مرمت کرنا ○ یاں: یہاں' پرانی اُردو میں یہاں کو یاں لکھا اور بولا جاتا تھا ○ کسو: کسی' پرانی اُردو میں کسی کو کسو لکھا اور بولا جاتا تھا۔

مفہوم: عاشق کا چاک کیا ہوا گریبان رفو نہیں کیا جا سکتا۔

تشریح: خواجہ میر درد نے زیرِ نظر شعر میں تشبیہ اور صنعت تضاد (گریباں چاک اور رفو کے الفاظ) استعمال کر کے حُسن پیدا کیا ہے۔ خواجہ میر درد ایک عاشقِ صادق کے چاک کیے ہوئے گریبان کو صبح کے طلوع ہونے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح پو پھٹنے اور صبح کا اُجالا پھیلنے پر رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ اسی طرح ایک عاشق جب اپنا گریبان چاک کرتا ہے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس نے اپنے وجود کی تاریکی کو عشق کے نور سے منور کر لیا ہے۔ صبح کی پھیلتی ہوئی روشنی کو سیا نہیں جا سکتا' بالکل اسی طرح ایک عاشق کے پھٹے ہوئے گریباں کو سینا ممکن نہیں ہے۔ گویا عشق کو ایک مرضِ جان کر اس کی چارہ گری کرنے والے ہمیشہ ناکام ہوتے ہیں اگر یہ مرض ہے تو یہ مرض لاعلاج ہے جبکہ میر درد عشق کو مرض نہیں قرار دے رہے بلکہ عشق' ذات کی روشنی ہے جو عاشق کو تاریکیوں سے نکال کر اُجالوں میں لے آتی ہے۔ اُسے محبوب کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ عاشق کو اپنے ماحول میں گھٹن اور تنگی محسوس ہوتی ہے۔ اُس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ اس وسعتِ آفاق کو بھی زنداں محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنا گریبان بھی چاک کر لیتا ہے۔ اگر وقتی طور پر گریبان سی بھی لیا جائے تو عاشق اسے دوبارہ چاک کر لیتا ہے۔ اس کی مرمت کرنا یا رفو کرنا لاحاصل ہوتا ہے۔ خواجہ میر درد نے گریبان چاک کرنے کو پو پھٹنے سے تشبیہ دے کر ایک انوکھی بات پیدا کی ہے۔ اُردو شاعری میں ایسی تشبیہ پہلے موجود نہ تھی۔ یہ بات خواجہ میر درد کی جدت پسندی کو ظاہر کرتی ہے۔

شعر 6: اے درد زنگ صورت اگر اس میں جا کرے
اہلِ صفا میں آئینۂ دل کو رُو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ زنگ: کسی دھات یا لوہے کا میل' کدورت' رنج' سیاہی' تاریکی ○ جا: جگہ' مقام ○ اہلِ صفا: صاف باطن لوگ' نیک لوگ ○ آئینۂ دل: دل کا آئینہ' روشن ضمیری' صاف باطن' صاف دل ○ رُو: شکل' صورت' چہرہ

مفہوم: نیک لوگوں کے دل کے آئینے میں اگر زنگ یا کدورت پیدا ہو جائے تو وہ نیک اور پاک دل نہیں رہتے اور اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔

تشریح: خواجہ میر درد' معاشرے میں محبت اور پیار کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہلِ صفا کبھی کسی کے خلاف نفرت یا اپنے دل میں کدورت نہیں رکھتے وہ انسانوں سے پیار کرتے ہیں' انسانیت کا احترام کرتے ہیں۔ اس طرح معاشرے میں محبت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے کام آنے' ایک دوسرے کی مدد کرنے' ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کرنے اور اپنے فرائض ادا کرنے کو اہمیت دیتے ہیں تو

معاشرے سے ہر قسم کی غلاظتیں دُور ہو جاتی ہیں۔ نیک لوگوں سے مِل کر دوسرے لوگ بھی نیک دِل ہو جاتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ اہلِ صفا کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دِل میں کسی کے خلاف کدورت، نفرت، بغض اور عناد نہ رکھیں۔ محبت اور احترام کے جذبات پیدا کر کے معاشرے کو محبت کی آماجگاہ بنا دیں۔ اگر کسی بڑے سے بڑے پاک طینت، پاک باز، نیک دِل، ولی اور خدا پرست بزرگ کے دِل میں کسی کے خلاف کدورت پیدا ہو جائے تو گویا اس کے دل پر زنگ آ جاتا ہے، جس طرح کسی آئینے پر میل جم جائے یا گرد سے اَٹ جانے کی صورت میں اُس میں کوئی شکل نہیں دیکھی جا سکتی۔ بالکل اسی طرح دِل کے آئینے میں نفرت یا کدورت کا زنگ لگ جانے سے آئینہ دُھندلا جاتا ہے اور اُس میں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ صوفیائے کرام دِل کو ہمیشہ آئینے سے تشبیہ دیتے ہیں، جس میں انہیں محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اگر آئینہ صاف نہ رہے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا اس لیے کسی اہلِ صفا کے دِل میں اگر ایسا زنگ آ جائے تو وہ اہلِ صفا نہیں رہتا وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتا ہے۔ کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کسی انسان کے خلاف اپنے دِل میں کدورت نہ پیدا ہونے دے حالات چاہے کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ گالیاں دینے والوں کو بھی دُعائیں دے، پتھر مارنے والوں کے لیے بھی ہدایت کی دُعا کرے۔ بڑی سے بڑی خطا کرنے والے کو بھی معاف کر دے۔ بقول ابراہیم ذوقؔ

خورشید وار دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ
روشن ضمیر ملتے ہر اِک نیک و بد سے ہیں

مشقی سوالات

1: خواجہ میر دردؔ ایک باعمل صوفی اور اخلاقی اقدار کے علم بردار شاعر ہیں۔ بتائیے انہوں نے پہلی غزل کے مطلع میں مردانہ وار کام کسے قرار دیا ہے؟

جواب: ہر اُس کام کو جس میں جان جانے کا خطرہ ہو مگر وہ کام موت کی پروا کیے بغیر جرأت اور بہادری سے کیا جائے۔ گویا ہر بڑا کارنامہ مردانہ وار کام ہے۔

2: میر دردؔ نے پہلی غزل کے دوسرے شعر میں فقیروں کی یہ خصوصیت بیان کی ہے کہ یہ لوگ تو مرنے سے پہلے ہی مَر جاتے ہیں۔ اس کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ فقر اختیار کرنے والے درویش طبع لوگ جو مادی اور دنیاوی زندگی کو اہمیت نہیں دیتے اور اپنی نفسانی خواہشات کو دبا لیتے ہیں، گویا نفسِ امارہ کو مار ڈالتے ہیں، ان لوگوں کو موت کی بالکل پروا نہیں ہوتی بلکہ موت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے ملاقات اور ان کے دیدار کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

3: پہلی غزل کے چوتھے شعر کے حوالے سے بتائیے کہ "بے ہنر" جی سے کیسے اُتر جاتے ہیں؟

جواب: بے ہنر لوگ جب ہنر مندوں کے مقابلے میں آتے ہیں تو ان کے کامل فن کے سامنے شکست کھا جاتے

ہیں اس لیے لوگوں کے دِل سے اُتر جاتے ہیں ان کی کوئی عزت نہیں رہتی بلکہ انہیں ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

4: خواجہ میر درد نے دوسری غزل کے مطلع میں دِل کے لیے لازمی چیز کیا قرار دی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی یاد کو لازمی قرار دیا ہے۔

5: شاعر نے دوسری غزل کے دوسرے شعر میں خدا سے مخاطب ہو کر کس بات کو تسلیم کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کوئی قدرت اور طاقت حاصل نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ حاصل ہے۔

6: پہلی غزل کے تیسرے اور دوسری غزل کے چوتھے اور پانچویں شعر میں تشبیہ کی نشاندہی کیجیے؟

جواب: پہلی غزل کے تیسرے شعر میں انسانی زندگی کو شرر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ دوسری غزل کے چوتھے شعر میں اہلِ زبان کو شمع اور پانچویں شعر میں چاک سینہ کو صبح سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ارکانِ تشبیہ

○ **مشبہ:** انسانی زندگی ○ **مشبہ بہ:** شرر ○ **حرفِ تشبیہ:** جوں ○ **وجہ شبہ:** انسانی زندگی اور شرر دونوں کا مختصر دورانیہ ○ **غرضِ تشبیہ:** انسانی زندگی کو انتہائی مختصر اور فانی قرار دینا۔

دوسری غزل کے چوتھے شعر میں ہزاروں اہلِ زبان کو جلتی ہوئی شمعوں سے تشبیہ دی ہے۔

○ **شبہ:** اہلِ زبان ○ **مشبہ بہ:** شمعیں ○ **حرفِ تشبیہ:** جوں ○ **وجہ تشبیہ:** اہلِ زبان کی زبانیں اور جلتی ہوئی شمعوں کی لو میں مشابہت ○ **غرضِ تشبیہ:** شمع کی خاموش زبان کی اہمیت اُجاگر کرنا۔

7: درج ذیل تراکیب کے معنی لکھیے:

جواب: ○ **دید و ادید:** ملاقات' ایک دوسرے کی ملاقات کو جانا' ملنا جلنا ○ **اہلِ نظر:** نظر والے' بصیرت رکھنے والے' دیکھنے والے ○ **دلِ عالم:** دُنیا والوں کے دِل ○ **داغ و گل:** دھبہ اور پھول ○ **حول و قوت:** طاقت اور قدرت، لاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم کا مخفف یعنی کسی کو کوئی طاقت اور قدرت حاصل نہیں' لیکن خدائے بزرگ و برتر کو حاصل ہے ○ **چاکِ سینہ:** پھٹا ہوا گریبان' چیرا ہوا سینہ ○ **اہلِ صفا:** صاف باطن لوگ' نیک لوگ' پاک طینت لوگ ○ **آئینہ دِل:** دِل کا آئینہ' پاک صاف دِل' وہ دِل جس میں کسی کے خلاف نفرت اور کدورت نہ ہو' جس دِل میں صرف خدا کا جلوہ موجود ہو۔

8: مندرجہ ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

جواب: i۔ جان سے گزر جانا: کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر جان سے گزر جانا ہی مردانگی ہے۔

ii۔ منہ پر چڑھنا: عالموں کے منہ پر چڑھنے والے کم علم اور کم ظرف لوگ ہمیشہ منہ کی کھاتے ہیں۔

iii۔ جی سے اُتر نا: اہلِ شہر سبھی تو بید رشید کی عزت کرتے تھے لیکن جب سے اس نے اپنے استاد کے علم کو چیلنج کیا ہے وہ ہر ایک کے جی سے اُتر گیا ہے۔

9: مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب لگا کر واضح کیجیے۔

جواب: ○ دِیْد وَادِیْد ○ غَنِیْمَتْ ○ وَاقِفْ ○ عِوَضْ ○ دلِ عَالَم ○ حَوْل و قُوتْ ○ صُبْح

10: خواجہ میر دردؔ کی پہلی غزل کے مطلع کی تشریح کیجیے۔

؎ کام مُردوں کے جو ہیں، سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں

جواب: دیکھئے خواجہ میر دردؔ کی پہلی غزل کے شعر نمبر 1 کی تشریح۔

11: خواجہ میر درد کی غزلوں کے مندرجہ ذیل شعروں کی تشریح کیجیے۔

جواب: دیکھیے پہلی غزل کا شعر نمبر 4 اور دوسری غزل کا شعر نمبر 1-2۔

☆ غزل کے پہلے شعر کو (جس کے دونوں مصرعے ہم ردیف، ہم قافیہ یا کم از کم ہم قافیہ ہوتے ہیں) مطلع کہتے ہیں اور کسی غزل قصیدے یا پابند نظم کے اس آخری شعر کو جس میں شاعر بالعموم اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، مقطع کہتے ہیں خواجہ میر دردؔ کی پہلی اور دوسری غزل میں مطلع کی نشاندہی کریں۔

جواب: پہلی غزل کا مطلع:

؎ کام مردوں کے جو ہیں، سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں

دوسری غزل کا مطلع:

؎ کیا فرق داغ گل میں کہ جس گل میں بو نہ ہو
اس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

☆ آپ اس سے پہلے ردیف اور قافیہ کی تعریف پڑھ چکے ہیں۔ بتائیے میر دردؔ کی پہلی اور دوسری غزل میں ردیف کیا کیا ہے اور قوافی کون کون سے استعمال ہوئے ہیں۔

جواب: پہلی غزل میں ردیف ہے۔۔۔ ''جاتے ہیں''

دوسری غزل میں ردیف ہے۔۔۔ ''نہ ہو''

پہلی غزل میں قوافی ہیں۔۔۔ کر، گزر، مر، نظر، اُتر، جدھر، کدھر، اثر

دوسری غزل میں قوافی ہیں۔۔۔ بُو، تُو، کبھو، آرزو، گفتگو، رفو، رو

☆☆☆

غلام ہمدانی مصحفیؔ ——— (1751ء-1824ء)

شاعر کا تعارف: امروہہ کے ایک ممتاز خاندان میں پیدا ہونے والے مصحفیؔ پہلے دلی اور پھر دِلّی سے لکھنؤ منتقل ہوئے۔ لکھنؤ میں دِلّی کے ایک شہزادے مرزا سلیمان شکوہ کی سرپرستی میں آنے پر ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کی

9: مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب لگا کر واضح کیجیے۔

جواب: ○ دِیْد وَادِیْد ○ غَنِیْمَتْ ○ وَاقِفْ ○ عِوَضْ ○ دلِ عَالَم ○ حَوْل و قُوتْ ○ صُبْح

10: خواجہ میر دردؔ کی پہلی غزل کے مطلع کی تشریح کیجیے۔

؎ کام مُردوں کے جو ہیں، سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں

جواب: دیکھئے خواجہ میر دردؔ کی پہلی غزل کے شعر نمبر 1 کی تشریح۔

11: خواجہ میر درد کی غزلوں کے مندرجہ ذیل شعروں کی تشریح کیجیے۔

جواب: دیکھیے پہلی غزل کا شعر نمبر 4 اور دوسری غزل کا شعر نمبر 1-2۔

☆ غزل کے پہلے شعر کو (جس کے دونوں مصرعے ہم ردیف، ہم قافیہ یا کم از کم ہم قافیہ ہوتے ہیں) مطلع کہتے ہیں اور کسی غزل قصیدے یا پابند نظم کے اس آخری شعر کو جس میں شاعر بالعموم اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، مقطع کہتے ہیں خواجہ میر دردؔ کی پہلی اور دوسری غزل میں مطلع کی نشاندہی کریں۔

جواب: پہلی غزل کا مطلع:

؎ کام مردوں کے جو ہیں، سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں

دوسری غزل کا مطلع:

؎ کیا فرق داغ گل میں کہ جس گل میں بو نہ ہو
اس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

☆ آپ اس سے پہلے ردیف اور قافیہ کی تعریف پڑھ چکے ہیں۔ بتائیے میر دردؔ کی پہلی اور دوسری غزل میں ردیف کیا کیا ہے اور قوافی کون کون سے استعمال ہوئے ہیں۔

جواب: پہلی غزل میں ردیف ہے۔۔۔ ''جاتے ہیں''

دوسری غزل میں ردیف ہے۔۔۔ ''نہ ہو''

پہلی غزل میں قوافی ہیں۔۔۔ کر، گزر، مر، نظر، اُتر، جدھر، کدھر، اثر

دوسری غزل میں قوافی ہیں۔۔۔ بُو، تُو، کبھو، آرزو، گفتگو، رفو، رو

☆☆☆

غلام ہمدانی مصحفیؔ ——— (1751ء-1824ء)

شاعر کا تعارف: امروہہ کے ایک ممتاز خاندان میں پیدا ہونے والے مصحفیؔ پہلے دلی اور پھر دِلّی سے لکھنؤ منتقل ہوئے۔ لکھنؤ میں دِلّی کے ایک شہزادے مرزا سلیمان شکوہ کی سرپرستی میں آنے پر ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کی

بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ ان کی استادی کو تسلیم کیا گیا۔ البتہ سیّد انشا اللہ خاں انشا سے معاصرانہ چشمک نے بڑے ہنگامے برپا کیے۔ مصحفی باکمال اور پُر گو شاعر تھے۔ اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کے لب و لہجے میں بڑی نرمی ہے۔ ان کے ہاں داخلیت اور خارجیت کا خوبصورت امتزاج ہے۔ جمالیاتی کیفیات 'معاملہ بندی' غم عشق اور شاعرانہ کمالات میں انسانی نفسیات کا گہرا اور مفید مطالعہ ملتا ہے۔

1۔ غزل ـــــ غلام ہمدانی مصحفی

شعر 1: دُنیا میں جب تلک کہ میں اندوہ گیں رہا
غم دِل سے اور دِل سے مرے غم، قریں رہا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **تلک:** تک ○ **اندوہ گیں:** غم ناک رنجیدہ، پریشان ○ **قریں:** قریب، پاس، ملا ہوا، ملحق

مفہوم: دنیا میں جب تک انسان غمناک رہتا ہے۔ اُس کا دِل غم کے قریب اور غم دِل کے قریب رہتا ہے۔

تشریح: مصحفی زندگی کی ایک ایسی حقیقت کا ذکر کرتے ہیں جو آدمی کو انسان بناتی ہے یہ حقیقت ہے غم۔ دنیا میں جس آدمی کو غم سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے وہ انسانیت سے زیادہ سرفراز ہوتا ہے، جو آدمی غم یا دُکھ اور تکلیف سے دوچار نہ ہو تو وہ فرعون نمرود اور شداد بن بیٹھتا ہے۔ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کی خلاف ورزی بلکہ اُن سے دشمنی کرتے نظر آتے ہیں۔ مادہ پرست اور روحانیت سے بالکل تہی دست ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ غم سے دُوری روحانیت سے دُوری پیدا کرتی ہے، روحانیت سے دُوری تاریکی میں گرا دیتی ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ اپنے والد شیخ نور محمد کے نام ایک خط میں اپنے مرشد مولانا روم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''میں چراغ لے کے تمام شہر میں پھرا کہ کوئی انسان نظر آئے، مگر نظر نہ آیا۔'' اور موجودہ زمانہ تو روحانیت کے اعتبار سے بالکل تہی دست ہے۔ اسی واسطے اخلاص، محبت، مروّت و یک جہتی کا نام و نشان نہیں رہا۔ آدمی، آدمی کا خون پینے والا اور قوم، قوم کی دشمن ہے۔۔۔ بنی نوع انسان کو پھر ایک دفعہ نور محمدی عطا ہوئے بغیر اس بدنصیب دنیا کی نجات نظر نہیں آتی۔'' ظاہر کی عیش و عشرت اور دُنیاداری میں ڈوبا ہوا آدمی، غم سے ناآشنا ہوتا ہے۔ غم سے شناسائی ہو جائے تو انسانیت سے روشناسی حاصل ہوتی ہے۔ گویا غم مدرکِ حقائق ہے اور مصحفی کو اِس بات پر ناز ہے کہ اُسے غم سے واسطہ رہا، غم اُس کے دِل کے قریب اور دِل غم کے قریب رہا۔ اس مطلع میں مصحفی کی آخری عمر میں پیش آنے والی تنگدستی، عسرت اور ناداری کی وجہ سے غموں سے واسطہ پڑنے کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ غزل کے اس مطلع میں مصحفی نے انسانی زندگی میں غم کی اہمیت کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ دِل غم سے زندہ ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ غم ہے اِک نعمتِ خداوندی
جتنا بر تو اسی قدر کم ہے

شعر 2: رونے سے کام بس کہ شب اے ہم نشیں رہا
آنکھوں پہ کھینچتا میں ' سرِ آستیں رہا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ بس کہ: چونکہ' اس لیے کہ ○ ہم نشیں: ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والا' ہم صحبت' مصاحب' ساتھی ○ سرِ آستیں: قمیص کے بازو کا کونا' لباس کے بازو کی پوشش کا کنارہ

مفہوم: اے میرے ساتھی میں ساری رات روتا رہا اور آنسو پونچھنے کے لیے اپنی آستین کا کنارہ آنکھوں پر رکھتا رہا۔

تشریح: مصحفی انسانی زندگی میں رونے اور آنسو بہانے کی اہمیت کا اظہار کر رہے ہیں' کہتے ہیں میں ساری رات روتا رہا۔ آنسو پونچھنے کے لیے اپنی قمیص کی آستین کا کونا استعمال کرتا رہا۔ عام حالات میں رونے کے عمل کو پسند نہیں کیا جاتا لیکن عاشق لوگ اس کی اہمیت کو کچھ اور سمجھتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر رو رو کر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کی جائے تو دُعا قبول ہوتی ہے۔ انسانی زندگی میں رونے کے عمل کو دل کا غبار نکالنے کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے رونے کو تطہیر یعنی Catharsis کہا جاتا ہے اگر غم کے جذبات انسانی وجود میں پروان چڑھتے رہیں اور اس کی تطہیر نہ ہو تو انسان شدتِ غم سے پاگل ہو جاتا ہے۔ عاشقوں کو رونے سے خاص نسبت رہتی ہے۔ رونے کو عشق میں بیساکھی کی کیفیت سمجھا جاتا ہے۔ آنسو بہتے ہیں تو عشق میں دھوئے جاتے اور پاک ہو جاتے ہیں۔ رونا دراصل عشق میں وضو کرنے کا عمل ہے۔ رونے کے اس عمل کو اگر کسی سے چھپانا مقصود ہو تو آنکھوں پر رومال یا کوئی اور کپڑا رکھ لیا جاتا ہے۔ عاشق کے پاس بازو کا کونا ہے جو رات کے وقت آنسو پونچھنے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ بقول خواجہ میر درد

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

شعر 3: نازک مزاج تھا میں بہت اس چمن کے بیچ
جب تک رہا تو خندۂ گل سے حزیں رہا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ خندۂ گل: پھول کی ہنسی' پھول کا کھلنا ○ حزیں: غمگین' رنجیدہ ○ چمن: باغ' مراد دُنیا۔

مفہوم: میری نازک مزاجی نے مجھے اس مقام تک پہنچا دیا ہے کہ کھلتے ہوئے پھول کو دیکھ کر بھی میں غمگین ہو جاتا ہوں کیونکہ پھول کا کھلنا دراصل اُس کی تباہی کی علامت ہے۔

تشریح: مصحفی اپنی نازک مزاجی کا اظہار یوں کر رہے ہیں کہ میں جب تک اس چمن یعنی دُنیا میں زندہ رہا' پھولوں کو کبھی کھلتے ہوئے نہ دیکھ سکا' کیونکہ پھولوں کے کھلنے سے مجھے پھولوں کے انجام کا خیال آتا رہا۔ آپ جانتے ہیں کہ جب پھول کھلتا ہے تو اُس کی پتیوں کے بکھرنے کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔ یا جلد ہی پھول

مُرجھا جاتا ہے گویا موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے ہر حساس آدمی کسی دوسرے کو تکلیف میں دیکھ کر خود بھی غمگین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہنسنے والے کی ہنسی میں یا قہقہے میں رونے کی صدا آتی ہے قیدِ حیات اور بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں۔ خوشی کے بعد غم ضرور ملتا ہے۔ حدیثِ نبویؐ ہے کہ "اتنا نہ ہنسو کہ دِل مردہ ہو جائے" گویا ہنسی غم کا پیش خیمہ ہے۔ آدمی ہنستا ہے تو موت اس پر ہنستی ہے کہ ہر شخص بہت جلد دنیا سے رخصت ہونے والا ہے لیکن اسے احساس ہی نہیں ہے۔ شاعر نے لفظ خندہ اور حزیں استعمال کر کے صنعتِ تضاد سے معنویت پیدا کی ہے:

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بے کسی سے ہم

شعر 4: ہمدم جو دیکھتا ہوں تو پہلو میں دِل نہیں
بیٹھا تھا اُس کے پاس، مرا دِل وہیں رہا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ ہمدم: رفیق، یار، دوست

مفہوم: محبوب کے پاس بیٹھنے والے عاشق کا دِل محبوب ہی کے پاس رہ جاتا ہے۔

تشریح: مصحفی اپنے محبوب کی محفل میں جو وقت گزار کر آئے ہیں۔ اُس کی گفتگو، اس کی اداؤں اور اُس کے تصور ہی میں کھوئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِن کا دِل، اِن کے پاس نہیں رہا، دِل محبوب ہی کی محفل میں رہ گیا، مصحفی اپنے کسی دوست سے ذکر کرتے ہیں کہ مَیں اپنے محبوب کے پاس بیٹھا تھا مَیں نے یہاں آ کر اپنے پہلو کو ٹٹولا ہے تو پہلو میں دِل نہیں ہے۔ میرا دِل اُسی کے پاس رہ گیا ہے۔ عاشق تصور ہی تصور میں اپنے محبوب کی باتوں کو یاد کرتا ہے حتیٰ کہ اُس کے ادا کیے ہوئے جملوں کو دُہراتا رہتا ہے۔ اُس کی اداؤں کی نقل کرتا ہے۔ اُس کے دیکھنے کے انداز کو یاد کرتا ہے۔ اُس کے حُسن کے جلووں سے محظوظ ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اِس کی محفل سے اُٹھ کر آ گیا ہے لیکن ذہنی اور روحانی طور پر وہ اُسی کی محفل میں ہے۔ وہ اپنے کسی دوست کی باتوں کا صحیح طور پر جواب نہیں دے پاتا تو کہہ اُٹھتا ہے کہ مَیں اپنے محبوب کی محفل میں گیا تھا۔ میرا دِل اب تک وہیں ہے۔ وہ خوش نصیب حضرات جو حج یا عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کر کے آتے ہیں، اپنے گھر واپس آنے کے بعد بھی تصور میں حضور ﷺ کی بارگاہ ہی میں رہتے ہیں۔ خانۂ کعبہ کا خیال آتا ہے تو اس کے مختلف حصوں کی زیارت کرتے رہتے ہیں روضۂ رسول کے تصور میں روضۂ اطہر کے سامنے حاضری دیتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھتے رہتے ہیں۔ دنیا کے کاموں میں جس قدر بھی اُلجھے رہیں۔ تصور ہی تصور میں وہ حرمین شریفین ہی میں موجود رہتے ہیں۔ ان کا جسم واپس آ جاتا ہے لیکن دل و دماغ وہیں رہ جاتے ہیں یہی حال ایک عام عاشق کا ہے، جس کا مصحفی نے ذکر کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا شعر ہے:

میرے ویرانۂ جاں میں تری یادوں کے طفیل
پھول کھلتے نظر آتے ہیں جہاں تک دیکھوں

شعر 5: آخر کو ہو کے لالہ اُگا تو بہار میں
خونِ شہیدِ عشق نہ زیرِ زمیں رہا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ لالہ: پوست کا پھول' جو سرخ رنگ کا ہوتا ہے ○ خونِ شہیدِ عشق: عشق میں شہید ہونے والے عاشق کا خون ○ زیرِ زمین: زمین کے نیچے

مفہوم: آخرکار بہار میں لالہ کا پھول اُگا ہے۔ وہ دراصل کسی شہیدِ عشق کا لہو ہے' جو سرخ رنگ میں نظر آ رہا ہے۔

تشریح: مصحفی زیرِ نظر شعر میں حسنِ تعلیل سے کام لے رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بہار میں اُگنے والا لالہ کا سرخ پھول دراصل زمین کے اندر دفن ہونے والے کسی شہیدِ عشق کا خون ہے جو آخرکار لالہ بن کے پیدا ہوا ہے' خون زمین کے اندر رُک نہ سکا اور سرخ پھول کی صورت میں زمین سے باہر آ گیا ہے۔ حسنِ تعلیل دراصل کسی ایسی بات کو کہا جاتا ہے' جو حقیقت پر مبنی تو نہیں لیکن اس بات یا وجہ پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔ بات کرنے والا غمزدہ ہو تو سمجھتا ہے کہ سارا جہاں غمزدہ ہے۔ وہ خوش ہو تو سمجھتا ہے کہ سارا جہان خوش ہے اسی کو حُسنِ تعلیل یا حُسنِ تعلیل کہتے ہیں۔ شاعر لالہ کے پھول کو شہیدِ عشق کا خون کہتا ہے۔ اگر جوان بیوہ کا باپ یہ بات کہتا تو شاید یہ کہتا کہ اُس کی بیٹی کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ لالہ کا رُوپ دھار کر زمین سے نکل آیا ہے۔

شعر 6: دی جان ایسے ہوش سے اپنی کہ خلق کو
جینے کا میرے تادمِ آخر یقیں رہا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ خلق: دنیا ○ تادمِ آخر: آخر وقت تک

مفہوم: میری موت مجھے مدہوش نہ کر سکی' میرے ہوش و حواس قائم رہے۔ دُنیا کو آخر وقت تک میرے مرنے کا یقین نہ آیا۔

نوٹ: شیخ غلام ہمدانی مصحفی' اپنی موت کو دُنیا والوں پر طاری ہونے والی موت کی کیفیت سے مختلف قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرتے وقت بھی میرے ہوش و حواس قائم رہے' مجھے مرتے وقت کوئی گھبراہٹ یا بے چینی نہ ہو سکی۔ یہ کیفیت دراصل ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ سے ملاقات کے متمنی ہوتے ہیں۔ دُنیا اور دُنیاداری سے دِل نہیں لگاتے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عشق رکھتے ہیں۔ وہ بات جو عام لوگوں پر طاری ہونے والی موت کی کیفیت میں ہوتی ہے' شاعر کی موت میں وہ کیفیت طاری نہ ہوئی' جیسے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ موت آئے گی تو مرنے والے پر بہت گھبراہٹ طاری ہوگی۔ دِل بے چین اور بیتاب ہوگا۔ منہ کھلے کا کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ آدمی پر جب نزع کا عالم طاری ہوتا ہے تو اس کی حالت دیکھ کر اس کے اردگرد موجود لوگوں کو بھی یقین ہو جاتا ہے کہ بیمار مر رہا ہے۔ وہ سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے ہیں کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا بلند آواز میں وِرد شروع کر دیتے ہیں۔ مرنے والا نہایت کرب کے عالم میں موت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ شاعر' چونکہ مرتے وقت بہت مطمئن تھا۔ نزع کا عالم اس کا سکون نہ چھین سکا' دیکھنے والوں نے آخر دم تک یہی سمجھا کہ وہ زندہ ہے۔

اُس پر موت طاری نہیں ہوئی، مگر وہ موت کی آغوش میں چلا گیا۔ شاعر کو اپنی شاندار موت پر فخر کا احساس ہو رہا ہے۔ اسے آپ شہادت کی موت کہہ سکتے ہیں۔ ایسی موت کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ جو ڈوبنا ہے تو اتنے سکون سے ڈوبو
کہ آس پاس کی لہروں کو بھی پتا نہ چلے

شعر 7: یارانِ گرم رَو تو سب سے آگے نکل گئے
ان سے میں ننگِ قافلہ پیچھے کہیں رہا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **یارانِ گرم رو:** تیز رفتار ساتھی ○ **ننگِ قافلہ:** قافلے کی ذلت کا باعث ○ **پیچھے کہیں رہا:** بہت پیچھے رہ گیا۔

مفہوم: میرے تیز رفتار ساتھی آگے نکل گئے ہیں۔ میں قافلے سے بہت پیچھے رہ گیا۔

تشریح: کسی قافلے میں شامل تیز رفتار لوگ، پُرجوش، باہمت اور باحوصلہ لوگ کسی جگہ رُکتے نہیں۔ اگر کوئی منزل آ بھی جائے تو اُس منزل پر تازہ دم ہونے کو تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرتے ہیں۔ اس منزل کو بھی وہ راستہ ہی تصور کرتے ہیں۔ وہ قیدِ مقام سے ہمیشہ آگے گزر جاتے ہیں اور اپنے آپ کو ہمیشہ رہگزر میں چلتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ رہ نوردِ شوق ہوتے ہیں۔ منزل کو قبول ہی نہیں کرتے وہ جانتے ہیں کہ چلنا ہی زندگی ہے۔ رکنا تو موت کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے وہ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ وہ پاؤں کے آبلوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے کٹھن راستوں، دشوار گزار گاہوں بلکہ خارزاروں کو دیکھ کر اُن کا جی خوش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ آسانیوں کی تلاش میں نہیں بلکہ مشکلات سے کھیلنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ ہمیشہ مردانہ وار آگے بڑھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ:

اس رہ میں مقام بے محل ہے — پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں — جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں (علامہ اقبالؒ)

شاعر کو قافلے سے پیچھے رہ جانے پر شدید ندامت کا احساس ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ قافلے والے مجھے پیچھے اس لیے چھوڑ گئے ہیں کہ میں سست رو ہوں۔ قافلے والے پیچھے رہ جانے والوں کو ساتھ لے جانے کے لیے لوٹ کر نہیں آتے کیونکہ وہ ایسے لوگوں کو قافلے کی ذلت کا باعث سمجھتے ہیں۔ پیچھے رہ جانے کی وجہ سے قافلے والے انہیں اپنا ساتھی کہنے کو بھی تیار نہیں ہوتے۔

میر انیس کہتے ہیں:

واماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی
تھک کر کبھی بیٹھے تو اُٹھاتا نہیں کوئی

شاعر کہتا ہے کہ میں اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے قافلے سے بہت پیچھے رہ گیا ہوں قافلے والے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

شعر 8: رکھوں میں روک کیوں کر دل اپنے کو مصحفی
میرے کہے میں اب تو میرا دل نہیں رہا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ دِل روک رکھنا: دِل کو سنبھالنا' دِل کو اپنے بس میں رکھنا ○ کہے میں رہنا: کہا ماننا' تابع ہونا

مفہوم: میرا دِل میرے بس میں نہیں رہا۔ محبوب کا ہو کر رہ گیا ہے۔

تشریح: مصحفی اس مقطع میں اپنے دِل کے اپنے ہاتھوں سے نکل جانے اور محبوب کا ہو جانے کا ذکر کرتے ہیں کہ مَیں اپنے دِل کو اپنے پاس سنبھال کر نہیں رکھ سکتا۔ وہ میرے محبوب کا ہو کر رہ گیا ہے۔ میرے بس میں نہیں رہا۔ بقول علامہ اقبالؒ

؎ اِس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
دِل کسی اور کا دیوانہ میں دیوانہ دل

شاعر کہتا ہے جب سے مجھے عشق ہوا میرا دِل میرے محبوب کا ہو کر رہ گیا' میرے کسی ارادے اور خواہش کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دِل تو عاشق کے سینے میں دھڑک رہا ہوتا ہے لیکن وہ اِس کا اپنا نہیں رہتا۔ محبوب کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ انسان کو اگر اللہ سے عشق ہو جائے تو عاشق کا دِل خانہ کعبہ بلکہ عرشِ ربِ جلیل ہو جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے عشق ہو تو عاشق کا دِل مدینہ بلکہ روضۂ اطہر کی جالی بن جاتا ہے۔ خانۂ کعبہ کا خیال آئے تو عاشق خود کو طواف کرتا' سعی کرتا' آبِ زمزم پیتا' نمازیں ادا کرتا اور نوافل پڑھتا دیکھتا ہے۔ دل محبوب کا کوچہ' محبوب کے گھر کے در و بام یا محبوب کی ذات بن جاتا ہے۔ دِل کا تعلق' عاشق سے زیادہ محبوب سے ہو جاتا ہے۔ اُس کی ہر دھڑکن محبوب سے تعلق کا پتا دیتی ہے۔

؎ واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب
آسودگی کی جان تیری انجمن میں تھی

2۔ غزل ـــــ شیخ غلام ہمدانی مصحفی

شعر 1: نہ گیا کوئی عدم کو دِل شاداں لے کر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت داماں لے کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ عدم: اگلی دُنیا ○ دِل شاداں: خوش و خرم دِل' باغ باغ دِل ○ یاں: یہاں ○ کیا کیا: مراد کیسے کیسے لوگ ○ حسرت: کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس' وہ آرزو جو پوری نہ ہو ○ ارماں: خواہش' آرزو' تمنا

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

شعر 8: رکھوں میں روک کیوں کر دل اپنے کو مصحفی
میرے کہے میں اب تو میرا دل نہیں رہا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ دِل روک رکھنا: دِل کو سنبھالنا' دِل کو اپنے بس میں رکھنا ○ کہے میں رہنا: کہا ماننا' تابع ہونا

مفہوم: میرا دِل میرے بس میں نہیں رہا۔ محبوب کا ہو کر رہ گیا ہے۔

تشریح: مصحفی اس مقطع میں اپنے دِل کے اپنے ہاتھوں سے نکل جانے اور محبوب کا ہو جانے کا ذکر کرتے ہیں کہ مَیں اپنے دِل کو اپنے پاس سنبھال کر نہیں رکھ سکتا۔ وہ میرے محبوب کا ہو کر رہ گیا ہے۔ میرے بس میں نہیں رہا۔ بقول علامہ اقبالؒ

؎ اِس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
دِل کسی اور کا دیوانہ میں دیوانہ دل

شاعر کہتا ہے جب سے مجھے عشق ہوا میرا دِل میرے محبوب کا ہو کر رہ گیا' میرے کسی ارادے اور خواہش کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دِل تو عاشق کے سینے میں دھڑک رہا ہوتا ہے لیکن وہ اِس کا اپنا نہیں رہتا۔ محبوب کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ انسان کو اگر اللہ سے عشق ہو جائے تو عاشق کا دِل خانہ کعبہ بلکہ عرشِ ربِ جلیل ہو جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے عشق ہو تو عاشق کا دِل مدینہ بلکہ روضۂ اطہر کی جالی بن جاتا ہے۔ خانۂ کعبہ کا خیال آئے تو عاشق خود کو طواف کرتا' سعی کرتا' آبِ زمزم پیتا' نمازیں ادا کرتا اور نوافل پڑھتا دیکھتا ہے۔ دل محبوب کا کوچہ' محبوب کے گھر کے در و بام یا محبوب کی ذات بن جاتا ہے۔ دِل کا تعلق' عاشق سے زیادہ محبوب سے ہو جاتا ہے۔ اُس کی ہر دھڑکن محبوب سے تعلق کا پتا دیتی ہے۔

؎ واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب
آسودگی کی جان تیری انجمن میں تھی

2۔ غزل ـــــ شیخ غلام ہمدانی مصحفی

شعر 1: نہ گیا کوئی عدم کو دِل شاداں لے کر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت داماں لے کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ عدم: اگلی دُنیا ○ دِل شاداں: خوش و خرم دِل' باغ باغ دِل ○ یاں: یہاں ○ کیا کیا: مراد کیسے کیسے لوگ ○ حسرت: کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس' وہ آرزو جو پوری نہ ہو ○ ارماں: خواہش' آرزو' تمنا

مفہوم: اِس دُنیا سے بڑے بڑے لوگ بھی خوش ہو کر نہیں گئے۔ ناکام تمناؤں کے ساتھ اگلی دُنیا میں چلے گئے۔

تشریح: مصحفی، غزل کے اِس مطلع میں دنیا میں زندگی گزار کر جانے والے لوگوں کی دِلی کیفیات کا ذکر کرتے ہیں کہ بڑے بڑے لوگ بھی دنیا سے جاتے وقت مایوس ہو جاتے ہیں، اُن کی دنیوی آرزوئیں اور تمنائیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اُن کے ارمان پورے نہیں ہوتے، مرادیں ناکام، آرزوئیں نامکمل یعنی حسرتیں بن کر رہ جاتی ہیں۔ دنیا میں عیش و عشرت سے زندگی گزارنے والا، بڑے سے بڑا دولت مند آدمی بھی عمر گزارنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوتے وقت یہی خیال کرتا ہے کہ اُس کی ابھی بہت سی آرزوئیں باقی رہ گئی ہیں۔ وقت کی کمی کے باعث ہر آرزو ایک حسرت بن کر رہ جاتی ہے۔ مرنے والا آرزو کرتا ہے کہ مجھے تھوڑی سی مہلت مل جائے تو مَیں فلاں فلاں کام کر لوں۔ یہ آرزو پوری ہو جاتی تو اچھا تھا۔ وہ خواہش پوری ہو جاتی تو بہتر تھا۔ نوجوان مَر رہا ہو تو وہ کسی محبوب کے نہ ملنے کے افسوس میں مَر جاتا ہے، بزرگ ہو تو اپنے بچوں کی شادیاں نہ کر سکنے اور پھر اُن کے بچوں کے مسائل حل نہ کر سکنے کی فکر میں اپنے آپ کو گھلاتا ہے۔ کوئی مال و دولت اکٹھا کرنے کا شوقین ہے تو بے حد و حساب دولت کمانے کے باوجود مزید دولت کی ہوس میں مرتا ہے۔ کاروں کے نئے ماڈل پانے کی خواہش، نئے ڈیزائن کی کوٹھیاں بنوانے کی تمنا، دوستوں اور عزیزوں سے ملنے ملانے کی آرزو دِل ہی میں رہ جاتی ہے۔ ہزاروں خواہشیں پوری ہونے کے باوجود لوگ بہت سی خواہشیں پوری نہ ہونے کا ارمان اور افسوس ساتھ لے کر مَر جاتے ہیں۔ غالب نے کہا تھا:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

شعر 2: باغ وہ دشتِ جنوں تھا کہ کبھی جس میں سے
لالہ و گل گئے ثابت نہ گریباں لے کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ دشت: جنگل، صحرا، بیاباں ○ جنوں: دیوانگی، غصہ، توجہ ایک نقطے پر مرکوز کرنا، عشق ○ لالہ و گل: پوست کا پھول اور دیگر پھول ○ ثابت: مکمل ○ گریباں: لباس کا وہ حصہ جو گلے سے شروع ہو کر نیچے تک لٹکتا رہتا ہے۔

مفہوم: باغ جنون کا ایسا صحرا تھا جس میں لالہ و گل کے گریبان چاک ہو گئے۔

تشریح: مصحفی نے اس شعر میں باغ اور اس سے متعلقہ دوسری چیزوں کا ذکر کر کے مراعاۃ النظیر سے بڑی معنویت پیدا کی ہے۔ کہتے ہیں کہ باغ محبت کا ایک ایسا صحرا تھا کہ جس میں کھلنے والے پھول، باغ کی زینت اور آرائش و زیبائش کا سبب بننے والے، کھلتے ہیں تو خود اپنی پتیاں سنبھال نہیں پاتے، ان کی پتیاں بکھر جاتی ہیں۔ گویا ان کا گریبان پھٹ جاتا ہے۔ محبت کے اِس صحرا میں کوئی اپنے وجود کو کیسا ہی سنوار کر رکھے، بالآخر اُسے زوال کے عمل سے گزرنا ہے۔ یہاں چمن سے مراد دُنیا بھی ہے اور لالہ و گل سے مراد دُنیا کے لوگ ہیں۔ یہ دنیا،

وہ دشتِ جنوں ہے کہ جس میں پیدا ہونے والا ہر شخص دنیا سے رخصت ہوتے وقت ناکام و نامراد ہی جاتا ہے اور دُنیا کی محبت میں اپنا گریباں چاک کر بیٹھتا ہے۔ وہ دُنیا کی محبت میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ اُسے یہاں سے جانے کی فکر ہی نہیں رہتی۔ دُنیا کی محبت اسے دیوانہ بنا لیتی ہے۔ اس محبت میں گریباں تار تار ہو جاتا ہے۔ شاعر نے اس شعر میں اخلاقیات کے حوالے سے دُنیا والوں کو ایک درس دیا ہے کہ دنیا میں ان کا قیام لالہ و گل کی طرح عارضی ہے' ان کی زندگی بے چارگی کی تصویر ہے۔ وہ پھر بھی دُنیا میں بہت سارا سرمایہ اپنے پاس جمع کر لیتے ہیں لیکن موت انہیں اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جانے دیتی۔ دُنیا کی محبت میں گریباں چاک کرنے والا اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جا سکتا۔ وہ سب کچھ یہاں لٹا کر جاتا ہے۔ "الهٰكُمُ التَّكاثُر حَتّٰى زرتم المقابر"

میر تقی میرؔ نے کیا خوب کہا ہے:

؎ آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

شعر 3: پردۂ خاک میں سو' سو رہے جا کر افسوس
پردہ رخسار پہ کیا کیا مہِ تاباں لے کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **پردۂ خاک:** خاک کے پردے میں مراد زمین کے اندر ○ **مہ تاباں:** روشن اور چمکتا ہوا چاند

مفہوم: روشن چاند جیسے خوبصورت چہروں والے لوگ زمین میں دفن ہو گئے۔

تشریح: شاعر موت کی حقیقت بیان کر رہا ہے وہ کہتا ہے کہ دُنیا میں کیسے خوبصورت لوگ پیدا ہوتے ہیں مگر جب موت آتی ہے تو انہیں زیرِ زمین مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ ان کا حسن انہیں مٹی میں ملنے سے نہیں روک سکتا۔ شاعر اس بات کا بڑا افسوس کرتا ہے۔ کیسے کیسے خوبصورت چہروں والے لوگ مٹی میں مل جاتے ہیں۔ شاعر دراصل سبق دینا چاہتا ہے کہ دُنیا میں رہتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ایک دِن ہمیں اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے۔ مرنے کے بعد ہمیں مٹی میں دفن کر دیا جائے گا۔ اس لیے ابدی زندگی کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ چھوٹے بڑے' چمکتے ہوئے چاند جیسا چہرہ رکھنے والے لوگ بالآخر مٹی میں مل کر رہ جاتے ہیں۔ گویا چاند مٹی میں ملا دیئے جاتے ہیں۔ بقول آتش:

؎ نہ گورِ سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

شعر 4: ابر کی طرح سے کر دیویں گے عالم کو نہال
ہم جدھر جاویں گے یہ دیدۂ گریاں لے کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **ابر:** بادل ○ **کر دیویں گے:** کر دیں گے ○ **عالم:** دُنیا ○ **نہال:** مالا مال'

خوشحال پودا ○ دیدۂ گریاں: روتی ہوئی آنکھ

مفہوم: ہم اس انداز سے روتے ہیں کہ جدھر بھی جائیں دُنیا کو جل تھل کر دیتے ہیں۔

تشریح: مصحفی اپنے رونے کے انداز کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ عام لوگوں کی طرح نہیں روتے بلکہ ان کا رونا بے حساب ہے۔ اس رونے کے پیچھے محض رونے کی عادت نہیں بلکہ دُکھوں کا تسلسل، تکلیفوں کا طومار، محبوب کی بے وفائی، دوستوں کی کج ادائی، اپنوں کے دھوکے، غیروں کا تعصب، بغض اور عناد کے نتیجے میں پیدا ہونے والے غموں کا احساس ہے جو شاعر کو مسلسل رونے پر مجبور کرتا ہے۔ شاعر کا دعویٰ ہے کہ وہ جس طرف بھی روتا ہوا جائے گا۔ ساری دنیا کو آنسوؤں سے جل تھل کر دے گا۔

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

شعر 5:

پھر گئی سوئے اسیرانِ قفس بادِ صبا
خبرِ آمدِ ایامِ بہاراں لے کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ سوئے اسیرانِ قفس: قید خانے میں بند قیدیوں کی طرف ○ **بادِ صبا:** صبح کی ہوا ○ **خبرِ آمدِ ایامِ بہاراں:** بہار کے دِنوں کے آنے کی خبر

مفہوم: صبح کی ہوا قید خانے میں بند قیدیوں کی طرف بہار کے دِنوں کے آنے کی خبر پھر لے کر گئی۔

تشریح: قید خانے میں بند قیدیوں کی زندگی تو بہار میں بھی خزاں کی طرح ہوتی ہے لیکن اگر انہیں قید خانے کے باہر کی دنیا میں بہار کی آمد کا پتا چلے تو ان کی بے قراری اور بے چینی میں شدید اضافہ ہو جاتا ہے۔ قید خانے کے در و دیوار ان پر اور بھی تنگ ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے قید خانے میں وقت گزارنا بلکہ سانس لینا تک دوبھر ہو جاتا ہے۔ وہ جلد سے جلد اس قید خانے سے نکل بھاگنا چاہتے ہیں۔ ہر قدم پر قیدیوں کو نئی مجلسِ غم سے واسطہ پڑتا ہے۔ انہیں کوئی اپنا ہمدرد نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے دل کی کیفیت کا اظہار کسی سے بھی نہیں کر سکتے۔ عید کے موقع پر بھی وہ رنجیدہ و الم رسیدہ رہتے ہیں۔ اس لیے شاعر کہتا ہے کہ جب قیدیوں کو صبح کی تازہ اور ٹھنڈی ہوا سے موسم کی بدلتی ہوئی کیفیت کا اندازہ ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ قید خانے کے باہر بہار کا موسم آنے والا ہے تو رنج و الم اپنی انتہائی حد کو چھو کر انہیں بے قرار کرنے لگتا ہے۔

انہیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ وہ قید خانے ہی میں گھٹ کر نہ مر جائیں۔ قید خانے کے باہر بہار دھومیں مچا رہی ہیں اور قید خانے کے اندر وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ قید خانے کے باہر آزاد لوگ خوشی کے ترانے گا رہے ہیں مگر قید خانے کے اندر قیدی دم سادھے خاموش نظروں سے قید خانے کے در و دیوار پر چھائی ہوئی اُداسی کو تک رہے ہیں وہ خود اُداسیوں کے گہرے اندھیروں میں ڈوب جاتے ہیں، دل میں دُکھوں کے الاؤ جلتے ہیں۔

شعر 6: مصحفی گوشۂ عزلت کو سمجھ تختِ شہی
کیا کرے گا تو عبث مُلکِ سلیماں لے کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **گوشۂ عزلت:** خلوت، گوشۂ تنہائی ○ **تختِ شاہی:** بادشاہ کا تخت، مسندِ شاہ ○ **عبث:** بیکار، فضول ○ **ملکِ سلیماں:** حضرت سلیمانؑ کا ملک، جن کی چرند پرند اور جن وانس پر حکومت تھی۔

مفہوم: اگر کسی کو دُنیا کے جھمیلوں سے دُور کہیں تنہائی میں بیٹھنے کا موقع ملے تو اُسے تختِ شاہی سمجھنا چاہیے۔

تشریح: مصحفی نے مقطع میں مُلکِ سلیمانؑ کا ذکر کر کے شعر میں تلمیح کا استعمال کیا ہے۔ ملکِ سلیمانؑ کی تلمیح دراصل گنجینۂ معنی کا طلسم ہے یا معنوں کے خزانے کی چابی ہے، جس کی وجہ سے غزل کے اس مقطع میں بڑی معنویت پیدا ہوگئی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے مصحفی، تنہائی میں بیٹھنے ہی کو تو بادشاہ کے تخت پر براجمان ہونا سمجھ۔ کیونکہ انسان کی جتنی ذمہ داریاں بڑھتی ہیں اُس کو اتنی ہی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر بنی اسرائیل کے مشہور بادشاہ اور پیغمبر حضرت سلیمانؑ کا تخت بھی مل جائے تو یہ تیری بیکار خواہش ہوگی حالانکہ حضرت سلیمانؑ کی چرند، پرند اور جن وانس پر حکومت تھی۔ وہ جس تخت پر بیٹھتے تھے اُس کی بڑی اہمیت تھی اسے ہوائیں اور جنات اُٹھائے پھرتے تھے لیکن یہ سب کچھ پا کر تمہیں وہ سکون اور آرام نصیب نہ ہوگا جو ایک گوشۂ تنہائی میں ہوتا ہے یہ گوشۂ تنہائی ہی نہیں گوشۂ عافیت ہوتا ہے، جو آدمی کو ہزار دُکھوں سے نجات دیتا ہے۔

مشقی سوالات

1: مصحفی کی دونوں غزلوں میں قافیے اور ردیف کی نشاندہی کیجیے۔

جواب: پہلی غزل میں قافیے ۔۔۔ گیں، قریں، نشیں، آستیں، حزیں، وہیں، زمیں، یقیں، کہیں، نہیں
پہلی غزل میں ردیف ۔۔۔ ''رہا''
دوسری غزل میں قافیے ۔۔۔ شاداں، ارماں، گریباں، تاباں، گریاں، بہاراں، سلیماں
دوسری غزل میں ردیف ۔۔۔ ''لے کر''

2: چند جملوں میں وضاحت کیجیے۔

الف: دُنیا میں اندوہ گیں رہنے کا مفہوم کیا ہے؟

دُنیا میں اندوہ گیں رہنے کا مطلب ہے کہ دُنیا کی اصلیت پر غور کرتے ہوئے اسے فانی سمجھنا اور اپنی زندگی کو فانی سمجھتے ہوئے خوشیوں کی نسبت غموں اور دُکھوں کو عزیز جاننا اور اپنی موت کی ہر وقت فکر کرتے رہنا۔

ب: چمن میں خندۂ گل سے حزیں رہنے سے کیا مراد ہے؟

باغ میں کھلے ہوئے پھول دیکھ کر شاعر غمگین ہو جاتا ہے کیونکہ اسے پھولوں کی مسکراہٹ میں یعنی پھولوں کے کھلنے میں پھولوں کا انجام نظر آتا ہے۔ چونکہ خوشی کے بعد غم، راحت کے بعد دُکھ اور زندگی کے بعد

موت آتی ہے۔ اس لیے شاعر خندۂ گل سے حزیں رہتا ہے۔

ج: خونِ شہیدِ عشق آخر کس میں ظاہر ہوا؟

گلِ لالہ میں کیونکہ لالہ (پوست کا پھول) سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔

د: خلق کو تا دمِ آخر مرنے کا یقین کیوں نہ آیا؟

دمِ نزع، ہوش و حواس کھوئے بغیر نہایت اطمینان سے جان، جانِ آفریں کے سپرد کی۔ موت کی بیقراری ظاہر نہ ہونے دی۔ اس لیے موت کا یقین نہ آیا۔

ہ: قافلے میں کون آگے نکل گیا اور کون پیچھے رہا؟

یارانِ گرم رو (یعنی یارانِ تیز گام) تو سب آگے نکل گئے اور خود شاعر جو سست رو تھا اور ننگِ قافلہ تھا پیچھے رہ گیا۔

و: شاعر کے خیال میں لالہ و گل کے گریباں ثابت کیوں نہیں ہیں؟

کیونکہ وہ اپنا اثاثہ، اپنا حُسن اسی دُنیا میں لٹا کر جاتے ہیں۔

ز: مہ تاباں کے زیرِ زمیں چلے جانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

چاند جیسے چمکدار اور خوبصورت چہرہ رکھنے والے حسین لوگوں کا مرنے کے بعد مٹی میں دفن ہو جانا۔

ح: شاعر نے گوشۂ عزلت کو تختِ شہی پر کیوں ترجیح دی؟

تنہائی میں بیٹھ کر انسان خدا کی خدائی اور اس کی کائنات پر زیادہ غور کرتا ہے۔ دُنیا کے جھمیلوں سے دُور رہتا ہے۔ اسے کسی کی پروا نہیں ہوتی وہ ہر سوچ اور فکر سے آزاد ہوتا ہے۔ اس لیے شاعر نے تختِ شہی سے گوشۂ عزلت کو بہتر قرار دیا۔

3: درج ذیل تراکیب کے معنی لکھیے:

○ **اندوہ گیں**: غم ناک، غمزدہ، رنجیدہ، پریشان ○ **سرآستیں**: قمیص کے بازو کا کونا ○ **خندۂ گل**: پھول کی ہنسی، پھول کا کھلنا ○ **زیرِ زمیں**: زمین کے نیچے، قبر میں ○ **تا دمِ آخر**: آخر وقت تک، موت کے آخری لمحات تک ○ **ننگِ قافلہ**: قافلے کے لیے ذلت کا باعث، سست رو، قافلے سے پیچھے رہ جانے والا ○ **دلِ شاداں**: خوش و خرم دل ○ **پردۂ خاک**: خاک کا پردہ یعنی قبر ○ **مہ تاباں**: چمکتا ہوا چاند مراد خوبصورت چہرہ ○ **دیدۂ گریاں**: روتی ہوئی آنکھ ○ **اسیرانِ قفس**: قیدی جو قید خانے میں بند ہوں، پنجرے کے قیدی ○ **گوشۂ عزلت**: گوشۂ تنہائی، خلوت ○ **تختِ شہی**: بادشاہ کا تخت، مسندِ شاہ۔

4: شاعر نے دوسری غزل میں "دیدۂ گریاں" کو ابر سے تشبیہ دی ہے، بتائیے ان میں وجہ شبہ کیا ہے؟

جواب: ابر سے پانی کا ٹپکنا اور دیدۂ گریاں سے آنسوؤں کا بہنا وجہ شبہ ہے۔

5: آپ پہلے تلمیح کی تعریف پڑھ چکے ہیں۔ بتائیے کہ دوسری غزل کے مقطع میں کونسی تلمیح آئی ہے اور اس کے پس منظر میں کیا روایت ہے؟

جواب: دوسری غزل کے مقطع میں حضرت داؤدؑ کے بیٹے اور بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر اور بادشاہ حضرت سلیمانؑ

کا نام استعمال ہوا ہے۔ یہ تلمیح ہے۔ روایت ہے کہ تمام حیوانات، چرند، پرند اور جن و انس ان کے تابع تھے اور پوری دنیا کی ہر شے پر اُن کی حکومت تھی۔

6: مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں اِس طرح استعمال کیجیے کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

دنیا، غم، مزاج، چمن، خلق، قافلہ، گریباں، بادِ صبا، آمد، گوشۂ عزلت

- **دُنیا:** کبھی کسی سے وفا نہیں کرتی۔
- **غم:** غم، آدمی کو انسانیت سکھاتا ہے۔
- **مزاج:** آپ کے مزاج کیسے ہیں؟
- **چمن:** پھول کھلتے ہیں تو چمن مہک اُٹھتا ہے۔
- **خلق:** خلق پریشان تھی کہ اس کا رہنما نہیں پہنچا تھا۔
- **قافلہ:** قافلہ چلتا رہے تو منزل پر پہنچ ہی جاتا ہے۔
- **گریباں:** عاشق کا گریباں چاک تھا اور اُسے خبر نہ تھی۔
- **بادِ صبا:** بادِ صبا چلتی ہے تو چمن میں پھول کھلتے ہیں۔
- **آمد:** آپ کی آمد پر مَیں بہت خوش ہوں۔
- **گوشۂ عزلت:** چھٹی کے روز بھی میں اپنے گوشۂ عزلت میں پڑا رہا، مجھے کوئی ملنے نہ آیا۔

7: مصحفی کی پہلی غزل کے درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

آخر کو ہو کے لالہ اُگا نو بہار میں — خونِ شہیدِ عشق نہ زیرِ زمیں رہا
دی جان ایسے ہوش سے اپنی کہ خلق کو — جینے کا میرے تادمِ آخر یقیں رہا
یارانِ تیز رو تو سب آگے نکل گئے — ان سے میں ننگِ قافلہ پیچھے کہیں رہا

جواب: دیکھیے اشعار کی تشریح۔

8: مصحفی کی دوسری غزل کے مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

پردۂ خاک میں سو سو رہے جا کر افسوس — پردہ رخسار پہ کیا کیا مہِ تاباں لے کر
ابر کی طرح سے کر دیویں گے عالم کو نہال — ہم جدھر جاویں گے یہ دیدۂ گریاں لے کر
پھر گئی سوئے اسیرانِ قفس بادِ صبا — خبرِ آمدِ ایامِ بہاراں لے کر

جواب: دیکھیے، اشعار کی تشریح۔

☆ شعرا اپنے کلام کو زیادہ اثر آفریں اور دلکش بنانے کے لیے الفاظ و معانی کو نئے نئے اور دلچسپ طریقوں سے ادا کرتے ہیں۔ انہیں ادبی اصطلاح میں صنائع بدائع کہتے ہیں۔ صنائع بدائع کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً اگر شعر میں کوئی ایسی وجہ بیان کی جائے جو مبنی بر حقیقت نہ ہو مگر اِس پر یقین کرنے کو جی چاہے تو اسے حُسنِ تعلیل کہا جاتا ہے اور اگر شعر میں ایک دوسرے کے اُلٹ یا متضاد استعمال ہوں تو وہ صنعتِ تضاد ہے۔ آپ مصحفی کی شامل نصاب غزلوں میں سے مراعات النظیر، حُسنِ تعلیل اور صنعتِ تضاد کی ایک ایک مثال دیجیے۔

مراعاۃ النظیر: ؎ باغ وہ دشتِ جنوں تھا کہ کبھی جس میں سے
لالہ و گل گئے ثابت نہ گریباں لے کر

حُسنِ تعلیل: ؎ آخر گو ہو کے لالہ اُگا نو بہار میں
خونِ شہیدِ عشق نہ زیرِ زمیں رہا

صنعتِ تضاد: ؎ یارانِ گرم رو تو سب آگے نکل گئے
ان سے میں ننگِ قافلہ پیچھے کہیں رہا

☆☆☆

مرزا اسداللہ خاں غالب ـــــ (1797ء-1869ء)

شاعر کا تعارف:

اسداللہ خاں غالبؔ عرف نوشہ' پہلے اسدؔ تخلص کیا پھر غالبؔ اختیار کیا۔ ان کے آباؤ اجداد قوم کے ترک تھے جن کی نسل سے مغل پیدا ہوئے مرزا غالب کے زمانے تک مغل بھی اپنے آپ کو خان ہی لکھتے اور کہلواتے تھے۔ ذوقؔ کے بعد غالبؔ' بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے۔ اردو زبان کے جن شاعروں کی عظمت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ میر تقی میرؔ' مرزا غالبؔ اور علامہ محمد اقبالؒ ہیں۔ غالبؔ کے ایک مشہور نقاد ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری نے کہا تھا کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ وید مقدس اور دیوانِ غالب۔ وید مقدس ہندوؤں کی مذہبی کتاب ہے۔ اسی مناسبت سے گویا دیوانِ غالب کو شاعری کی نہایت عظیم کتاب قرار دیا گیا ہے۔ عبدالرحمان بجنوری ان کی شاعری میں تنوع کے قائل ہیں۔ شیخ محمد اکرام' انسانیت کے' حالیؔ ظرافت کے۔ اصل بات یہ ہے کہ غالبؔ سوچنے اور کہنے کی جرأت رکھتے ہیں۔ غالبؔ نے کسی نئی صنفِ سخن کی بنیاد نہیں ڈالی' نہ کوئی نیا موضوع اُردو شاعری کو دیا ہے۔ انہوں نے جو تصرفات کیے وہ معنوی ہیں' انہوں نے شعر و شاعری کی اندرونی دنیا میں انقلاب برپا کیا ہے۔ ان کی خطوط نگاری نے جدید اُردو نثر کی بنیاد ڈالی۔

غالبؔ کا ابتدائی کلام فارسیت زدہ ہے' مگر بعد میں یہ روش ترک کر دی اور سادہ و سلیس انداز میں شعر کہنا شروع کیے۔ غالبؔ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ان کے مرنے کے بعد کیا گیا۔

خصوصیاتِ کلام میں جدت و ندرت' فکر و فلسفہ' رجائیت پسندی' پہلوداری' آفاقی لہجہ' طنز و مزاح' حسن و عشق' خلوص' آزادیٔ رائے' خود اعتمادی' زندگی گزارنے کا حوصلہ اور زندگی کا عرفان نمایاں ہے۔

1۔ غزل ـــــ مرزا اسداللہ خاں غالب

شعر 1: بس کہ دُشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ بس کہ: چونکہ ○ دُشوار: مشکل

مفہوم: آسان سے آسان کام بھی مشکل ہوتا ہے۔ ہر آدمی انسانیت کے رُتبے پر فائز نہیں ہوتا۔

تشریح: غزل کے مطلع میں غالبؔ نے ایک اچھوتا اور نرالا خیال پیش کیا ہے کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کام کتنا ہی

حُسنِ تعلیل: ؎ آخر گو ہو کے لالہ اُگا نو بہار میں
خونِ شہیدِ عشق نہ زیرِ زمیں رہا

صنعتِ تضاد: ؎ یارانِ گرم رو تو سب آگے نکل گئے
ان سے میں ننگِ قافلہ پیچھے کہیں رہا

☆☆☆

مرزا اسداللہ خاں غالب ـــــ (1797ء-1869ء)

شاعر کا تعارف:

اسداللہ خاں غالبؔ عرف نوشہ' پہلے اسدؔ تخلص کیا پھر غالبؔ اختیار کیا۔ ان کے آباؤ اجداد قوم کے ترک تھے جن کی نسل سے مغل پیدا ہوئے مرزا غالب کے زمانے تک مغل بھی اپنے آپ کو خان ہی لکھتے اور کہلواتے تھے۔ ذوقؔ کے بعد غالبؔ' بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے۔ اردو زبان کے جن شاعروں کی عظمت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ میر تقی میرؔ' مرزا غالبؔ اور علامہ محمد اقبالؒ ہیں۔ غالبؔ کے ایک مشہور نقاد ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری نے کہا تھا کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ وید مقدس اور دیوانِ غالب۔ وید مقدس ہندوؤں کی مذہبی کتاب ہے۔ اسی مناسبت سے گویا دیوانِ غالب کو شاعری کی نہایت عظیم کتاب قرار دیا گیا ہے۔ عبدالرحمان بجنوری ان کی شاعری میں تنوع کے قائل ہیں۔ شیخ محمد اکرام' انسانیت کے' حالیؔ ظرافت کے۔ اصل بات یہ ہے کہ غالبؔ سوچنے اور کہنے کی جرأت رکھتے ہیں۔ غالبؔ نے کسی نئی صنفِ سخن کی بنیاد نہیں ڈالی' نہ کوئی نیا موضوع اُردو شاعری کو دیا ہے۔ انہوں نے جو تصرفات کیے وہ معنوی ہیں' انہوں نے شعر و شاعری کی اندرونی دنیا میں انقلاب برپا کیا ہے۔ ان کی خطوط نگاری نے جدید اُردو نثر کی بنیاد ڈالی۔

غالبؔ کا ابتدائی کلام فارسیت زدہ ہے' مگر بعد میں یہ روش ترک کر دی اور سادہ و سلیس انداز میں شعر کہنا شروع کیے۔ غالبؔ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ان کے مرنے کے بعد کیا گیا۔

خصوصیاتِ کلام میں جدت و ندرت' فکر و فلسفہ' رجائیت پسندی' پہلوداری' آفاقی لہجہ' طنز و مزاح' حسن و عشق' خلوص' آزادیٔ رائے' خود اعتمادی' زندگی گزارنے کا حوصلہ اور زندگی کا عرفان نمایاں ہے۔

1۔ غزل ـــــ مرزا اسداللہ خاں غالب

شعر 1: بس کہ دُشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ بس کہ: چونکہ ○ دُشوار: مشکل

مفہوم: آسان سے آسان کام بھی مشکل ہوتا ہے۔ ہر آدمی انسانیت کے رُتبے پر فائز نہیں ہوتا۔

تشریح: غزل کے مطلع میں غالبؔ نے ایک اچھوتا اور نرالا خیال پیش کیا ہے کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کام کتنا ہی

آسان کیوں نہ ہو۔ وہ انتہائی مشکل ہوتا ہے' جب تک اس کے لیے کوشش نہ کی جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے آدمی اور انسان کے سراپا میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن اگر انسانیت موجود نہ ہو تو آدمی انسان نہیں بنتا۔ اکثر لوگ حیوانوں جیسی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انسانیت نام کی کوئی چیز ان میں نہیں ہوتی۔ مولانا روم ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''چراغ لے کر تمام شہر میں پھرا کوئی انسان نظر نہ آیا۔'' ہمارے اردگرد لوگوں کی بڑی بھیڑ ہے' چہل پہل ہے' شہر آباد ہیں لیکن یہ کیسے عجیب لوگ ہیں کہ ان میں، محبت احترام، احساس اور باہمی تعلق نام کا کوئی عمل نہیں ہے۔ بھائی بھائی کا دُشمن' دوست دوست کی عزت کا لٹیرا ہے۔ انسان تو انسانیت کی خصوصیات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات عطا فرما کر دنیا میں بھیجا ہے لیکن انسان اب درندہ بن کر رہ گیا:

؎ آہ یہ انسانوں کی بستی آہ کہاں انسان
چلتے پھرتے سایوں سے ہیں بام و در آباد

مولانا الطاف حسین حالی نے اس شعر کی یوں تشریح کی ہے:

''بادی النظر میں (بظاہر دیکھنے میں) یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو بالکل اچھوتا خیال ہے دعویٰ یہ ہے کہ دنیا میں آسان سے آسان کام بھی دُشوار ہے اور دلیل یہ ہے کہ آدمی جو عین انسان ہے۔ اس کا بھی انسان بننا مشکل ہے۔''

؎ فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

شعر 2: وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیراں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ وائے: افسوس' (کلمہ تاسف) ایسا کلمہ جو اظہارِ مصیبت یا رنج والم کے موقع پر زبان پر آجاتا ہے ○ **دیوانگیٔ شوق:** عشق کا سودا۔

مفہوم: میں اپنے عشق پر افسوس کا اظہار کرنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں؟ جو ہر وقت مجھے مجبور کر کے محبوب کی طرف لے جاتا ہے۔ وہاں جا کر میں سراپا حیران ہو جاتا ہوں۔

تشریح: غالبؔ اپنے اِس شعر میں اپنے عشق سے پیدا ہونے والی بے قراری اور دیوانگی کا ذکر کرتے ہیں کہ عشق مجھے مجبور کر کے بار بار محبوب کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی دونوں عشق مراد لیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر دو صورتوں میں عاشق کے دِل میں ایک ہی جذبہ رہ جاتا ہے کہ محبوب کے گلی کوچے کی طرف جائے اور محبوب کا دیدار کرے، اُسے دنیا کے اور بھی بہت سے کام ہوتے ہیں لیکن اُس کے قدم اسے غیر ارادی طور پر خود بخود محبوب کی طرف لے جاتے ہیں، جب وہاں پہنچتا ہے تو ذرا ہوش میں آنے کے بعد اپنے آپ کو محبوب

کے پاس پا کر حیران ہوتا ہے کہ میں تو کہیں اور جانے کو گھر سے نکلا تھا۔ یہاں کیسے پہنچ گیا؟ حیرانی کی ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے کہ محبوب کے بے پناہ حُسن کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

مولانا حالی نے اسے صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ''مقامِ حیرت'' قرار دیا ہے۔ محبوب کا جلوہ دیکھ کر عاشق ساقط و جامد ہو کر رہ جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی تجلّی کو دیکھ کر سمندر بھی حیرانی سے کھڑا ہے۔

؎ حیران ہے کس کا جو سمندر
مدت سے رُکا ہوا کھڑا ہے

شعر 3: عشرتِ قتل گہ اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **عشرت:** خوشی، شادمانی، عیش ○ **قتل گہ:** وہ جگہ جہاں قتل کیا جاتا ہے۔ مقتل ○ **اہلِ تمنا:** اہلِ عشق، جنہیں محبوب پر قربان ہو جانے کی تمنا ہوتی ہے ○ **عیدِ نظارہ:** نگاہ کی عید یعنی انتہائی خوشی اور شادمانی کا نظارہ ○ **شمشیر کا عریاں ہونا:** تلوار کو میان سے نکالنا

مفہوم: اہلِ تمنا یا عاشقوں کو مقتل میں پہنچ کر بڑی خوشی ہوتی ہے، جب ان کا سر قلم کرنے کو تلوار میان سے نکالی جاتی ہے۔ تو ان کے لیے وہ تلوار عید کا چاند بن جاتی ہے۔

تشریح: عام لوگوں کو موت سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ وہ ہر اُس مقام سے دُور بھاگتے ہیں، جہاں انہیں یہ احتمال ہو کہ ادھر جانے سے ان کو قتل کر دیا جائے گا یا وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے لیکن عاشق لوگ جنہیں اپنے محبوب پر جان قربان کرنے کی بے حد تمنا ہوتی ہے۔ وہ بڑی محبت اور شوق سے مقتل کی طرف جاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں:

؎ جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

چنانچہ محبوب پر قربان ہونے کے لیے جب میان سے تلوار نکالی جاتی ہے اور قتل کرنے کے لیے جب اسے بلند کیا جاتا ہے تو عاشق کی نظر کے لیے وہی منظر پیدا ہو جاتا ہے جو عام لوگوں کے لیے عید کا منظر ہوتا ہے۔ عاشق کے لیے تلوار تلوار نہیں رہتی بلکہ عید کا چاند بن جاتی ہے۔ چاند اور عریاں تلوار کے خم میں مشابہت ہے۔ محبوب کے ہاتھ سے قتل ہونے کو عاشق لوگ عشق کی معراج سمجھتے ہیں۔ محبوب پر قربان ہونا عاشق کے لیے باعثِ سعادت ہے۔ اس لیے محبوب کی تلوار کے نیام سے نکلنے کا مطلب عید کا چاند طلوع ہونا ہے۔ محبوب کی راہ میں قتل ہونا، محبوب سے ملاقات کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے اللہ کی راہ میں شہید ہونا خوشی سے قبول کیا۔ غازی علم الدین شہید کا ناموسِ رسالتؐ پر قربان ہونا ان کے لیے عید سے کم نہیں تھا۔

عشقِ مجازی میں بھی جب محبوب تیغ بکف، رقیب کی طرف جا رہا ہو تو عاشق کی غیرت جوش میں آتی ہے

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تیری غیرت کو کیا ہوا

شعر4: لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بہ صد رنگِ گلستاں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **داغِ تمنائے نشاط:** خوشی کی تمنا پوری نہ ہونے کا داغ ○ **بہ صد رنگِ گلستاں ہونا:** باغ کی طرح سو سو رنگوں میں نکھرنا' یعنی سو سو طرح سے خوش ہونا' باغ باغ ہونا اور شاد کام ہونا ○ **گلستاں ہونا:** بے پناہ خوش ہونا۔

مفہوم: اے محبوب! ہم تو خوشی حاصل کیے بغیر اس کا داغ دِل پر سجا کر قبر میں جا سوئے ہیں۔ اب تو جس طرح مرضی ہے خوش ہو۔ ایک باغ کی طرح خوشی کے سو رنگ پھولوں سے اپنے دِل کو سجا۔

تشریح: اُردو شاعری کا روایتی عاشق اپنے محبوب سے کبھی شاد کام نہیں ہوا۔ روایتی محبوب اپنے عاشق کی تمنا پوری نہیں کرتا۔ عاشق کو ہمیشہ اس سے شکایت ہی رہی۔ عاشق محبوب پر سو سو طرح سے جان دیتا ہے مگر مرتے دم تک محبوب اپنا دیدار کروانا بھی پسند نہیں کرتا۔ محبوب نے عاشق کے دِلی جذبات کی قدر نہ کی اور اسے ناخوش اور نامراد ہی رکھا۔ اب عاشق یہ کہہ رہا ہے کہ اے میرے محبوب! ہم تو ساری عمر نامراد ہی رہے ہماری کوئی ایسی خواہش اور تمنا پوری نہ ہوئی جس کا تعلق تمہاری ذات سے تھا۔ ہم اپنی ہر آرزو کے پورا نہ ہونے کا داغ لے کر قبر میں جا سوئے ہیں۔ اب تمہارے سامنے میری کوئی خواہش اور تمنا نہ ہوگی جس کے پورا ہونے میں مجھے تو خوشی ہو اور تو رنجیدہ ہو چونکہ میری ہر تمنا تمہیں رنجیدہ کرتی ہے۔ اب جبکہ میں اس دُنیا میں نہیں ہوں تو تم جس طرح چاہے اپنے آپ کو خوش کرو' باغ باغ ہو جاؤ۔

شعر5: عشرتِ پارۂ دل' زخمِ تمنا کھانا
لذتِ ریشِ جگر' غرقِ نمکداں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **عشرت:** عیش و نشاط' خوشی' شادمانی' مسرت ○ **پارۂ دل:** دِل کا ٹکڑا مراد ہے دِل ○ **زخمِ تمنا کھانا:** آرزو پوری نہ ہونے کا زخم' ناکامی کی اذیت برداشت کرنا ○ **لذتِ ریشِ جگر:** جگر کے زخم کا مزا ○ **غرقِ نمکداں ہونا:** نمکدان میں ڈالنا' یعنی زخم پر خوب نمک چھڑکنا۔

مفہوم: دِل کے ٹکڑے کی خوشی یہ ہے کہ اس پر تمنا کے زخم لگتے رہیں اور جگر کے زخم کو مزا تب ملتا ہے جب اس پر خوب نمک چھڑک دیا جائے۔

تشریح: عشق و محبت بڑی نرالی کیفیت کا نام ہے۔ غالبؔ نے ایک عاشقِ صادق کے دِل و جگر پر لگنے والے زخموں اور اِن زخموں سے پیدا ہونے والی لذت کو موضوع بنایا ہے۔ زخم ہر شخص کے لیے دُکھ' درد اور کرب کا باعث ہوتا ہے۔ کسی بھی زخم پر اگر نمک چھڑکا جائے تو تکلیف میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے لیکن جب زخم مسلسل

ہرار ہے؛ ٹھیک ہونے میں نہ آئے تو عاشق اس میں بھی لذت محسوس کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ جب زخم ٹھیک ہونے لگے اور زخم پر انگور آ جائے تو آدمی اُسے بھی کُریدنے میں مزا محسوس کرتا ہے۔ خاص طور پر ایک عاشق عالم دیوانگی میں اپنے جسم پر زخم کر لیتا ہے۔ وہ جس کی یاد میں زخم کرتا ہے اس زخم کو اِس کی عطا سمجھتا ہے۔ اس لیے اسے اس زخم سے بھی بہت پیار ہوتا ہے۔ وہ اس زخم کو مندمل نہیں ہونے دیتا۔ غالبؔ ہی کا ایک اور شعر ہے:

؎ دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

عشق دراصل آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے اور عشق کے لگائے زخموں سے لذت حاصل کرنے کے لیے جس ذوق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے برداشت کرنے اور لذت حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ایک لمبی عمر درکار ہوتی ہے۔

حضرت بلالؓ، حضرت اویسؓ قرنی اور غزوات کے غازیوں کو عشق کے اِن زخموں سے جو لذت حاصل ہوئی، شہدا کو جو زخم لگے اور شہادت کے وقت دیدارِ الٰہی نصیب ہوا۔ اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے لیکن وہاں تک پہنچنے کے لیے محنت اور تربیت پانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مولانا حالیؔ کہتے ہیں:

؎ اِک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

شعر 6: کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ جفا: ظلم و ستم، جور ○ زود پشیماں: بہت جلد پچھتانے والا۔

مفہوم: محبوب نے مجھے قتل کرنے کے بعد جفا سے توبہ کر لی، مجھے مار ڈالنے کے بعد اُس نے ظلم ڈھانے سے توبہ کی، ہائے اس نے کتنی جلدی توبہ کی۔

تشریح: غالبؔ نے اِس شعر میں محبوب کی ستم شعاریوں کا ذکر کر کے اور عاشق کو جان سے مار ڈالنے کے بعد توبہ کرنے کا ذکر کر کے دو باتوں کا اظہار کیا ہے۔ پہلی بات یہ کہ محبوب کے ظلم و ستم کے سلسلے میری ذات تک محدود تھے۔ اس نے زندگی بھر مجھے مشقِ ستم کا نشانہ بنایا میں تو ثابت قدم رہا۔ اپنی بے پناہ وفاداری کا ثبوت پیش کیا اس نے قتل کرنا چاہا میں نے سرِ تسلیم خم کیا۔ میرے قتل کے بعد اِس نے جفا کرنے سے توبہ کر لی۔ یہاں غالبؔ طنزاً کہہ رہے ہیں کہ دیکھو اس نے کس قدر جلد توبہ کی کہ جب میں ہی اس دنیا میں نہ رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ جفا جاری رکھتا تو میرے مرنے کے بعد رقیبوں کی باری آتی تھی۔ مَیں تو وفا میں پورا اُترا البتہ رقیبوں کی وفاداری کی آزمائش نہ ہو سکے گی۔ عاشق تو محبوب کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا اور اپنی جان دے دی۔ اب رقیبوں پر محبوب کے لطف و کرم اور عنایتوں کی بارش ہوگی۔ حالانکہ ان کا صرف عاشق حقدار تھا۔

شعر میں محبوب کے ''زدوپشیماں'' ہونے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے' جس کا عاشق کو فائدہ نہیں پہنچا۔ بقول مومن:

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

شعر 7: حیف اُس چارگرہ کپڑے کی قسمت' غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ حیف: افسوس ○ گریباں: لباس کا وہ حصہ جو گلے سے شروع ہو کر نیچے لٹکتا رہتا ہے

مفہوم: وہ چارگرہ کپڑا جس سے عاشق کا گریبان بنایا گیا ہو۔ اس کی قسمت پر افسوس ہے کہ وہ بار بار پھاڑا جاتا رہے گا۔ سلامت نہیں رہے گا۔

تشریح: لمبائی کے موجودہ پیمانے میں ایک چوتھائی میٹر سے بھی کم وہ کپڑا جس سے کسی عاشق کا گریبان بنایا جائے۔ اُس کی قسمت پر غالبؔ افسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عاشق اپنا گریبان کبھی سلامت نہیں رہنے دیتا۔ عشق اختیار کرنے والے کو اپنے ماحول بلکہ اپنے وجود میں بھی گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ وہ اس گھٹن سے نکل بھاگنا چاہتا ہے۔ وہ کسی پابندی کو برداشت نہیں کرتا۔ اس گھٹن سے نجات پانے کا اسے ایک ہی راستہ نظر آتا ہے کہ وہ اپنا گریباں چاک چاک کرتا رہتا ہے۔ چارہ گر بے شک عمر بھر رفو کرتے رہیں لیکن اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ عاشق نے گریبان کو تار تار کرتے ہی رہنا ہے۔ غالبؔ کو اسی چارگرہ کپڑے کی قسمت پر افسوس ہے کہ وہ جسم ڈھانپنے کے کام نہیں آ سکتا۔ مہذب لوگ اپنا سینہ بھی ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ اس پر بٹن لگاتے ہیں لیکن عاشق تہذیب کی اس روش اور پابندی سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ اپنا گریبان سلامت نہیں رہنے دیتا یہی اُس کی عشق کے علامت بنتا ہے۔ اس عشق کی علامت کی نذر تو وہ کپڑا ہی ہوگا جس سے عاشق کا گریبان بنایا جائے گا۔

2۔ غزل ـــــ مرزا اسد اللہ خاں غالب

شعر 1: کسی کو دے کے دِل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دِل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ دل دینا: عاشق ہونا' محبت ہونا' دل آنا ○ نواسنج فغاں: فریاد کرنے والا۔

مفہوم: جب کسی کو دِل دے دیا جائے تو اس کے نتیجے میں پیش آنے والی مصیبتوں کی شکایت کرنے کا کیا مطلب؟ دِل دینے کے بعد آہ وفغاں کرنا بے معنی ہے۔

تشریح: غالبؔ غزل کے اِس مطلع میں ایک عاشق کی بنیادی خصوصیات میں سے صبر وضبط کی شرط کا ذِکر کرتے ہیں کہ عاشق کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات' مصائب اور آلام کا مقابلہ صبر وضبط سے کرے۔ عاشق کے پہلو میں اس کا دِل موجود نہیں کیونکہ وہ تو اِس نے محبوب کو دے دیا ہے۔ دِل موجود نہ ہو تو پھر دُکھ درد کا

شعر میں محبوب کے ''زدوپشیماں'' ہونے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے' جس کا عاشق کو فائدہ نہیں پہنچا۔ بقول مومن:

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

شعر 7: حیف اُس چارگرہ کپڑے کی قسمت' غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ حیف: افسوس ○ گریباں: لباس کا وہ حصہ جو گلے سے شروع ہو کر نیچے لٹکتا رہتا ہے

مفہوم: وہ چارگرہ کپڑا جس سے عاشق کا گریبان بنایا گیا ہو۔ اس کی قسمت پر افسوس ہے کہ وہ بار بار پھاڑا جاتا رہے گا۔ سلامت نہیں رہے گا۔

تشریح: لمبائی کے موجودہ پیمانے میں ایک چوتھائی میٹر سے بھی کم وہ کپڑا جس سے کسی عاشق کا گریبان بنایا جائے۔ اُس کی قسمت پر غالبؔ افسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عاشق اپنا گریبان کبھی سلامت نہیں رہنے دیتا۔ عشق اختیار کرنے والے کو اپنے ماحول بلکہ اپنے وجود میں بھی گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ وہ اس گھٹن سے نکل بھاگنا چاہتا ہے۔ وہ کسی پابندی کو برداشت نہیں کرتا۔ اس گھٹن سے نجات پانے کا اسے ایک ہی راستہ نظر آتا ہے کہ وہ اپنا گریباں چاک چاک کرتا رہتا ہے۔ چارہ گر بے شک عمر بھر رفو کرتے رہیں لیکن اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ عاشق نے گریبان کو تار تار کرتے ہی رہنا ہے۔ غالبؔ کو اسی چارگرہ کپڑے کی قسمت پر افسوس ہے کہ وہ جسم ڈھانپنے کے کام نہیں آ سکتا۔ مہذب لوگ اپنا سینہ بھی ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ اس پر بٹن لگاتے ہیں لیکن عاشق تہذیب کی اس روش اور پابندی سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ اپنا گریبان سلامت نہیں رہنے دیتا یہی اُس کی عشق کے علامت بنتا ہے۔ اس عشق کی علامت کی نذر تو وہ کپڑا ہی ہوگا جس سے عاشق کا گریبان بنایا جائے گا۔

2۔ غزل ـــــ مرزا اسد اللہ خاں غالب

شعر 1: کسی کو دے کے دِل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دِل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ دل دینا: عاشق ہونا' محبت ہونا' دل آنا ○ نواسنج فغاں: فریاد کرنے والا۔

مفہوم: جب کسی کو دِل دے دیا جائے تو اس کے نتیجے میں پیش آنے والی مصیبتوں کی شکایت کرنے کا کیا مطلب؟ دِل دینے کے بعد آہ وفغاں کرنا بے معنی ہے۔

تشریح: غالبؔ غزل کے اِس مطلع میں ایک عاشق کی بنیادی خصوصیات میں سے صبر وضبط کی شرط کا ذِکر کرتے ہیں کہ عاشق کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات' مصائب اور آلام کا مقابلہ صبر وضبط سے کرے۔ عاشق کے پہلو میں اس کا دِل موجود نہیں کیونکہ وہ تو اِس نے محبوب کو دے دیا ہے۔ دِل موجود نہ ہو تو پھر دُکھ درد کا

احساس کیوں ہو جب دُکھ درد کا احساس نہ ہو تو ہائے ہائے کرنے یا دُکھ کا اظہار کرنے کا کیا مطلب؟ ''دِل دینا'' کو اگرچہ معنوی انداز میں لیا جاتا ہے لیکن شاعر نے یہاں دِل دینا کو دِل دے ہی دینا کے معنوں میں لیا ہے، جیسے دِل واقعی نکال کر دے دینا۔ اس کا اظہار غالب نے اپنے ایک اور شعر میں یوں کیا ہے۔

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جا کر دِل و جاں اور

گویا دِل اور جان کو جنس سمجھا جا رہا ہے۔ دِل دینا کو غالب نے انہی معنوں میں لیا ہے۔ وہ ایک نو وارد عشق کو مشورہ دے رہے ہیں کہ عشق کی منزلیں بہت کٹھن ہیں۔

غالب کا کہنا یہ ہے کہ عشق اختیار کرو تو تکالیف برداشت کرنے کا حوصلہ بھی پیدا کرو، تکالیف سے گھبرا کر واویلا کرنا عشق کی توہین ہے۔ دل کو درد کا احساس ہوتا ہے، درد سے بلبلا اُٹھتا ہے لیکن جب عاشق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُس نے دِل محبوب کو دے دیا ہے تو پھر درد کا احساس کیوں؟ درد کا احساس ہو تو زبان سے آہ و فغاں نکلتی ہے۔ دل پہلو میں نہیں ہے تو منہ میں زبان کیوں ہے۔ خاموش رہو اور برداشت کرو۔

زخم پہ زخم کھا کے جی اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی عشق ہے دِل لگی نہیں

شعر 2: وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سُبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

مشکل الفاظ کے معانی: ○ خو: فطرت، عادت، خصلت، ڈھنگ، چلن ○ وضع: شکل وصورت، حلیہ، ظاہری حالت، طور طریق ○ سبک سر: کم حوصلہ، بے عزت، بے وقار، اوچھا ○ سرگراں: خفا، ناراض، ناخوش

مفہوم: محبوب، ہم سے ناراض ہونے کی عادت نہیں چھوڑ سکتا۔ تو ہم بھی اپنی وضع داری چھوڑ کر اپنے آپ کو بے وقار کر کے یہ نہیں پوچھیں گے کہ اے محبوب ہم سے خفا کیوں ہو؟

تشریح: مرزا غالب اپنے اس شعر میں محبوب کے خفا ہونے کی عادت کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محبوب جو اپنے حُسن و جمال کے نشے میں مست ہے، اُسے چاہنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ اس لیے وہ خفا بھی جلدی ہو جاتا ہے اکثر اوقات ایسی معمولی باتوں پر خفا ہو جاتا ہے کہ عاشق کو پتا بھی نہیں چلتا۔ ہاں محبوب کی طرف سے خفگی اور ناراضی کا اظہار ضرور ہوتا رہتا ہے۔ عاشق کو دیکھ کر منہ پھیر لینا یا ماتھے پر بل ڈالنا، بات کا جواب نہ دینا اس کا معمول بن گیا ہے۔ وہ اپنی عادت نہیں چھوڑتا۔ عاشق، محبوب کے حُسن سے کتنا ہی متاثر اور اس پر فریفتہ کیوں نہ ہو اس کی وضع داری اور عزتِ نفس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھی اپنے آپ کو اپنے رُتبے اور درجے سے نہ گرائے۔ عاشق ایسا گرا پڑا بھی نہیں ہے۔ وہ زندگی گزارنے کا سلیقہ جانتا ہے۔ حوصلہ مند ہے اپنے عشق کی قدر و منزلت جانتا ہے۔ وہ کوئی گھٹیا انداز اختیار کر کے محبوب سے کیوں پوچھے کہ جنابِ والا! آپ مجھ سے ناراض کیوں

ہیں؟ بقول پروفیسر محمد اشرف خان شرف

؎ خوددار تھے وہ، خوددار ہیں ہم، وہ آ نہ سکے ہم جا نہ سکے
اِک عمر کٹی اور مٹ نہ سکیں ماتھے کی شکستہ تحریریں

شعر3: کیا غمخوار نے رُسوا، لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **غمخوار:** ہمدرد، دُکھ، درد، رنج و راحت کا شریک ○ **رسوا:** بدنام، ذلیل، خوار، بے عزت ○ **لگے آگ:** بددُعا ہے، جل جائے، تباہ ہو جائے، اُجڑ جائے۔

مفہوم: میرے غمخوار نے میری محبت کی تھوڑی سی کیفیت سنی تو بے قراری میں آ کر سب کے سامنے میرے عشق کا راز فاش کر دیا۔ اس طرح میں بدنام ہو کر رہ گیا۔ ایسے رازدان شخص کا کیا فائدہ جس کی بے قراری نے مجھے نقصان پہنچایا۔

تشریح: غزل کے اس شعر میں غمخوار ساتھی کی ناسمجھی سے شاعر کو پہنچنے والے نقصان کا ذکر کیا گیا ہے۔ غالب کو عشق میں پہنچنے والی تکالیف کا احساس کر کے اس کے ہمدرد رازداں نے بے قرار ہو کر اس کی محبت کا راز لوگوں کے سامنے فاش کر دیا۔ شاعر تو اپنی محبت کو ایک راز بنا کر سینے میں دفن کیے بیٹھا تھا۔ بیمارِ محبت تھا، اس کے ہمدرد رازداں کو جب اس کی طبیعت کی ناسازی یعنی عشق میں پیدا ہونے والی کیفیت کا پتہ چلا تو وہ بے قرار ہو کر آیا اور لوگوں کے سامنے اِس کی محبت کا راز فاش کر دیا۔ غالب کہتا ہے کہ اُس کی ایسی محبت، ایسی ہمدردی کو آگ لگے کہ میرے راز کو راز نہ رکھ سکا، مجھے ایسے رازداں کی کیا ضرورت، جو مجھے فائدہ پہنچانے کے بجائے نقصان پہنچا دے۔ ایسا کم ظرف اور غیر متحمل مزاج آدمی میرا رازداں کیوں ہو۔ مَیں اس کو اپنا رازداں بنانے کو تیار نہیں۔ گویا ایسے بیوقوف دوست کی مجھے ضرورت نہیں۔ بھاڑ میں جائے اِس کی محبت، ہمدردی اور غمخواری۔ شعر کا غور طلب پہلو یہ ہے کہ شاعر خود تو ہر مصیبت خاموشی سے برداشت کر رہا تھا لیکن نادان رازداں کی حرکت نے شاعر کے ساتھ محبوب کو بھی رُسوا کیا جو شاعر کے لیے انتہائی ناراضی کا باعث ہوا۔ دوسرا مصرع غمخوار کی مذمت میں کہا گیا ہے۔

شعر4: یہ کہ سکتے ہو ہم دِل میں نہیں ہیں، پر یہ بتلاؤ
کہ جب دِل میں تمہی تم ہو، تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **نہاں:** چھپا ہوا، اوجھل، پوشیدہ

مفہوم: اے محبوب! تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم ہمارے دِل میں موجود نہیں ہو، جب دِل میں صرف تمہی تم ہو تو پھر ہمیں یہ بتاؤ کہ تم ہماری آنکھوں سے اوجھل کیوں ہو۔

تشریح: مرزا غالب اپنے اس شعر میں سوالیہ انداز اختیار کرتے ہوئے اپنے بارے میں اپنے محبوب سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میرے دل میں تم نہیں ہو؟ یعنی تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم میرے دل میں موجود نہیں ہو۔

ایسے سوالیہ انداز کو استفہامِ انکاری کہتے ہیں۔ یہ انداز اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ مَیں جو سوال پوچھوں گا' اس کا جواب دینے والا وہ جواب دے گا' جو مَیں سننا چاہتا ہوں گویا عاشق کو اپنی محبت اور محبت کے سلسلوں میں اُٹھائی جانے والی تکلیفوں کی وجہ سے یقین ہے کہ محبوب اس بات سے واقف ہے کہ مَیں صرف اسی سے محبت کرتا ہوں میرے دِل میں محبوب کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ اس لیے وہ محبوب سے سوال کرتا ہے کہ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میرے دِل میں صرف تم نہیں ہو؟ جب اِس بات کا جواب اثبات میں ہے تو پھر مجھے یہ بتاؤ کہ محبت کی یہ کونسی ادا ہے۔ عاشق کے دِل میں جب صرف ایک ہی محبوب ہے تو محبوب نے اپنے آپ کو عاشق کی نظروں سے اوجھل کیوں رکھا ہوا ہے۔ میری آنکھوں کو اپنے حُسن کے جلووں سے فیضیاب کرو۔ بقول شاعر:

؎ جو مری آنکھ کے پردوں میں نہاں رہتا ہے
پوچھتا پھرتا ہوں وہ شخص کہاں رہتا ہے

شعر 5: یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے' دُشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **فتنہ**: فساد' جھگڑا' چالاکی' شرارت ○ **خانہ ویرانی**: گھر کی بربادی

مفہوم: تمہارا کسی پر مہربان ہونا کسی فتنے سے کم نہیں' تمہاری دوستی میرے گھر کی بربادی کے لیے کافی ہے۔ تم جس کے دوست بن جاؤ۔ اُس کی دُشمنی کے لیے آسمان کو دُشمن ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

تشریح: مرزا غالب اس شعر میں محبوب کی دوستی کو اپنے گھر کی بربادی کا موجب قرار دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم وہ فتنہ و فساد ہو جس کے ہوتے ہوئے آسمان کو آدمی کے ساتھ دُشمنی کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا گھر برباد کرے۔ کہا جاتا ہے کہ آسمان' انسان کا دُشمن ہے جو لوگوں کی آرزوئیں پوری نہیں ہونے دیتا۔ اسی لیے اچانک نازل ہونے والی مصیبت کو آسمانی مصیبت اور آفت کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ خیال عربی شاعری میں زمانۂ جاہلیت سے چلا آ رہا ہے' جب عربی لٹریچر فارسی زبان میں منتقل ہوا تو یہ خیال فارسی زبان میں استعمال ہونے لگا' فارسی لٹریچر جب اُردو زبان میں منتقل ہوا تو یہی خیال اردو شاعری میں بھی در آیا۔ چنانچہ غالبؔ اس شعر میں جو خیال پیش کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اگرچہ آسمان ہمارا دُشمن ہے وہ کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتا' کسی کی آرزو پوری نہیں ہونے دیتا۔ وہ ایک فتنہ ہے لیکن اُس سے بھی بڑا اور زبردست فتنہ محبوب کی ذات ہے' جس کی محبت' عاشق کی ذات ہی کو نہیں اس کے گھر کو بھی برباد کر دیتی ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ ''اے میرے محبوب تم جس کے دوست بن جاؤ تو گویا وہ دوستی نہیں دُشمنی ہے۔ اِس دُشمنی کے مقابلے میں اِس شخص کے ساتھ آسمان کو دُشمنی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو ہی اُسے اور اُس کے گھر کو برباد کرنے کو کافی ہے۔ محبوب کی محبت اور دوستی میں عاشق کا ذہن صرف ایک خیال پر مرکوز ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسے محبوب کے سوا دُنیا کی کسی چیز اور کسی کام سے دلچسپی نہیں رہتی۔ اسے اپنے مستقبل کی فکر نہیں ہوتی۔

شعر6: یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدُو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ آزمانا: امتحان لینا ○ ستانا: تنگ کرنا ○ عدو: دُشمن۔

مفہوم: جب تم نے میرے رقیب یا دُشمن سے دوستی قائم کر لی تو میری محبت کو آزما کر میرا امتحان کیوں لیتے ہو' خود تم عدو کے محبوب بن گئے ہو اور اپنی اس دوستی کو میری آزمائش قرار دیتے ہو تو بتاؤ تنگ کرنا اور ستانا کسے کہتے ہیں؟

تشریح: غالبؔ اس شعر میں محبوب کا رقیب سے تعلق قائم ہونے پر دل گرفتہ ہی نہیں، غصے کا اظہار بھی کر رہے ہیں۔ محبوب کا تعلق جب تک عاشق کے ساتھ قائم رہتا ہے تو عاشق محبوب کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ جیسے چاہے اپنے ساتھ عاشق کی محبت کو آزمائے، جس طرح چاہے عاشق کا امتحان لے لیکن اگر محبوب عاشق کے رقیب سے دوستی کر لے تو پھر محبوب کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ عاشق سے یہ کہے کہ میں تو تمہاری محبت کو آزما رہا تھا۔ شاعر کہتا ہے کہ اے محبوب! جب تم میرے رقیب ہی کے ہو گئے ہو تو پھر میرا امتحان کیوں؟ اگر اس عمل کو تم مجھے اور میری محبت کو آزمانے کا نام دیتے ہو تو تم خود ہی بتاؤ کہ پھر تنگ کرنا یا ستانا کس عمل کو کہتے ہیں۔ یہاں شاعر کو اس بات کا یقین ہے کہ محبوب بھی یہی کہے گا کہ واقعی اس عمل ہی کو ستانا اور تنگ کرنا کہتے ہیں۔ آزمانے کے لیے ضروری تھا کہ محبوب کا تعلق صرف عاشق کے ساتھ قائم رہتا اس کے سوا کسی اور سے خصوصاً رقیب سے تعلق نہ ہوتا۔ اب تو اُس نے رقیب کے ساتھ دوستی کرنے کا قطعی فیصلہ کر کے اس پر عملدرآمد بھی کر لیا ہے' جب فیصلہ ہو ہی چکا ہے تو یہ آزمائش نہیں بلکہ واقعی دلآزاری ہے۔

شعر7: نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالبؔ
ترے بے مہر کہنے سے' وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ کام نکالنا: مطلب نکالنا ○ بے مہر: بے مروت' بے رحم

مفہوم: اے غالبؔ! کیا اب تو اپنے محبوب کو بے مروت کہہ کر اپنا مطلب نکالنا چاہتا ہے کہ وہ تجھ پر مہربان ہو جائے' ایسا نہیں ہو سکتا۔

تشریح: غالبؔ انسانی نفسیات کا بڑا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ یہ ایک فطری سی بات ہے کہ ہم کسی نکمّے شخص کو نکما ہونے کا طعنہ دے کر لائق نہیں بنا سکتے بلکہ وہ اور بھی نالائقی اور نکما پن دِکھائے گا اور سمجھے گا کہ

ع ہم پہ الزام تو ویسے بھی ہے' ایسے بھی سہی

غالبؔ نے جب اپنے محبوب کو دیکھا کہ وہ کسی صورت اس پر مہربان نہیں ہوتا' بے مروتی' کج ادائی اور بے مہری سے پیش آتا ہے تو وہ اپنے محبوب کو بے مہر ہونے کا طعنہ دیتا ہے۔ غالبؔ اس بات کو سمجھتا ہے کہ جب کسی شخص کو اس کے کسی بھی عمل کا طعنہ دیا جائے تو وہ نفسیاتی طور پر اس عمل پر ڈٹ جاتا ہے۔ اس سے گریز

نہیں کرتا۔ غالبؔ اپنے آپ کو سمجھاتا ہے کہ ایسا کرنے سے محبوب کبھی تم پر مہربان نہیں ہوگا۔

مشقی سوالات

1: مرزا غالب کی دونوں غزلوں میں مطلع اور مقطع کی نشاندہی کیجیے:

پہلی غزل کا مطلع: ؎ بسکہ دُشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

دوسری غزل کا مطلع: ؎ کسی کو دے کے دِل کوئی نواسنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

پہلی غزل کا مقطع: ؎ حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

دوسری غزل کا مقطع: ؎ نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

2: پہلی غزل کے دوسرے شعر میں مرزا غالبؔ کس بات پر حیرانی کا اظہار کر رہے ہیں؟

جواب: دیوانگیٔ شوق میں خود ہی محبوب کی طرف جانا اور خود ہی حیران ہونا۔

ع آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا

3: پہلی غزل کے تیسرے شعر میں اہلِ تمنا کو شمشیر عریاں، ہلال عید کیوں نظر آتی ہے؟

جواب: کیونکہ محبوب پر جان قربان کرنے کی سعادت ملنے کی صورت میں عاشق کو محبوب سے ہمیشہ کا وصل نصیب ہونے کی خوشی ملنے والی ہے۔

4: دوسری غزل کے مطلع میں مرزا غالبؔ زبان پر کوئی حرفِ شکایت لانا پسند نہیں کرتے۔ اس کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: عاشق کے لیے لازم ہے کہ وہ محبوب کی کسی بات پر اعتراض کرے اور نہ کسی تکلیف کی شکایت کرے۔ اگر زبان پر حرفِ شکایت لایا جائے تو یہ عشق کی توہین ہے۔

5: دوسری غزل کے دوسرے شعر میں مرزا غالبؔ اپنی وضع داری پر قائم رہنا چاہتے ہیں۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: محبوب کے خفا ہونے پر اپنے آپ کو بے وقار کر کے پوچھنا نہیں چاہتے کہ اے محبوب! تم خفا کس بات پر ہو؟

6: غزل، علائم و رموز کی زبان ہے یعنی شاعر کچھ علامتوں اور اشاروں کنایوں میں اپنی دلی کیفیات کا اظہار نہایت لطیف پیرائے میں کرتا ہے۔ دوسری غزل کے پانچویں شعر کے حوالے سے بتائیے کہ آسمان سے کیا مراد ہے؟

جواب: آسمان کو عاشقوں کا دُشمن قرار دیا جاتا ہے جو ان کی کوئی آرزو پوری نہیں ہونے دیتا بلکہ لوگوں کو برباد کرتا ہے۔ اس شعر میں مرزا غالب نے محبوب کو آسمان ہی قرار دیا ہے جو عاشق کو برباد ہی کرتا ہے۔

ہوئے تم دوست جس کے، دُشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

7: مندرجہ ذیل تراکیب کے معنی لکھیے:

جواب: ○ **دیوانگیٔ شوق:** جذبۂ جنوں ○ **اہلِ تمنا:** چاہنے والے ○ **زود پشیماں:** جلد پچھتانے والا ○ **پارۂ دل:** دل کا ٹکڑا' مراد ہے دِل ○ **بہ صد رنگ:** سو رنگوں سے' سو طرح سے ○ **عید نظارہ:** عید نظر آنا یعنی بے پناہ خوشی۔

8: مندرجہ ذیل مصرعوں کو اصل لفظ کی مدد سے مکمل کیجیے۔

(الف)۔ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

(ب)۔ نہ ہو جب دِل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو۔

9: مرزا غالب کی دونوں غزلوں کے دوسرے اور چھٹے شعر کی تشریح کیجیے۔

جواب: دیکھیے اشعار کی تشریح۔

☆ **پہلی غزل میں آساں' انساں' حیراں' عریاں' گلستاں' نمکداں' پشیماں اور گریباں ہم آواز الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ انہیں شعری اصطلاح میں کیا نام دیا جاتا ہے۔**

جواب: قافیے (قوافی)

☆ **دوسری غزل میں ''کیوں ہو'' کے الفاظ ہر شعر کے آخر میں دُہرائے گئے ہیں اسے شعری اصطلاح میں کیا کہا جاتا ہے۔**

جواب: ردیف۔

☆ **مندرجہ ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔**

○ **خاک میں لے جانا:** بُرے دوستوں کی صحبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج رئیس کو بھی پولیس پکڑ کر لے گئی یوں وہ اپنے باپ کی عزت کو بھی خاک میں لے گیا۔

○ **گلستاں ہونا:** عاشق کے لیے محبوب کا دیدار ہی گلستاں ہونا ہے۔

○ **زخم کھانا:** باپ کے مرنے کا زخم ابھی تازہ تھا کہ بیٹے کی موت کی صورت میں اسلم نے ایک اور زخم کھایا۔

○ **منہ میں زباں نہ ہونا:** عاشق لوگ اپنے محبوب کے کسی ستم پر فریاد نہیں کرتے کیونکہ جب پہلو میں دِل نہ رہے تو منہ میں زبان نہیں ہوتی۔

○ **آگ لگنا:** i۔ اپنے خلاف غزالہ کی باتیں سُن کر میرے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

ii۔ دوست کی ایسی حمایت کو آگ لگے جس سے آدمی رُسوا ہو جائے۔

○ **تاب نہ لانا:** حادثے میں زخمی ہونے والا مسافر زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔

○ **آنکھوں سے نہاں ہونا:** کسی چیز کی اچانک ضرورت پڑ جائے اور اسے ڈھونڈنے لگیں تو جلد بازی میں عام طور پر وہ آنکھوں سے نہاں رہتی ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ ـــــ (1877ء-1938ء)

شاعر کا تعارف: ایف۔اے سیالکوٹ سے، بی۔اے گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا۔ انگلینڈ سے گریجویشن اور بار ایٹ لا کی ڈگری اور جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے فلسفۂ ایران کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، پھر لندن میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ لندن یونیورسٹی میں پروفیسر ٹامس آرنلڈ کے قائم مقام کے طور پر چھ ماہ عربی کے پروفیسر رہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر رہے، پھر وکالت شروع کی اور اُس کے بعد سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔

علامہ اقبالؒ نے جس دَور میں شاعری کا آغاز کیا وہ مسلمانوں کی انتہائی پستی اور علمی انحطاط کا دَور تھا۔ قومی اور ملّی زندگی میں مسلمان بہت پستی کا شکار تھے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی بصیرت اور وسعت نظری سے قوم کی رہنمائی کی۔ انہوں نے اپنی شاعری کو بزم آرائی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ قوم کے لیے دردمندانہ پیغام اور مجاہدانہ درسِ عمل کا ذریعہ بنایا۔ ان کے ہاں شکوہ بیان، عظمتِ انسانی، تہذیبِ مغرب پر تنقید، مردِ مومن کا تصور ملتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اسلامی اور قومی شاعر ہیں انہیں آفاقی شاعر بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے شاعری کو عقل، عشق، جنوں، فقر، ذوق وشوق جیسی فلسفیانہ اصلاحات سے سجایا۔ انہوں نے قوم کو خودی کا درس دے کر آزادی کا احساس دلایا۔ اخوت ومساوات اور بالغ نظری عطا کی۔ ان کے رجائی لہجے نے ملتِ اسلامیہ میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دی۔ دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے والے نام نہاد مسلمانوں کو درِ رسولِ اقدسؐ پر لا کھڑا کیا۔

؎ سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

علامہ اقبالؒ کے افکار نے تحریکِ پاکستان میں ایک رہبر کا کردار ادا کیا۔ قائداعظمؒ کے نام خطوط اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ انہوں نے قدم قدم پر بابائے قوم کو مفید مشورے دیئے۔ پاکستان کے قیام کا تصور اُمتِ مسلمہ کے ساتھ اخلاص کا مظہر ہے۔

1۔ غزل ـــــ علامہ محمد اقبالؒ

شعر 1: جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **خود آگاہی:** اپنی پہچان، اپنی صلاحیتوں کی پہچان، اپنی خودی کی پہچان ○ **کھلنا:** ظاہر ہونا، معلوم ہونا ○ **اسرار:** سر کی جمع، بھید ○ **شہنشاہی:** بادشاہوں پر بھی بادشاہت ○ **اسرارِ شہنشاہی:** بادشاہت کرنے کے بھید، بادشاہی کے آداب، شہنشاہیت کے بھید۔

مفہوم: عشق جب انسانوں کو ان کی خودی کی پہچان کے طریقے سکھا دیتا ہے تو وہ انسان اگر غلام بھی ہوں تو بادشاہی کرنے یا حکومت کرنے کے بھید ان پر ظاہر کر دیتا ہے۔

تشریح: علامہ اقبالؒ کا بنیادی پیغام خودی ہے۔ خودی کے لغوی معنی غرور، گھمنڈ یا تکبر کے ہیں لیکن خودی سے علامہ اقبالؒ کی مراد اپنی ذات کا عرفان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات عطا کر کے دُنیا میں بھیجا ہے۔ انسان جب اِن صفات سے کام لیتا ہے تو کائنات کی ہر شے کی حقیقت انسان کی نگاہوں میں بے نقاب ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے خودی کی تکمیل کے تین مرحلے بیان کیے ہیں۔

1۔ اطاعتِ الٰہی　　2۔ ضبطِ نفس　　3۔ نیابتِ الٰہیہ

پہلے دونوں مرحلے مکمل ہونے پر انسان کو تیسرا درجہ ملتا ہے جب بندے کی زبان خدا کی زبان، بندے کی نگاہ، خدا کی نگاہ بندے کا ہاتھ خدا کا ہاتھ اور بندے کا عمل خدا کا عمل بن جاتا ہے۔

شاعر کا کہنا یہ ہے کہ اپنی خودی کا عرفان حاصل کرو، انسان ''قدر'' اور ''جبر'' کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے، جب وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرتا ہے تو وہ دنیا کی غلامی چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی غلامی میں آ جاتا ہے۔ اللہ کے دَر پہ جھکنے والا، دُنیا کے کسی شخص یا قوت کا غلام نہیں رہتا۔ یہ بات ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں نظر آتی ہے۔ تاریخِ عالم نے دیکھا ہے کہ بدو لوگوں نے دنیا پر یوں حکومت کی کہ بڑی بڑی بادشاہتیں ان کی باج گزار بن کر رہ گئیں۔ گویا ان کی خودی کے عرفان نے انہیں دنیا پر حکومت کرنے کے بھید سکھا دیئے۔

عشق، عاشق کو خودی کے آداب سکھا دیتا ہے۔ تو وہ غلام سے بادشاہ بلکہ بادشاہوں کا بادشاہ بن جاتا ہے۔

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہِ فقیر

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی　　خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش　　خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

شعر 2:　　**عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو**
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **کچھ ہاتھ نہیں آتا:** کچھ نہیں ملتا ○ **بے آہِ سحر گاہی:** صبح کے وقت خدا کی عبادت کے بغیر ○ **عطار:** وہ شخص جو عطر کشید کرے اور فروخت کرے، یہاں نیشاپور ایران کے رہنے والے فارسی کے مشہور صوفی شاعر خواجہ فریدالدین عطار مراد ہیں جو چھٹی صدی ہجری کے نصف اوّل میں پیدا ہوئے ○ **رومؒ:** مولانا رومؒ مراد ہیں، جلال الدین محمد رومیؒ 1207ء۔ 1273ء بلخ میں پیدا ہوئے اور روم (ترکی) کے شہر قونیہ میں فوت ہوئے۔ علامہ اقبالؒ خود کو مولانا رومؒ کا معنوی شاگرد کہتے ہیں۔ کلامِ الٰہی اور حدیثِ نبویؐ کے بعد علامہ اقبالؒ مثنوی مولانا رومؒ سے استفادہ کرتے تھے ○ **رازی:** شیخ فخرالدین رازی (544ھ۔606ھ) رے (ایران) میں پیدا ہوئے فلسفہ و منطق کے استادِ کامل تھے ○ **امام غزالی:** (450ھ۔505ھ) طوس

(ایران) میں پیدا ہوئے' فلسفہ وحکمت کے کامل استاد تھے۔ وہ نہایت جید عالم' زبردست فلسفی' بلند کردار اور پرہیزگار انسان تھے۔ وہ ستر سے زیادہ کتب کے مصنف تھے جن میں احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت زیادہ مشہور ہیں۔

مفہوم: انسان جتنا بھی عالم فاضل ہو، صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کیے بغیر کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔

تشریح: علامہ اقبالؒ نے شعر میں مسلمانوں کے اُن چار مشہور علما کا ذکر کیا ہے' جو اپنے اپنے علم میں کامل استاد تھے۔ علامہ اقبالؒ کے علاوہ آج کے علما بھی انہیں اپنا استاد اور رہنما تصور کرتے ہیں۔ خواجہ فریدالدین عطارؒ محض ایک رنگین بیان شاعر ہی نہ تھے بلکہ اِن کے کلام میں اسلامی تصوف کا درس دیا گیا ہے۔ مولانا رومؒ نے عجمی تصوف کے بجائے اسلامی تصوف کی ترجمانی کی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے کلام میں ان کے کلام کی بھرپور غمازی ہوئی ہے۔ فخرالدین رازی بھی منطق اور فلسفہ کے کامل استاد تھے' جنہوں نے خرد کی گتھیاں سلجھانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ امام غزالیؒ فلسفہ اور حکمت میں کامل استاد ہونے اور اسلامی تعلیمات کا بھرپور مطالعہ رکھنے کی وجہ سے معتبر اور معزز ہیں۔ بہت سے معاملات میں انہیں یورپ کے فلسفیوں اور حکما پر نہ صرف برتری حاصل ہے بلکہ مغرب والوں نے ان کے علم سے خوشہ چینی کی ہے' آج ہم مغرب والوں کو اپنے سے آگے تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مغربی علما بہت سے علوم میں ہمارے پیش رو ہیں۔ امام غزالیؒ کی کتب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالیؒ بہت سے نظریات میں اُن کے امام ہیں۔

علامہ اقبالؒ ان چاروں جید علما کا ذکر کر کے ایک بات کا احساس دلا رہے ہیں کہ ان علما کو یہ مرتبہ محض کتب پڑھنے اور تصنیف کرنے سے نہیں ملا بلکہ علی الصبح' اللہ کے حضور سر جھکا کر گریہ وزاری کرنے سے' عبادت کرنے سے یہ مقام ملا ہے۔ اس آہِ سحرگاہی کے بغیر کوئی کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو اُسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا' جیسے ابوجہل' جو قبل از اسلام پورے عرب میں ابوالحکم کے لقب سے مشہور تھا۔ خوبصورت الفاظ میں مدلل اور موثر گفتگو کرنے کا ماہر تھا۔ اس آہِ سحرگاہی سے محروم رہا اور ابوجہل بن کر رہ گیا۔ گویا عشق کے بغیر گوہرِ مقصود ہاتھ نہیں آتا اور آہِ سحرگاہی' عشق ہی کی بدولت ہے۔ یہ بات علامہ اقبالؒ ملت کے نوجوانوں میں بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے — پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پَر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے — مرا نورِ بصیرت عام کر دے

شعر 3: نومید نہ ہو ان سے' اے رہبرِ فرزانہ!
کم کوش تو ہیں لیکن' بے ذوق نہیں راہی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **نومید:** نا اُمید' مایوس ○ **رہبرِ فرزانہ:** دانشمند رہنما ○ **کم کوش:** سست' کوشش میں کمی کرنے والا ○ **بے ذوق:** شوق کے بغیر' لطف کے بغیر ○ **راہی:** مسافر' راہرو۔

مفہوم: اے دانا رہنما! مسافروں سے نا اُمید نہ ہو۔ یہ آرام طلب غافل' کاہل اور کوشش کم کرنے والے تو ہیں لیکن اور ذوق وشوق سے عاری نہیں ہیں۔

تشریح: علامہ اقبالؒ کے سارے کلام میں مسلمانوں' خصوصاً اُمتِ مسلمہ کے نوجوانوں کو عمل کی ترغیب دی گئی

ہے۔ انہوں نے نظموں ''ایک نوجوان کے نام''؛ ''سلطان ٹیپو کی وصیت''؛ ''جاوید کے نام''؛ ''جاوید سے''؛ ''طلبہ علی گڑھ کے نام''؛ ''مردِ مسلمان'' اور غزلوں میں بھی اُمتِ مسلمہ اور اُمتِ مسلمہ کے نوجوانوں کو کوشش پیہم اور عملِ مسلسل کا درس دیا ہے اور یہ عمل بے لگام نہیں بلکہ اس عمل کا رُخ درِ رسولؐ کی طرف ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنی ملت کے ان رہنماؤں سے مخاطب ہیں جو مسلمانوں اور نوجوانوں کی کم کوشی، سستی اور کاہلی کی وجہ سے ان سے نا اُمید اور مایوس ہو رہے ہیں۔ اقبال اُن کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اس وقت اگرچہ اُمتِ مسلمہ سستی اور کاہلی کا شکار ہے۔ بے عملی اور کوتاہی میں مبتلا ہے لیکن اے رہبرو! آپ مایوس نہ ہوں، مایوسی کفر ہے۔ ان کے دِلوں میں عشقِ رسولؐ کی تڑپ باقی ہے۔ ملت کے برسے ہوئے بادل میں بجلیوں کی لپک اور تڑپ ابھی باقی ہے۔ اس خاکستر میں چنگاریاں موجود ہیں۔ ان کو حکمت، موعظت اور احسن طریقے سے رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اگر اس تڑپ کو ترقی دی جائے تو ان میں گرمیٔ عمل پیدا ہو سکتی ہے۔

نہیں ہے نوا اُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

شعر 4: اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **طائرِ لاہوتی:** پرندہ جو عالمِ ذاتِ الٰہی تک پہنچا ہوا ہے عام طور پر جب سالک کو فنافی اللہ کا درجہ حاصل ہو تو اسے طائرِ لاہوت کہتے ہیں، عالمِ لاہوت دُنیاداری اور غیر اللہ سے منہ موڑ کر اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے والے مسلمان کا مقام ہے ○ **پرواز:** اُڑان ○ **کوتاہی:** کمی، نقص۔

مفہوم: اے مسلمان! تو مقامِ ذاتِ الٰہی کا پرندہ ہے تجھے اُڑ کر اپنے مقام تک پہنچنا ہے۔ اس لیے ان چیزوں پر توجہ نہ دے جو تیری اُڑان کی قوت کو کمزور کر دیں اگر ایسا کرے گا تو گویا یہ تیری موت ہے، بلکہ موت اس سے بہتر ہے۔

تشریح: علامہ اقبالؒ اِس شعر میں اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کو اس کا اصل مقام یاد دِلا کر اُس کے حصول کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ عام لوگ محض بہتر دنیاوی رزق کے لیے جان قربان کرتے ہیں، جو درندوں اور چوپایوں بلکہ کیڑے مکوڑوں کی زندگی ہے۔ حلال ہو یا حرام، جہاں پیٹ بھرنے کو کھانا ملا اسی پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے بدلے میں چاہے کیسی ہی غلامی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔ کیسی ہی ذلت کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ ''مکاں'' کی حدوں میں رہنے والا انسان، سچا مسلمان نہیں بن سکتا۔ اُسے تو ''لامکاں'' کی بیکراں وسعتوں تک پہنچنا ہے۔ یہ اُڑان صرف اُسی وقت مِل سکتی ہے جب لامکاں تک رسائی حاصل کرنے والے خدا کے آخری رسولؐ کی اتباع کی جائے۔ مسلمان کو اپنی پرواز بلند رکھنا ہوگی۔ پرواز تب بلند ہوگی جب نظر بلند ہوگی۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا جائے۔ اپنی ہر آرزو کو عشقِ رسولؐ اور فنافی اللہ کے رُتبے کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔ مسلمان صرف اللہ کو رازق جانے پھر وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک — اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت — فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم!

اے مسلمان! تو اگر مقامِ ذاتِ الٰہی کا پرندہ ہو کر اپنے اصل مقام تک نہ پہنچے تو ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ یعنی جو رزق تیری اُڑان کی قوت کو کمزور کر دے اس سے تو موت اچھی ہے۔

شعر 5: دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بُوئے اسدُ اللّٰہی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **دارا:** بہت بڑی ایرانی سلطنت کا مشہور بادشاہ جس نے سکندر اعظم سے شکست کھائی ○ **سکندر:** فلیقوس شاہِ مقدونیہ کا بیٹا، یونان کا مشہور سپہ سالار جس نے نصف سے زیادہ دُنیا کو فتح کیا، سکندر اعظم ○ **مردِ فقیر:** گدا، یہاں مراد وہ آدمی جس نے فقر اختیار کیا ہو، درویش، قلندر ○ **اولیٰ:** بہت بہتر، نہایت اچھا ○ **فقیری:** درویشی، قلندری، خدا پرستی ○ **بوئے اسد اللّٰہی:** حضرت علیؓ کی درویشی کی جھلک۔

مفہوم: دارا اور سکندر جیسے بڑے بڑے بادشاہوں سے اِس فقیر کا رُتبہ بہت بلند ہے جس کی درویشی میں شیرِ خدا حضرت علیؓ کی درویشی یا اِن کے فقر کی جھلک نظر آئے۔

تشریح: علامہ اقبالؒ اس شعر میں ایک درویش، قلندر اور مردِ فقیر کا مقام متعین کر رہے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس کے مقابلے میں دُنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں، جاہ و جلال اور شان و شوکت کے مالک بادشاہوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتا۔ وہ اپنے خالق کے حضور سجدہ کر کے ہزار سجدے سے نجات پا جاتا ہے۔ ایسا فقر جس سے جہاں گیری کے اسرار کھلتے ہیں۔ اس فقر سے مٹی میں بھی اکسیری کی خاصیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ فقر ہے جو شبیری ہے اور اس فقر میں میری ہے۔ میراثِ مسلمان اور سرمایۂ شبیری ہے۔

جو فقیر حضرت علیؓ حیدر کرار کی راہ پر گامزن ہو۔ نانِ جویں کھا کر خیبر قلعے کا دروازہ اُکھاڑ پھینکنے کی قوت رکھے، اس کا مقام بادشاہوں سے بھی بلند تر ہے۔ وہ جو اللہ اور اس کے رسول کا غلام ہے وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ علامہ اقبالؒ ہی کا شعر ہے:

؎ نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

شعر 6: آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **آئین:** دستور، قاعدہ، قانون، رسم ○ **آئینِ جوانمرداں:** دلیروں، شجاعوں اور عالی ہمتوں کا طریقہ ○ **حق گوئی:** حق بات کہنا، سچی بات کہنا ○ **بیباکی:** بے خوفی، دلیری ○ **اللہ کے شیر:** بہادر بندے ○ **روباہی:** لومڑی کا طریقہ، خوشامد، عیاری اور مکاری۔

مفہوم: جوانمرد لوگ اللہ کے شیر ہوتے ہیں۔ راست گوئی اور بے خوفی ان کا دستور ہوتا ہے۔ انہیں لومڑی کا طریقہ یعنی خوشامد کرنا، عیاری اور مکاری کرنا نہیں آتا۔

تشریح: علامہ اقبالؒ نے اس شعر میں، دلیر، شجاع اور عالی ہمت مومنوں کو اللہ کے شیر قرار دیا ہے جو ہمیشہ راست باز اور بے خوف ہوتے ہیں وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، بڑے سے بڑے دشمن کے سامنے وہ سر اُٹھا کر اور سینہ تان کر کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ شیروں جیسی صفات رکھتے ہیں، جان جانے کا خطرہ بھی ہو تو لومڑی کی طرح مکروفریب سے کام نہیں لیتے۔ دشمن کی بے جا تعریف اور خوشامد کر کے اپنی جان بچانے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ راہِ راست پر چلنے والے، صراطِ مستقیم اپنانے والے کبھی کسی قوت سے خوفزدہ نہیں ہوتے وہ جانتے ہیں کہ اس راہ میں موت بھی زندگی سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ شہادت کی موت ہے جو ہمیشہ کی زندگی میں بھی کامیابی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''شہیدوں کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور زندہ لوگوں ہی کی طرح اللہ تعالیٰ سے رزق پاتے ہیں مگر تم شعور نہیں رکھتے۔''

کون ایسا مومن ہے جو شہادت کی موت بلکہ شہادت کی زندگی نہ چاہتا ہو، جب علم ہو کہ موت کے بعد اسے بہت شاندار زندگی ملنے والی ہے تو اُسے شیروں ہی کی طرح طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ وہ لوگ گویا سورۃ العصر میں بیان کی گئی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ ''قسم ہے زمانے کی انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، حق کی تلقین کرتے رہے اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔'' اسی طرح یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں تو بریشم کی طرح نرم ہیں لیکن اسلام کے دشمنوں کے مقابلے میں فولاد جیسی قوت رکھتے ہیں۔

مومن ہمیشہ سچ بات کہنے والے نڈر، بیباک اور بے خوف ہوتے ہیں وہ لومڑیوں جیسی عادات کے مالک نہیں ہوتے کہ کسی کی بے جا تعریف کریں اور مکروفریب سے کام لے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کریں، یہ اللہ کے شیروں کا دستور نہیں ہوتا۔ وہ جہاد کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں جان قربان کرتے ہیں۔ حق کے راستے میں موت کو سامنے دیکھ کر وہ اور بھی بہادر ہو جاتے ہیں اور جان قربان کرنے کو بہت بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

2۔ غزل ـــــ علامہ محمد اقبالؒ

شعر 1: نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ تخت و تاج: ملک اور سلطنت ○ لشکر و سپاہ: فوج ○ نے: نہ ○ مردِ قلندر: وہ شخص جو روحانی ترقی یہاں تک کر گیا ہو کہ اپنے وجود اور دُنیا کے تمام تعلقات سے بے خبر ہو کر ہمہ تن خدا کی ذات کی

طرف متوجہ ہو۔ یعنی خدا تعالیٰ کا فقیر مست، طائر لاہوتی ○ بارگاہ: دربار، عدالت، بیٹھنے جگہ، شاہی محل۔

مفہوم: ملک اور حکومت اور فوجوں کے حامل بادشاہ کے دربار میں وہ بات نہیں ہے جو کسی مردِ قلندر کے دربار میں ہوتی ہے۔

تشریح: مردِ قلندر کا دربار، بادشاہوں کے درباروں سے اولیٰ ہے۔ کسی بڑے سے بڑے بادشاہ، ملک و حکومت، فوجوں اور سلطنت کے مالک بادشاہ کے ہاں وہ بات نہیں ہے جو ایک مردِ قلندر کے دربار میں ہوتی ہے۔

سرسری نظر سے دیکھا جائے تو بادشاہ ایک وسیع و عریض ملک اور سلطنت کا مالک ہوتا ہے اس کے جان و مال اور حکومت کی حفاظت کے لیے لاؤ لشکر اور فوجیں موجود ہوتی ہیں۔ اِس کے دربار میں حاضری دینے والوں، اس کی خوشامد کرنے والوں اور ''سب اچھا'' کہنے والوں کو انعامات اور روپے پیسے سے بھی نوازا جاتا ہے۔ جائیدادیں دی جاتی ہیں۔ اسے اپنا رفیق خاص بنا کر دُنیا والوں کی نگاہ میں اسے باعزت بنا دیا جاتا ہے۔ گویا بادشاہ لوگوں کو جاہ و منصب اور مال و زر دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اِس کے مرنے کے بعد اس کا مقبرہ بھی بڑا شاندار تعمیر کروایا جاتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں ایک مردِ قلندر کی بارگاہ میں جو کچھ ہے اس کی ایک جھلک بھی دیکھ لی جائے تو فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ مردِ قلندر کا دربار ہر طرح سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ مردِ قلندر، مادی وجود کی ترقی نہیں بلکہ روحانیت میں اعلیٰ درجہ حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے وجود اور دنیا کے تمام تعلقات سے بے خبر ہو کر ہمہ تن خدا کی ذات کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

بادشاہ کے دربار میں مصنوعی رُعب و جلال پیدا کیا گیا ہوتا ہے۔ مردِ قلندر کے دربار میں رُوح کی بالیدگی کا سامان ہوتا ہے۔ بادشاہ، لشکر و سپاہ اور مضبوط قلعوں کا محتاج ہوتا ہے۔ مردِ قلندر صرف اللہ اور اِس کے رسول کی نظرِ عنایت کا طلبگار رہتا ہے۔ چنانچہ اِس کو وہ کرامات، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہیں کہ وہ لوگوں کو روحانیت کی بادشاہت عطا کرتا ہے اور اگر غضبناک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادشاہوں کو ان کی سلطنتوں سے محروم کر دیتا ہے۔

بادشاہوں کے دربار سے دُنیا ملتی ہے۔ مردِ قلندر کے دربار سے آخرت کی آسودگی۔ بادشاہ وہ دُنیا دینے کی کوشش کرتا ہے جس کا وہ خود بھی مالک نہیں ہوتا جبکہ مردِ قلندر، ایمان کی دولت سے نوازتا ہے۔ بادشاہ کی مادی عطا اِس کی زندگی تک محدود رہتی ہے بلکہ صرف اس کی بادشاہت تک محدود رہتی ہے بادشاہت چھن جانے یا موت آ جانے پر سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ مردِ قلندر کا فیض اِس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ آپ نے خود دیکھا ہوگا کہ بادشاہوں کے مقبرے ویران و سنسان اور مردِ قلندر کا دربار آباد ہوتا ہے۔ بادشاہ کے مقبرے میں لوگ تاش کھیلتے اور نازیبا حرکات کرتے نظر آتے ہیں جبکہ مردِ قلندر کی بارگاہ میں عبادت ہو رہی ہوتی ہے۔ قرآنِ پاک کی تلاوت ہو رہی ہوتی ہے۔ مردِ قلندر کی طرف سے اللہ کی راہ میں خیرات کی جا رہی ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ بادشاہ تو فوج کی طاقت سے رعایا کے جسموں پر عارضی طور پر حکومت کرتا ہے لیکن مردِ

حق' مردِ قلندر' فوج اور سامانِ جنگ کے بغیر رعایا کے دِلوں پر مستقل حکومت کرتا ہے۔ اِس لیے عزت اور مرتبے میں بادشاہ کو مردِ قلندر سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی۔ بقول علامہ اقبالؒ

فقر کے ہیں معجزات' تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر' فقر ہے شاہوں کا شاہ

شعر 2: صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا اِلٰہ میں ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **صنم کدہ:** بت خانہ ○ **مردِ حق:** مردِ مومن' سچا مسلمان ○ **خلیل:** سچا دوست' یہاں مراد ہے خلیلؑ اللہ یعنی اللہ کا سچا دوست حضرت ابراہیمؑ ○ **نکتہ:** باریکی' باریک بات' تہ کی بات' نازک خیالی' پتے کی بات ○ **پوشیدہ:** نہاں' چھپا ہوا ○ **لا اِلٰہ یہاں مراد ہے لا اِلٰہ اِلّا اللہ:** اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

مفہوم: یہ دُنیا ایک بت خانہ ہے اور مردِ مومن حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی طرح اس دُنیا میں رہتا ہے۔ یہ باریک بات لا اِلٰہ میں چھپی ہوئی ہے۔

تشریح: حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ایک مومن دنیا کے بت خانے میں' کفرگاہ میں حضرت ابراہیم خلیلؑ اللہ کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ بتوں کو توڑ کر خدائے واحد کی کبریائی اور وحدانیت کا درس دیتا نظر آتا ہے۔ وہ بتوں کے ساتھ مِل کر بت نہیں ہوجاتا۔ بلکہ بتوں کی پرستش سے ہٹا کر انسانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتا اور لوگوں کو کفر کے اندھیرے سے نکال کر دینِ برحق کے نورِ مبین کی طرف گامزن کرتا ہے۔ شرک کا راستہ روک کر اللہ کی وحدانیت کی منزل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

علامہ اقبالؒ دنیاوی مال و دولت کو بھی بتوں ہی کی دوسری صورت قرار دیتے ہیں' جن کو توڑنے کے لیے لا اِلٰہ اِلا اللہ کی کاری ضرب لگانا درکار ہے۔ آج اُمتِ مسلمہ اپنی آستینوں میں ذات پات اور فرقہ پرستی کے بُت چھپائے ہوئے ہے۔ علامہ اقبالؒ لا اِلٰہ اِلا اللہ کی اذان سے ان کو پاش پاش کرنے کا فریضہ انجام دینا چاہتے ہیں۔ وہ اُمتِ مسلمہ کو درس دے رہے ہیں کہ دنیا میں اس وقت بت پرستی کا دَور دورہ ہے۔ مختلف نظریات اور خیالات کے بُتوں کو لا اِلٰہ اِلّا اللہ کی ضرب سے توڑنا ہوگا۔ علامہ اقبالؒ خود فرماتے ہیں:

یہ دَور اپنے براہیمؑ کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا اِلٰہ اِلّا اللہ

شعر 3: وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **جہاں:** دُنیا ○ **سنگ و خشت:** پتھر اور اینٹیں ○ **نگاہ:** نظر۔

مفہوم: اینٹوں اور پتھروں سے دُنیا نہیں بنتی تیری دُنیا وہی ہے جسے تو خود پیدا کرتا ہے جسے تو خود بناتا ہے۔

تشریح: علامہ اقبالؒ ایک مردِ مومن کو اس کی اصل دنیا سے آگاہ کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اے مردِ مومن! اے مسلمان! تیرے اِردگرد تو دُنیا پتھروں اور اینٹوں کی بنی ہوئی نظر آتی ہے۔ حقیقت میں یہ تیری دُنیا نہیں ہے تو ایسی دُنیا میں زندگی گزارنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ تجھے اللہ اور اس کے رسولؐ سے عشق پیدا کرنا ہے اور دیارِ عشق میں خود اپنا مقام پیدا کرنا ہے۔ یہ ایسی دُنیا ہے جس کے صبح و شام، دِن اور رات بلکہ زندگی کا ہر لمحہ عام دُنیا سے مختلف ہے۔ تجھے اس فانی دُنیا سے الگ اپنے لیے ایک نئی دُنیا پیدا کرنا ہے۔ وہ دُنیا جس میں شرک نہ ہو، جس میں بُت پرستی نہ ہو جس میں صرف دِین کی حکومت قائم ہو۔ اس لیے اے مسلمان! تجھے صرف زندگی ہی نہیں گزارنی ہے بلکہ اللہ اور اس کے آخری رسولؐ کے عشق میں زندہ رہنا اور مرنا ہے۔ صراطِ مستقیم پر چلنا ہے۔ خود کو دُنیا ہی میں نہیں، آخرت میں بھی کامیاب زندگی گزارنے کا اہل بنانا ہے۔ ایک مومن کو دنیا میں خلافتِ الٰہیہ قائم کرنے کو زندگی گزارنے کا مقصود بنانا ہے۔

اِس کے لیے محنت کرنا ہوگی، باطل نظریات کو چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر چلنا ہوگا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اتباع کرنا ہوگی۔ علامہ اقبالؒ خود ہی فرماتے ہیں:

خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں — آباد ہے اِک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں — جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

شعر 4: **مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا**
وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **مہ و ستارہ:** چاند اور ستارے ○ **مشتِ خاک:** مٹھی بھر خاک، مراد خاک سے بنا ہوا انسان ○ **آوارگانِ راہ:** راستے میں آوارہ گھومنے والے لوگ، راستے میں بھٹکنے والے لوگ مراد ہیں جدوجہد اور سعی و کوشش اور سیدھے راستے کی طلب میں مشغول لوگ۔

مفہوم: مٹھی بھر خاک کا بنا ہوا مسلمان! جس کا مقام چاند تاروں سے بھی آگے ہے، ایمان کی دولت نہ ہونے کی وجہ سے راستے ہی میں بھٹک رہا ہے۔

تشریح: علامہ اقبالؒ مٹھی بھر خاک کے بنے ہوئے پتلے یعنی مسلمان کو اس کا اصل مقام یاد دِلا رہے ہیں فرماتے ہیں کہ اے مسلمان! اگرچہ تو زمین کی مٹی سے بنا ہے تیرا رُخ اسی مٹی کی طرف ہے لیکن ترا اصل مقام مٹی کے یہ ذرّے نہیں بلکہ چاند ستاروں سے بھی تجھے آگے جانا ہے۔ دنیا اور دنیا کی ہر چیز تیری نگاہ میں ہیچ ہوگی تو تُو اپنے اصل مقام تک پہنچے گا۔ تیرا وجود مٹی سے ہے لیکن تیری رُوح مٹی سے نہیں ہے۔ مٹی کے اس پیکر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رُوح پھونکی تو تیرا وجود عمل میں آیا۔ رُوح کو رُوح کی طرف جانا ہے۔ جسم مٹی کی طرف جائے تو جائے لیکن رُوح کو اللہ کی طرف جانا ہے۔ اے خاک کے پتلے! اپنے وجود میں ایمان کی قوت پیدا کر۔

ایمان کی قوت پیدا ہوگی تو اپنے اصل مقام تک پہنچو گے۔ ابھی تم راہِ مستقیم کی تلاش میں ہو' علامہ اقبالؒ نے مایوسی کا اظہار نہیں کیا بلکہ مسلمانوں سے پُر اُمید ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارا بھٹکنا دراصل اِس بات کی علامت ہے کہ تم صراطِ مستقیم کی تلاش میں ہو۔ ویسے بھی مسلمان کفر اور ایمان کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔ ہمیں اپنے اندر قوتِ ایمانی پیدا کرنا ہی ہوگی۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن

شعر 5: **خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے**
فرنگ رہ گزرِ سیلِ بے پناہ میں ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **خدایانِ بحر و بر:** قضا و قدر کے فرشتے' سمندروں اور خشکی پر حکومت کرنے والے مالک ○ **فرنگ:** یورپ' انگلستان ○ **سیلِ بے پناہ:** ایسا سیلاب جس سے بچنا ممکن نہ ہو۔

مفہوم: سمندر اور خشکی کے مالکوں سے مجھے یہ خبر ملی ہے کہ یورپ' ایسے بے پناہ طوفان کی راہ میں ہے جس سے بچنا اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔

تشریح: علامہ اقبالؒ اس شعر میں اپنے علم' بصیرت' ضمیر اور الہام کی روشنی کی مدد سے یورپ کے انجام کی خبر دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ سمندروں اور خشکی کے مالکوں نے مجھے خبر دی ہے کہ یورپ ایک زبردست طوفان کی زد میں ہے۔ ایسا طوفان جس سے بچنا اس کے لیے ممکن نہیں رہا۔ یورپ میں گناہوں کی بھرمار ہے۔ انہوں نے حرام کو حلال کر لیا ہے۔ وہاں ہم جنس پرستی عام ہے۔ لواطت کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ مرد اور عورت کے ناجائز رشتوں کو درست سمجھ لیا گیا ہے۔ قرآنِ پاک میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ تو اِن کے لیے حلال ہیں' انجیل میں بھی جن چیزوں کو حرام کہا گیا ہے' ان کو انہوں نے اپنی متعین کی ہوئی منزلوں کی راہ میں رکاوٹ سمجھ کر حلال کر لیا ہے۔

یورپ والوں نے جنسی لذت کے حصول کو اپنا ایمان قرار دے لیا ہے وہاں مقدس رشتوں کا بھی احترام نہیں کیا جاتا۔ ان کی نیت کی روح پاکیزہ نہیں۔ ایسے عالم میں ضمیر کی پاکیزگی' خیال کی بلندی' ذوقِ لطیف اور ایمان کی پختگی کیسے قائم رہ سکتی ہے۔ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ جن قوموں نے گناہوں کی زندگی اپنائی وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ علامہ اقبالؒ نے قرآنِ پاک میں قومِ ہودؑ' قومِ عادؑ' قومِ ثمودؑ' قومِ شعیبؑ' قومِ صالحؑ' قومِ لوطؑ اور قومِ نوحؑ کا انجام پڑھا ہے اِسی علم کی بنیاد پر وہ فرما رہے ہیں کہ مغرب پر ایک ایسا ہی طوفان یعنی اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہونے والا ہے۔ یورپ والوں کے لیے اس سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو اس کے کسی چھوٹے بڑے کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ مغربی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تہس نہس ہو جائیں گی۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ قصہ پارینہ ہو کر رہ جائیں گے۔ یہاں دوسری جنگِ عظیم

کی طرف بھی اشارہ ہے جو اس شعر کی تخلیق کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بپا ہوئی۔ بقول علامہ اقبالؒ:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

شعر 6: تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہانِ تازہ مری آہِ صبح گاہ میں ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **آہِ صبح گاہی:** صبح کے وقت کی آہ وزاری، صبح کے وقت کی فریاد، صبح کے وقت کی عبادت

مفہوم: میری صبح کی فریاد میں ایک نیا جہان آباد ہے۔ اس لیے تو اس فضا میں اپنی قسمت تلاش کر۔

تشریح: علامہ اقبالؒ ایک مومن کی آہِ سحر اور اللہ تعالیٰ کے حضور صبح کے وقت کی فریاد کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر کسی کو دیکھتا ہے اور فریاد سنتا ہے۔ گنہگار ہو یا متقی و پرہیزگار، جب کوئی پکارتا ہے تو وہ سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ کوئی بھولے سے بھی یاد کرے تو وہ فریاد قبول کرتا ہے اور جو مانگتا ہے اسے عطا کرتا ہے لیکن تہجد کے وقت بستر چھوڑ کر اُٹھنے والے کو جو شان عطا کرتا ہے وہ بڑی نرالی شان ہے۔ فرماتا ہے کہ "جب تم تہجد کے لیے اُٹھتے ہو تو میں تمہیں دیکھتا ہوں۔" اللہ کے آخری رسول کا تہجد گزاری معمول رہا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ چوتھے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ فرشتے ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ اللہ کا کونسا بندہ اُس کے حضور سجدہ ریز ہے۔ کون اُسے پکارتا ہے وہ دیکھتا ہے، سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبالؒ یہ جانتے ہیں کہ ان کی شاعری میں دینی تعلیمات کا صحیح پرتو ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری صبح کی فریاد میں ایک نیا جہان آباد ہے۔ تو اس کی فضا میں اپنی قسمت تلاش کر، علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو سچے عاشقانِ رسول ﷺ کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان جب عشقِ رسول ﷺ کی شراب سے سرشار ہو کر اپنی خودی پہچانتا ہے تو اس پر ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات کا رنگ غالب آ جاتا ہے۔ اس کی صبح و شام کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ اُسے مال و دولتِ دُنیا اور رشتہ و پیوند، بتان وہم و گماں سب ہیچ اور صرف لا الٰہ الا اللہ کا نغمہ رگ و پے میں سرایت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس کی خودی اُسے نئی دُنیائیں پیدا کرنے کی اہل بنا دیتی ہے۔ وہ زندگی کا اصل مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

بنتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو بھی پہچان

شعر 7: مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **کدو:** وہ بڑا پیالہ جو گول کدو کے خشک چھلکے سے بنایا جاتا ہے اور فقیر لوگ اسے پیالے کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ کوزۂ شراب ○ **بادۂ ناب:** خالص شراب، مراد عشقِ رسول ﷺ ○ **مدرسہ:** جہاں تعلیم دی جائے، خاص طور پر جہاں دینی تعلیم دی جائے ○ **خانقاہ:** درویشوں کے رہنے کی جگہ، وہ

جگہ جہاں درویش لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ کسی درویش کا مقبرہ۔

مفہوم: آج کل عشقِ رسول ﷺ کی خالص شراب مدرسوں میں ملتی ہے اور نہ خانقاہوں میں۔ اس لیے میرے کاسۂ فقر کو زہ شراب کو غنیمت سمجھ کہ اس کاسے میں، اس پیالے میں عشقِ رسول ﷺ کی خالص شراب موجود ہے۔

تشریح: علامہ اقبالؒ سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے انہوں نے دینی تعلیمات کو ان کے اصل رنگ میں سمجھا اور سمجھایا۔ دین میں تنگ نظری، تعصب اور محدود فکر کو رد کیا۔ انہوں نے اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی زندگی کی تجلیات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا، اُمتِ مسلمہ کا قبلہ درست کرنے کی کوشش کی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ درسگاہیں اپنا مقام نہیں پہچانتیں، دوسرا مرکز خانقاہی نظام ہے جہاں عاشقانِ رسول ﷺ پیدا کیے جاتے ہیں اور ان کی تربیت کی جاتی ہے لیکن آج کے دور میں یہ دونوں ادارے اپنا مقام کھو چکے ہیں۔ خلوص کے بجائے دُنیاداری، ریاکاری اور مطلب پرستی کا درس دے رہے ہیں۔

علامہ اقبالؒ اپنے کلام کو اُمتِ مسلمہ کی صحیح تربیت کا ذریعہ سمجھتے ہیں "جاوید کے نام" نظم میں کہتے ہیں:

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر — نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
مَیں شاخِ تاک ہوں، میری غزل ہے میرا ثمر — مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر

مطلب یہ کہ میری شاعری کو غور سے پڑھ۔ جو بات آج کل کے سکولوں، کالجوں، تعلیمی اداروں اور خانقاہوں میں نہیں ملتی وہ میری شاعری میں موجود ہے۔ میری شاعری مسلمانوں کو سچے عاشقانِ رسول ﷺ بنا سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں کتاب و سنت کے احکام صحیح انداز میں بیان کیے گئے ہیں، جن پر عمل کرنے سے انسان نہ صرف ایک سچا مسلمان بن سکتا ہے، بلکہ اُس کی خودی کی تکمیل بھی ہو سکتی ہے۔ وہ خودی میں ڈوب کر نہایت بلند مقام حاصل کر سکتا ہے۔

مشقی سوالات

1: علامہ اقبال کی پہلی غزل میں کونسے الفاظ قافیے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں اور یہ کہ اس غزل میں ردیف کیوں نہیں آئی؟ اپنے استاد سے معلوم کیجیے۔

جواب: علامہ اقبالؒ کی نصاب میں شامل پہلی غزل میں قوافی (قافیے) ہیں: آگاہی، شہنشاہی، سحرگاہی، راہی، کوتاہی، اسد اللّٰہی اور روباہی۔ اس غزل میں ردیف اس لیے نہیں آئی کہ یہ غزل غیر مردف ہے، ردیف کے بغیر مطلب واضح ہو رہا ہے۔

2: دوسری غزل میں "قافیے" اور "ردیف" کی نشاندہی کریں۔

جواب: علامہ اقبالؒ کی شاملِ نصاب دوسری غزل میں

قافیے ہیں: سیاہ، بارگاہ، لاالٰہ، نگاہ، راہ، پناہ، صبح گاہ اور خانقاہ

ردیف ہے: "میں ہے"

3: علامہ اقبالؒ کی پہلی غزل کے مطلع کے حوالے سے بتائیے کہ وہ کونسا جذبہ ہے جو غلاموں پر اسرار شہنشاہی کھول دیتا ہے؟ تاریخ کے اوراق سے کوئی مثال دیجیے۔

جواب: علامہ اقبالؒ نے جذبۂ عشق کو خاص طور پر جذبۂ عشقِ رسولؐ کو غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی کھولنے کا سبب قرار دیا ہے۔ رسول ﷺ اللہ کے بد و غلاموں کی مثال موجود ہے کہ دیہاتی 'اُجڈ، گنوار اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے عشقِ رسول ﷺ اختیار کر کے دُنیا پر حکومت کرنے کے قابل ہی نہیں بنے بلکہ دِلوں پر راج کرنے اور حکومت کے آداب بھی دنیا کو سکھانے کے قابل ہو گئے۔

4: پہلی غزل کے دوسرے شعر کے حوالے سے چند سطروں میں واضح کیجیے کہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک "آہِ سحر گاہی" کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: دُنیا میں کوئی بڑے سے بڑا عالم، فلسفی اور مفکر صحیح معنوں میں کامل اس وقت تک نہیں ہے جب تک وہ صبحدم اللہ کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتا۔ وہ کوئی صوفی ہو، شاعر ہو، منطقی ہو، فلسفی یا حکمت کا استاد ہو۔ خواجہ فرید الدین عطار ہوں یا مولانا جلال الدین رومؒ شیخ فخر الدین رازی ہوں یا امام غزالی۔ اس وقت تک کامل استاد نہیں بنتے جب تک آہِ سحر گاہی کی رہنمائی اور سرپرستی حاصل نہیں کرتے۔

5: علامہ اقبالؒ نے پہلی غزل کے چوتھے شعر میں "طائر لاہوتی" کی اصطلاح کس کے لیے استعمال کی ہے؟ اس کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: وہ مسلمان جو دُنیاداری اور غیر اللہ کی طرف سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے۔ عالمِ مکاں سے بلند و بالا ہو کر عالمِ لامکاں تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ طائر لاہوتی ہے، خدا کا بندہ غیر اللہ کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ ایک سچا مسلمان کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو اُس کی پرواز میں کوتاہی پیدا کر دے۔ وہ پیٹ کا غلام نہیں اللہ اور اِس کے رسولؐ کی رضا کا غلام بنتا ہے۔

6: "بوئے اسد اللہی" سے کیا مراد ہے؟ ایک مردِ فقیر یہ خوبی اختیار کر کے دارا و سکندر پر کیسے فوقیت حاصل کر لیتا ہے؟

جواب: "بوئے اسد اللہی" سے مراد حضرت علیؓ کی درویشی کی جھلک ہے، مطلب یہ کہ جس مردِ فقیر کے کردار میں حضرت علیؓ کی درویشی کی جھلک موجود ہے کہ "نانِ جویں" کھا کر شیرِ خدا بنے، قلعۂ خیبر کو فتح کرے۔ ایسے درویش اور فقیر کو دُنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں پر فوقیت اس لیے حاصل ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور اِس کے رسولؐ کے احکامات پر عملدرآمد کرتے ہوئے اللہ کا بندہ اور سچا عاشقِ رسولؐ بنتا ہے۔ دُنیا کے بادشاہوں کا عمل دُنیا تک محدود ہے جبکہ اللہ کا شیر، رسولِ مقبول کا عاشق آخرت میں بھی سرخرو ہے۔

7: پہلی غزل کے آخری شعر کے حوالے سے بتائیے کہ:

(الف)۔ جواں مردوں کا آئین کیا ہے؟

جواب: حق گوئی و بیباکی۔

(ب)۔اللہ کے شیر کون ہیں؟

جواب: جن کو روباہی نہیں آتی' بے جا خوشامد سے اپنی جان بچانے کی فکر نہیں کرتے۔اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔

8: علامہ اقبالؒ کی دوسری غزل کے دوسرے شعر کے حوالے سے بتائیے کہ "لا الٰہ" میں کونسا نکتہ پوشیدہ ہے؟

جواب: صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ۔

9: دوسری غزل کے چوتھے شعر کے حوالے سے بتائیے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کا مقام "مہ و ستارہ سے آگے" ہے؟

جواب: وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے۔

10: دوسری غزل کے پانچویں شعر کے حوالے سے بتائیے کہ علامہ اقبالؒ کو "خدایانِ بحر و بر" سے کیا خبر ملی ہے؟

جواب: "فرنگ' رہ گزرِ سیلِ بے پناہ میں ہے۔" یعنی مغربی اقوام پر ان کی گنہگاری کے سبب قہرِ الٰہی نازل ہونے والا ہے۔

11: مندرجہ ذیل تراکیب کے معنی لکھیے۔

○ **آدابِ خود آگاہی:** اپنے آپ کو پہچاننے کے قرینے اور سلیقے ○ **سحر گاہی:** صبح کے وقت کا' صبح کا وقت ○ **رہبر فرزانہ:** عقلمند رہنما ○ **کم کوش:** کوشش میں کمی کرنے والا' سُست ○ **طائرِ لاہوتی:** عالمِ الوہیت یعنی لامکاں میں پہنچا ہوا پرندہ' مردِ مومن ○ **آئینِ جواں مرداں:** بہادروں کا دستور اور طریقہ ○ **مردِ قلندر:** وہ شخص جو روحانی ترقی اس حد تک کر گیا ہو کہ اپنے وجود اور دُنیا کے تمام تعلقات سے بے خبر ہو کر ہمہ تن خدا کی ذات کی طرف متوجہ ہو ○ **سنگ و خشت:** پتھر اور اینٹ ○ **مشتِ خاک:** مٹھی بھر خاک' مراد خاک سے بنا ہوا آدمی ○ **سیلِ بے پناہ:** ایسا طوفان جس سے بچنے کی جگہ نہ ملے۔

12: درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اِس طرح استعمال کیجیے کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

○ **رزق:** ہمارا رزق صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

○ **پرواز:** شاہین کی پرواز سب پرندوں سے بلند ہوتی ہے۔

○ **آئین:** کسی بھی ملک کا آئین اِس کے عوام اور حکومت کے لیے بہت اہم ہوتا ہے۔

○ **بارگاہ:** اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلانے والا ہمیشہ بامراد رہتا ہے۔

○ **نکتہ:** مولانا صاحب کی تقریر کا اصل نکتہ عشقِ رسولؐ تھا۔

○ **مقام:** عاشقانِ رسولؐ کا مقام بہت بلند ہے۔

○ **مشتِ خاک:** انسان کی مشتِ خاک میں اگر ایمان کی حرارت پیدا ہو جائے تو وہ مومن بن جاتا ہے۔

13: علامہ اقبالؒ کی پہلی غزل کے آخری تین شعروں کی تشریح کیجیے۔

جواب: غزل کے تمام شعروں کی تشریح کر دی گئی ہے۔دوبارہ ملاحظہ کر لیجیے۔

مناسب داموں مل جاتا ہے۔ دیہاتی لوگ انٹرٹین منٹ کے طور پر بھی خالص اور دیسی خوراک کو ترجیح دیتے ہیں۔ شہروں میں مہمان کی تواضع کولڈ ڈرنک سے کی جاتی ہے لیکن دیہات میں آج بھی لسی اور دودھ پیش کرنے کا رواج ہے۔ وہاں برگر اور سینڈوچ کے بجائے گڑ اور گنے سے دل بہلایا جاتا ہے۔ پاپ کارن کے بجائے مکئی کے بھٹے چبائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دیہاتیوں کی صحت شہریوں کے مقابلے میں اچھی ہوتی ہے۔

واہ رے دیہات کے سادہ تمدن کی بہار — سادگی میں بھی ہے کیا کیا تیرا دامن زرنگار
دل یہ کہتا ہے فراق انجمن سہنے لگوں — شہر کی رنگینیاں چھوڑوں، یہیں رہنے لگوں

دیہاتی زندگی کے غیر مادی پہلو کی طرف آئیں تو اس کا حسن مزید نکھر کر سامنے آتا ہے۔ سادہ لوح کسان صرف اپنے خاندان ہی کا نہیں بلکہ پورے گاؤں کا رکھوالا ہوتا ہے۔ اسی لیے دیہات میں جرائم کی شرح شہروں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے۔ اکا دُکا واقعات کے علاوہ دیہی علاقوں میں مثالی امن وامان قائم رہتا ہے۔ خلوص اور محبت جیسی اعلیٰ اقدار کی موت کے اس دور میں بھی دیہات میں لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کچھ ایسا کمزور نہیں ہوا جس کی بڑی وجہ چوپال کا کلچر ہے۔ ہر دیہات میں دو چار ڈیرے ضرور ہوتے ہیں، جہاں شام کا سورج ڈھلتے ہی کسانوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے اور پھر وہ عشا کے بعد تک دنیا جہان کی باتیں کرتے ہیں۔ کاشت کاری کے مسائل زیر بحث آتے ہیں۔ باہمی تنازعات نمٹائے جاتے ہیں۔ مستقبل کے منصوبوں پر گفتگو ہوتی ہے۔ ملکی حالات پر تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ تاش اور لڈو جیسی تفریحی سرگرمیاں بھی جاری رہتی ہیں۔ گاؤں کی پنچایت چوپال ہی کی باضابطہ اور ترقی یافتہ شکل ہے جس میں دیہاتی لوگ اپنے باہمی تنازعات پیش کرتے ہیں۔ پنچایت گاؤں کے تجربہ کار، عقلمند اور بارسوخ افراد پر مشتمل ہوتی ہے اور فریقین کے موقف کا مکمل جائزہ لینے کے بعد اپنا فیصلہ سناتی ہے جسے تسلیم کرنا فریقین کے لیے لازمی ہوتا ہے۔ پنچایتی سسٹم کے باعث دیہاتی لوگ مقدمہ بازی اور عدالتوں کے چکروں میں پڑنے سے بچ جاتے ہیں۔

دیہاتی زندگی کے فوائد شمار کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ شہری زندگی انسان کی تن آسانی اور عیش پسندی کا نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شہری زندگی میں میسر آنے والی اکثر سہولیات اب ہماری لازمی ضروریات بن چکی ہیں، جن کی تکمیل دیہات میں تقریباً ناممکن ہے۔ شہروں میں معیاری تعلیمی اداروں کی کوئی کمی نہیں۔ پرائمری سکولز سے یونیورسٹی تک سب تعلیمی مدارج آسانی کے ساتھ طے کیے جا سکتے ہیں۔ سائنس، میڈیکل، انجینئرنگ، کمپیوٹر اور اکاؤنٹنگ کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ اسی طرح طالبات کے لیے بھی بہترین تعلیمی ادارے موجود ہیں۔ طبی سہولیات کے اعتبار سے بھی دیہات شہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تمام شہروں میں ہسپتال موجود ہیں۔ سرکاری ہسپتالوں کے علاوہ ڈاکٹرز کے نجی کلینک بھی عوام کی مسیحائی کرتے ہیں۔ شہر میں ہر چھوٹے بڑے مرض کا علاج ممکن ہے اور کوئی مریض طبی سہولت میسر نہ ہونے کے باعث دوا سے محروم نہیں رہتا۔ شہروں میں فراہمی و نکاسی آب کا بہترین انتظام موجود ہوتا ہے۔ سیوریج کے مناسب بندوبست کے باعث

شعر2: شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ خانۂ دل: دل کا مکان مراد دل

مفہوم: میرے دل میں بہت شور اُٹھا ہے، شاید ابھی کوئی دیوار سی گر گئی ہے۔

تشریح: ناصر کاظمی نے اپنے اس شعر میں اپنے دل کو ایک گھر سے تشبیہ دی ہے گھر کی کسی دیوار کا گرنا بہت بڑے نقصان کی علامت ہے۔ گھر کی دیوار تحفظ کی علامت ہوتی ہے' جس کے گرنے سے تحفظ ختم ہو جاتا ہے۔ چوروں ڈاکوؤں کے راستے کی رکاوٹ دُور ہو جاتی ہے۔ موذی جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے گھر میں آنے کی راہ بھی ہموار ہو جاتی ہے۔ دیوار گرنے سے دیوار کے نیچے دب کر چیزیں ٹوٹ جاتی ہیں بسا اوقات گھر کے مکین دب کر مر جاتے ہیں۔ شاعر اپنے ٹوٹے ہوئے دل کو ایک ایسے گھر کی مانند قرار دیتا ہے جس کی دیوار گر چکی ہو۔ عدم تحفظ کا احساس ہے' کوئی کمی سی رہ گئی ہے۔ اب اُسے اپنے دل میں غموں کی یورش کا احساس ہوا ہے۔ دیوار گرنا' دل کے ٹوٹنے کا بھی استعارہ ہے۔ میر تقی میر کا ایک شعر ہے:

؎ دیواریں تنی ہوئی کھڑی ہیں
اندر سے مکان گر رہا ہے

شعر3: بھری دُنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

مفہوم: اس آباد دنیا میں میرا کہیں بھی دل نہیں لگتا۔ اس کے ہوتے ہوئے خدا معلوم کس چیز کی کمی ہے۔

تشریح: ناصر کاظمی نے اپنے اس شعر میں احساسِ محرومی کا اظہار کیا ہے۔ شاعر کے اردگرد کی دُنیا' شاد آباد ہے' خوشیوں سے بھرپور ہے لیکن لوگوں کو شاد اور آباد دیکھ کر اُس کو اپنی محرومیوں کا اور بھی شدید احساس ہوتا ہے۔ اگرچہ اسے بہت کچھ ملا ہے لیکن کوئی آرزو ایسی ہے جو ابھی پوری نہیں ہوئی۔ شاعر کو اِس کمی کا شدت سے احساس ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اِس کا محبوب ہو جس کے بغیر زندگی ادھوری ہے۔ شاعر کو جب کسی ایک چیز کی کمی کا پتا نہیں چلتا تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک سے زیادہ چیزیں' اشخاص یا آرزوئیں ہیں۔

اِس شعر کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ شاعر اس بھری دُنیا میں' آدمیوں کے ہوتے ہوئے' آدمیت کی تلاش میں ہے ہر حساس آدمی کو اِس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ انسانوں کی بستی میں انسانیت کی خصوصیات رکھنے والے انسان نظر نہیں آتے۔

شعر4: تو شریکِ سخن نہیں ہے تو کیا
ہم سخن تیری خامشی ہے ابھی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ شریکِ سخن: ہم کلام' باتیں کرنے والا ساتھی ○ خامشی: خاموشی۔

مفہوم: اگر آج تو میرے ساتھ باتیں نہیں کر رہا ہے تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مَیں تیری خاموشی ہی سے ہم کلام ہو رہا ہوں۔

تشریح: ناصر کاظمی نے اِس شعر میں عاشق اور محبوب کے درمیان خاموش فضا کو بھی گفتگو کرتے ہوئے دِکھایا ہے۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ دو دوست الفاظ کے سہارے بات نہیں کرتے بلکہ محض دیکھنے کے انداز، پلکیں اُٹھا کر جھکانے، جھکا کر اُٹھانے، چہرہ چھپانے، ہونٹوں کی ہلکی سی لرزش، ہاتھوں کی حرکت، ناخن سے کرسی یا میز کو کُریدنے، زمین پر اُنگلیاں پھیرنے، آنچل سنبھالنے یا آنچل کے پلو کو ہونٹوں میں دبانے، مڑ مڑ کر دیکھنے، سامنے آ جانے پر اچانک آنکھیں بند کر لینے، بند آنکھوں کو نیم وا کرنے یا دزدیدہ نگاہوں سے دیکھنے، چہرے پر کھیلنے والی مسکراہٹ کو چھپانے کی کشمکش، اپنے لباس کو بار بار درست کرنے اور جسم کو دیکھنے کے انداز سے ابلاغ کا کام لیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ عاشق کو اِس بات کی ہمیشہ شکایت رہتی ہے کہ محبوب اس کے ساتھ گفتگو کرنے سے گریز کرتا ہے۔ اسے غرورِ حسن ہو سکتا ہے یا پھر رسوائی کے خوف سے خاموشی اختیار کرنا بہتر سمجھتا ہے لیکن عاشق اس کے ہم کلام نہ ہونے پر بھی مطمئن ہے، کیونکہ محبوب کی ہر ادا سے وہ اپنے مطلب کے معنی اخذ کر رہا ہے۔ جگر مرادآبادی کا شعر ہے۔

؎ کوئی نہ دیکھ سکا جن کو دو دِلوں کے سوا
معاملات کچھ ایسے بھی درمیاں گزرے

شعر 5: یاد کے بے نشاں جزیروں سے
تیری آواز آ رہی ہے ابھی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **جزیرہ:** خشکی کا وہ ٹکڑا جس کے چاروں طرف پانی ہو جزیرہ کہلاتا ہے ○ **یاد کا بے نشاں جزیرہ:** تصور اور یاد کا وہ حصہ جسے خود دیکھا جا سکتا ہے لیکن کسی دوسرے کو نہیں دِکھایا جا سکتا۔

مفہوم: اے محبوب! یاد کے بے نشاں جزیروں سے تیری آواز ابھی تک آ رہی ہے اور میں اسے سن رہا ہوں۔

تشریح: ناصر کاظمی نے یاد کے بے نشاں جزیرے کی خوبصورت ترکیب استعمال کر کے شعر کو بہت پُرمعنی اور پُرلطف بنا دیا ہے۔ خشکی کا وہ ٹکڑا جس کے چاروں طرف پانی ہوتا ہے ہر آدمی کو دُور سے نظر آ سکتا ہے اور اُس تک پہنچنے کے لیے تیرنے یا کشتی پر سوار ہونے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن یاد کا جزیرہ دراصل انسان کے تصور کی بات ہے۔ اُس کی یادوں کا سلسلہ ہے جو کسی کو دِکھایا نہیں جا سکتا۔ شاعر نے اِسی لیے اسے بے نشاں کہا ہے۔ شاعر تصور میں تو اُس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس سے اُس کی یادوں کا تعلق ہے لیکن وہ خود جسمانی طور پر اِس مقام تک نہیں پہنچ پاتا یا کسی دوسرے کو وہ مقام نہیں دِکھا سکتا۔ اب غور فرمائیے کہ محبوب اپنے قطع تعلق کے باوجود عاشق کے ذہن سے یادوں کا سلسلہ ختم نہیں کر سکا البتہ تصور ہی تصور میں وہ اِس سے ملتا بھی ہے باتیں بھی کرتا ہے اور گزرے ہوئے زمانے میں محبوب سے کی ہوئی باتوں یا خود محبوب کے بولنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی آواز بھی اُس کے کانوں میں گونجتی ہے۔ بقول مومن خاں مومن:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

شعر6: شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **بے چراغ گلیاں:** وہ گلیاں جن میں روشنی نہیں۔

مفہوم: شہر کی اندھیری گلیوں میں عاشق یا شاعر کو اس کی زندگی اب بھی ڈھونڈ رہی ہے۔

تشریح: شہر کی گلیوں میں گھومتے رہنا شاعر کا مشغلہ تھا۔ دن رات ان کا گشت لگاتے رہنا' آوارہ و سرگرداں رہنا' محبوب کی یاد میں اس کے دیدار کی خاطر گردش میں رہنا معمول تھا۔ شاعر کو اس بات کا یقین ہے کہ اس کا محبوب اُسے یاد ضرور کرتا ہوگا۔ یادیں اُسے بھی بے چین رکھتی ہوں گی۔ شاعر کہتا ہے کہ آج بھی وہ' جو میری زندگی ہے میرا محبوب' وہ مجھے ڈھونڈ رہا ہے۔ ممکن ہے شاعر نے بے چراغ گلیاں اس لیے کہا ہو کہ روشنیاں ہونے کے باوجود محبوب کا چہرہ نظر نہیں آتا۔ اُس کا حسن جلوہ گر نہیں ہوتا۔ اس لیے اسے اندھیرا محسوس ہوتا ہے۔

اس شعر کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ شاعر کو اُجالا ہونے کے باوجود شہر کی گلیوں میں اندھیرا محسوس ہوتا ہے' یعنی وہ اعلیٰ اقدار کی شمعوں کے بجھنے کو شہر کی گلیوں کا بے چراغ ہونا قرار دے رہا ہے۔

شعر7: وقت اچھا بھی آئے گا ناصرؔ
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

مفہوم: اے ناصرؔ! اچھا وقت ضرور آئے گا۔ انتظار کرو' گھبراؤ نہیں۔ ابھی تو ایک طویل زندگی پڑی ہے۔

تشریح: ناصر کاظمی' غزل کے اس مقطع میں رجائی لہجہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ شعر کے مفہوم کی خوبصورتی اس میں بھی ہے کہ کسی بھی خیال کے آدمی کو اُمید دِلائی جا رہی ہے۔ عاشق ہے تو محبوب کی سرد مہری سے نجات کی اُمید' بیمار ہے تو صحتمندی کی اُمید' غریب ہے تو غربت دُور ہونے کی اُمید' ناکام طالب علم ہے تو کامیابی کی اُمید' بے اولاد ہے تو صاحبِ اولاد ہونے کی اُمید' اولاد نافرمان ہے تو اس کے تابع فرمان ہونے کی اُمید' غرض ہر قسم کا آدمی اپنے بُرے دِنوں کے اچھے دِنوں میں بدل جانے کی اُمید قائم کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ دِنوں کو انسانوں کے درمیان پھیرتا رہتا ہے۔ فرماتا ہے کہ ایمان والوں اور صبر کرنے والے لوگوں کو اچھا وقت آنے کی اُمید رکھنی چاہیے۔ اسی لیے آج کا امیر کل غریب' آج غریب ہے تو کل امیر' آج صحتمند ہے تو کل بیمار' آج بیمار ہے تو کل تندرست' آج ناکام ہے تو کل کامیاب' آج کامیاب ہے تو کل ناکام' آج زندگی ہے تو کل موت' غرضیکہ وقت سدا ایک سا نہیں رہتا۔ اسی بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ناصر اپنے دِل کو تسلی دے رہے ہیں کہ آج حالات کتنے ہی ناموافق اور ناگفتہ بہ ہوں' سانس لینا تک دُشوار ہو تو فکر اور غم

ہے، جس سے ماحول اور بھی خوفناک ہو جاتا ہے۔ چوروں، رہزنوں، ڈاکوؤں اور سماج دشمن عناصر کے لیے کام آسان ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مزاحمت کرنے والے راہگیروں اور تاجروں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ پولیس پر لوگوں کا اعتماد پہلے ہی کم ہوتا ہے۔ پولیس کی نفری کم ہونے اور پولیس سے زیادہ جدید اسلحہ ڈاکوؤں کے پاس ہونے کی وجہ سے شہری اور بھی غیر محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اپنے تحفظ کے لیے اور جان و مال کی حفاظت کے لیے لوگ اپنے گھروں میں دُبک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ شاعر نے اپنے دور میں جبر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ یہ مناظر آپ کو آج کل بھی نظر آتے ہیں۔

شعر 6: ناصرؔ بہت سی خواہشیں دل میں ہیں بے قرار
لیکن کہاں سے لاؤں، وہ بے فکر زندگی

مفہوم: اے ناصرؔ! دل میں بے شمار خواہشیں مچل رہی ہیں لیکن ان تمام خواہشوں سے بڑی خواہش بے فکر زندگی کی تمنا ہے۔

تشریح: انسانی زندگی، خواہشات کے کبھی نہ ختم ہونے والے سلسلے میں محصور رہتی ہے۔ خواہشات کا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے میں خواہشات کی نوعیت بدلتی رہتی ہے لیکن ان میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ شاعر کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میری بہت سی خواہشات ہیں جو مجھ کو بے قرار رکھتی ہیں۔ میں ان کے حصول کے لیے تگ و دو بھی کرتا ہوں، ہر خواہش پوری ہونے کی فکر میں رہتا ہوں۔ ہر تمنا اور اس کا پورا ہونا اپنی جگہ بہت اہم ہے لیکن سب سے بڑی آرزو ایسی زندگی کی ہے جس میں کوئی فکر نہ ہو کہا یہ جائے گا کہ جس زندگی میں کوئی فکر نہ ہو اس میں تو کوئی خواہش نہیں ہوگی لیکن خواہشوں کے بغیر زندگی کی، بے فکر زندگی کی خواہش کرنا ہی سب سے بڑی خواہش ہے اور شاعر کے کہنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ بے فکر زندگی نہیں ملتی۔ سوچ، فکر، پریشانی اور غم کے بغیر کوئی زندگی نہیں ہے۔ یہاں بے فکر زندگی سے مراد شاعر کی بچپن کی زندگی بھی ہے، جب بچے کی تمام آرزوئیں اور خواہشیں، ماں باپ، بہن بھائی یا عزیز و اقارب پوری کرتے ہیں۔ کوئی معصوم سی خواہش بھی ہونٹوں تک آتی ہے تو ماں باپ اسے فوراً پورا کر دیتے ہیں۔ اسی لیے شیر خوارگی اور بچپن کی زندگی کو بادشاہوں کی زندگی قرار دیا جاتا ہے۔ بادشاہوں کو تو پھر بھی ہزاروں مسائل درپیش ہوتے ہیں لیکن بچہ ہر فکر سے آزاد ہوتا ہے۔ شاعر چاہتا ہے کہ اس کا بچپن لوٹ آئے لیکن یہ ممکن نہیں۔ انسانی خواہشات کے حوالہ سے غالب کہتے ہیں:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

مشقی سوالات

1: چند جملوں میں وضاحت کیجیے۔

الف: دل میں اک لہر سی اٹھنے کا مفہوم کیا ہے؟

شاعر اپنے بیرون کی دنیا میں موسم کی تبدیلی یا حالات کی تبدیلی سے اندرونی کیفیات میں ایک تبدیلی محسوس کر رہا ہے مثلاً بارش ہونے پر، بہار کا موسم آنے پر، کوئی خوش کن منظر دیکھنے پر، کوئی پرانی یاد تازہ ہونے پر، کسی دوست سے ملاقات کا خیال آنے پر دل میں ایک تازہ اُمنگ، ایک نیا جوش اور کچھ کر گزرنے کا ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ ناصر کاظمی نے اسی اُمنگ کے پیدا ہونے کو دل میں اُٹھنے والی لہر قرار دیا ہے۔

ب: خانۂ دل میں کیسا شور برپا ہے؟

غموں کے ریلے کی وجہ سے دل میں ایک اضطراری کیفیت پیدا ہوئی ہے، جس کی وجہ سے سارے وجود میں ایک حشر برپا ہو گیا ہے۔ دل میں دیوار سی گرنے کا مطلب ہے دُکھوں اور غموں کے احساس کو جس قوت نے روک رکھا تھا۔ وہ قوت اب جواب دے گئی ہے اور خانۂ دل میں اِک شور برپا ہو گیا ہے۔ یہ شاعر کی اندرونی کیفیت کا ذکر ہے۔

د: خامشی ہم سخن کیسے بنتی ہے؟

جب دو دل باہم ملتے ہیں تو عاشق اور محبوب کے درمیاں ابلاغ کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو دوسروں کی نگاہوں سے مخفی رہتا ہے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کا انداز، کسی بات پر ہونٹوں کی بناوٹ، پلکیں اُٹھانے اور جھکانے کی ادا، آنچل سنبھالنے اور جھٹکے کا طریقہ، ہونٹوں میں پلو کا کونا دبانے کی ادا، یکلخت رُخ کو پھرا کر دیکھنا، عاشق کو دیکھتے ہی خفی سی مسکراہٹ ایسی گفتگو ہے جس کو الفاظ کی ضرورت نہیں پڑتی۔

کل رات زندگی سے ملاقات ہو گئی
لب تھرتھرا رہے تھے مگر بات ہو گئی

ہ: شاعر نے ماضی کی یادوں کو بے نشاں جزیرے سے کیوں کہا؟

محبوب کے ساتھ شاعر کی محبت اور معاملاتِ محبت کے گزرے ہوئے لمحات اور واقعات کی یادیں تازہ ہیں۔ اس نے ماضی کی یادوں کو بے نشاں جزیرے اس لیے قرار دیا ہے کہ محبوب کی طرف سے قطع تعلق کے باوجود یادوں کا سلسلہ قائم ہے۔ مناظر آنکھوں میں گھومتے ہیں اور محبوب کے ساتھ کی ہوئی گفتگو کے مناظر نہ صرف تازہ ہیں بلکہ محبوب کی طرف سے ادا کیے ہوئے الفاظ کی آواز شاعر کو آج بھی سُنائی دے رہی ہے۔ بقول مومنؔ:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

و: زندگی شہر کی بے چراغ گلیوں میں کیا ڈھونڈتی ہے؟

جواب: شہر میں بازار بند ہیں۔ سڑکوں پر آمد و رفت نہیں ہے۔ روشنی نہیں ہے۔ لوگ اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے ہیں۔ سٹریٹ لائٹس روشن نہ ہونے کی وجہ سے گلیوں میں اندھیرا ہے۔ شاعر چونکہ گلیوں میں گھومنے کا عادی تھا۔ وہ جان کی پروا کیے بغیر اپنے محبوب کی تلاش میں سرگرداں رہتا تھا۔ اب وہ ان گلیوں میں نظر نہیں آتا۔ شاعر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ زندگی ایسے ماحول میں بھی تجھے تلاش کر رہی ہے۔ یہاں زندگی سے مراد محبوب کی ذات بھی ہے۔

ز: شاعر کے نزدیک وفا کا تقاضا کیا ہے؟

جواب: کوئی شکوہ یا شکایت نہ کی جائے۔ لکھنے والا اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور بولنے والا اپنے ہونٹ سی لے تاکہ محبوب رُسوا نہ ہو۔ وفا کا اب یہی تقاضا ہے:

ع میں اپنے ہاتھ کاٹ لوں، تو اپنے ہونٹ سی

ح: حادثات نے شاعر کو کیسے لوگوں کے درمیان لا پھینکا ہے؟

جواب: وہ بے دِل لوگ جن کی آنکھوں میں مروت اور محبت کی روشنی ہے اور نہ باتوں میں نئے موضوعات کی جھلک، حادثات نے شاعر کو نا اُمیدی اور مایوسی کے حامل لوگوں کے درمیان لا پھینکا ہے۔

؎ کن بے دِلوں میں پھینک دیا حادثات نے
آنکھوں میں جن کی نور، نہ باتوں میں تازگی

2: ناصر کاظمی کی دوسری غزل میں ردیف نہیں ہے۔ محض قافیہ ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ شعر کے لیے ردیف ضروری نہیں البتہ قافیے کا ہونا ضروری ہے۔ آپ اپنی کتاب کے حصہ غزل میں کوئی اور ایسی غزل تلاش کیجیے جس میں ردیف نہ آئی ہو۔

جواب: نصاب میں شامل علامہ اقبالؒ کی پہلی غزل:

؎ جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

4: ناصر کاظمی کی پہلی غزل کے پہلے دو شعروں میں جو تشبیہات استعمال ہوئی ہیں۔ ان کی وضاحت کیجیے۔

ا۔ دل میں اُٹھنے والی لہر کو تازہ ہَوا سے تشبیہ دی ہے۔

- مشبہ: دل میں اُٹھنے والی لہر۔
- مشبہ بہ: تازہ ہَوا۔

○ حرفِ تشبیہ: سی۔
○ وجہ شبہ: لہر اور ہوا میں روانی۔
○ غرضِ تشبیہ: دِل میں اُٹھنے والی لہر کی کیفیت کو نمایاں کرنا۔

ii۔ دل کو ایسے گھر سے تشبیہ دی ہے جس میں کوئی دیوار گری ہو۔

○ مشبہ: دِل۔
○ مشبہ بہ: ایسا گھر جس کی دیوار گری ہو۔
○ حرفِ تشبیہ: سی۔
○ وجہ تشبیہ: دیوار کے گرنے کی آواز اور غموں کی وجہ سے دِل میں ہلچل مچلنے کی کیفیت۔
○ غرضِ تشبیہ: دِل پر غموں کے حملوں کے اثرات کو ظاہر کرنا۔

5: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

بول اے میرے دیار کی سوئی ہوئی زمیں — میں جن کو ڈھونڈتا ہوں، کہاں ہیں وہ آدمی
میٹھے تھے جن کے پھل، وہ شجر کٹ گئے — ٹھنڈی تھی جس کی چھاؤں وہ دیوار گر گئی
بازار بند، راستے سنسان، بے چراغ — وہ رات ہے کہ گھر سے نکلتا نہیں کوئی

غزل کے تمام اشعار کی تشریح کر دی گئی ہے۔

☆☆☆

فراق گورکھپوری ــــ (1896ء۔1982ء)

شاعر کا تعارف: فراق گورکھپوری کی غزلوں میں موضوعات کا تنوع ہے۔ وہ زندگی کی ناکامیوں پر آنسو بہاتے ہیں تو چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر مسکرانا اور قہقہے بکھیرنا بھی جانتے ہیں۔ وہ انسانوں کو انسانیت کی خدمت کا درس دیتے ہیں۔ غزل کی مخصوص رمزیت اور لطافت کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرے میں انقلاب کی خواہش کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ فراق نے ترقی پسند تحریک کا دورِ عروج دیکھا، پھر ہندوستان کے انگریز سے آزادی حاصل کرنے اور آزاد مملکتوں میں تقسیم ہونے کا بھی مشاہدہ کیا۔ تقسیم ملک کے بعد کے حالات بھی ان کی نظر سے گزرے۔ انہوں نے ان گوناگوں تجربات کو اپنی شاعری میں بہت فنی مہارت کے ساتھ منعکس کیا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کسی بھی مسئلے پر بات کرتے ہوئے وہ شاعری کے جمالیاتی پہلو اور قدر و قیمت سے دستبردار ہونا گوارا نہیں کرتے۔

1۔ غزل ــــ فراق گورکھپوری

شعر 1:
اُداسی، بے دلی، آشفتہ حالی میں کمی کب تھی
ہماری زندگی یارو ہماری زندگی کب تھی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ بے دلی: زندگی سے بے رغبتی، اُکتاہٹ ○ آشفتہ حالی: پریشانی۔

○ حرفِ تشبیہ: سی۔
○ وجہ شبہ: لہر اور ہوا میں روانی۔
○ غرضِ تشبیہ: دِل میں اُٹھنے والی لہر کی کیفیت کو نمایاں کرنا۔

ii۔ دل کو ایسے گھر سے تشبیہ دی ہے جس میں کوئی دیوار گری ہو۔

○ مشبہ: دِل۔
○ مشبہ بہ: ایسا گھر جس کی دیوار گری ہو۔
○ حرفِ تشبیہ: سی۔
○ وجہ تشبیہ: دیوار کے گرنے کی آواز اور غموں کی وجہ سے دِل میں ہلچل مچلنے کی کیفیت۔
○ غرضِ تشبیہ: دِل پر غموں کے حملوں کے اثرات کو ظاہر کرنا۔

5: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

بول اے میرے دیار کی سوئی ہوئی زمیں — میں جن کو ڈھونڈتا ہوں، کہاں ہیں وہ آدمی
میٹھے تھے جن کے پھل، وہ شجر کٹ گئے — ٹھنڈی تھی جس کی چھاؤں وہ دیوار گر گئی
بازار بند، راستے سنسان، بے چراغ — وہ رات ہے کہ گھر سے نکلتا نہیں کوئی

غزل کے تمام اشعار کی تشریح کر دی گئی ہے۔

☆☆☆

فراق گورکھپوری ــــ (1896ء۔1982ء)

شاعر کا تعارف: فراق گورکھپوری کی غزلوں میں موضوعات کا تنوع ہے۔ وہ زندگی کی ناکامیوں پر آنسو بہاتے ہیں تو چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر مسکرانا اور قہقہے بکھیرنا بھی جانتے ہیں۔ وہ انسانوں کو انسانیت کی خدمت کا درس دیتے ہیں۔ غزل کی مخصوص رمزیت اور لطافت کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرے میں انقلاب کی خواہش کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ فراق نے ترقی پسند تحریک کا دورِ عروج دیکھا، پھر ہندوستان کے انگریز سے آزادی حاصل کرنے اور آزاد مملکتوں میں تقسیم ہونے کا بھی مشاہدہ کیا۔ تقسیم ملک کے بعد کے حالات بھی ان کی نظر سے گزرے۔ انہوں نے ان گوناگوں تجربات کو اپنی شاعری میں بہت فنی مہارت کے ساتھ منعکس کیا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کسی بھی مسئلے پر بات کرتے ہوئے وہ شاعری کے جمالیاتی پہلو اور قدر و قیمت سے دستبردار ہونا گوارا نہیں کرتے۔

1۔ غزل ــــ فراق گورکھپوری

شعر 1:
اُداسی، بے دلی، آشفتہ حالی میں کمی کب تھی
ہماری زندگی یارو ہماری زندگی کب تھی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ بے دلی: زندگی سے بے رغبتی، اُکتاہٹ ○ آشفتہ حالی: پریشانی۔

مفہوم: غموں، اُداسیوں اور پریشانیوں میں کبھی کمی نہیں ہوئی۔ میری زندگی کبھی میری زندگی نہیں رہی۔

تشریح: غزل کے مطلع میں فراق گورکھپوری نے اپنی زندگی میں غموں اور پریشانیوں کے تسلسل کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ حیاتِ انسانی، غم اور خوشی کا مجموعہ ہے۔ انسان کبھی پریشانیوں کا سامنا کرتا ہے تو کبھی اسے آسودگی بھی نصیب ہوتی ہے۔ کبھی مشکلات سے واسطہ پڑتا ہے تو کبھی آسانیوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی ملتا ہے لیکن شاعر کی زندگی میں خوشی، آسودگی اور آسانی کا نام و نشان نہیں۔ وہ مسلسل اُداسی اور بے دِلی کے عالم میں زندگی گزار رہا ہے۔ اِسی لیے اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے یارو! میری زندگی دراصل میری زندگی نہیں۔ یہ کیفیت نئی نہیں بلکہ ماضی میں بھی یہی صورتِ حال تھی۔ یہ زندگی شروع ہی سے میری نہ تھی۔ یہ زندگی دُکھوں اور مصائب کی جاگیر ہے۔ اس پر میرا کچھ اختیار نہیں۔ مَیں جو چاہتا ہوں وہ ہرگز نہیں ہوتا۔ زندگی غمِ جاناں اور غمِ دوراں کے ہاتھوں نڈھال ہے۔ حیات کیا ہے، ایک وبال ہے۔ یہ میری زندگی نہیں۔ ایک مجبور آدمی کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ میں جی رہا ہوں، زندگی کے دِن پورے کر رہا ہوں مگر اسے اپنی زندگی نہیں سمجھتا۔

؎ بس اتنا ہے کہ گوارا کیا گیا مجھ کو
حیات مجھ پہ بہت مہرباں کبھی نہ رہی

شعر 2: **علائق سے ہوں بیگانہ لیکن اے دِلِ غمگیں**
تجھے کچھ یاد تو ہوگا کسی سے دوستی کب تھی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **علائق:** تعلقات ○ **لیکن:** اور لیکن۔

مفہوم: اب میں تمام تعلقات اور رشتے ختم کر چکا ہوں لیکن اے دل غمگین! تجھے یاد ہوگا کہ کبھی میری کسی کے ساتھ دوستی ہوا کرتی تھی۔

تشریح: محبوب سے تعلق کے حسین دَور کو یاد کرنا عشاق کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ شاعر اپنے کلام میں ماضی کو مختلف پیرایوں میں یاد کرتے ہیں۔ فراق نے یادِ ماضی کے لیے منفرد اندازِ سخن اختیار کیا ہے۔ وہ دِل کو شریکِ سخن کرتے ہیں اور اِس سے ماضی کی بات کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اب میں تمام رشتے، دوستیاں اور تعلقات ختم کر چکا ہوں۔ زندگی کی سختیوں، نامہربانیوں اور تلخیوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ محبوب سے رشتہ ختم کر دوں لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ایک دَور میں میرا محبوب کے ساتھ تعلق تھا۔ اس سے رشتہ نہیں رہا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرا ماضی مجھ سے چھن گیا یا تبدیل ہو گیا ہے۔ اے میرے دِل! تجھے تو وہ دِن یاد ہوں گے، تجھے تو وہ دَور یاد ہوگا جب میری اِس کے ساتھ دوستی ہوا کرتی تھی۔ کیوں نہ آج ہم اِس سنہری دَور کی یادوں کو تازہ کریں۔ محبوب سے تعلق کے زمانے کے واقعات یاد کر کے غمِ زمانہ کی تلخیوں کو کم کریں۔ محبوب سے تعلق کے زمانے کی یاد ہی کے حوالے سے حسرت موہانی کی مشہور غزل کا مطلع ہے:

؎ چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

شعر 3: حیات چند روزہ بھی حیاتِ جاوداں نکلی
جو کام آئی جہاں کے وہ متاعِ عارضی کب تھی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **حیات چند روزہ:** مختصر زندگی، چند دنوں کی زندگی ○ **حیات جاوداں:** ہمیشہ کی زندگی ○ **متاعِ عارضی:** چند روزہ پونجی، چند روزہ سامان۔

مفہوم: کچھ انسانوں کی مختصر زندگی بھی ہمیشہ کی زندگی بن گئی کیونکہ دُنیا کے کام آنے والی متاع کو فانی اور عارضی نہیں کہا جا سکتا۔

تشریح: فراق گورکھپوری نے سیدھے سادھے الفاظ اور بے تکلف لہجہ میں بہت بڑی بات کہی ہے۔ دنیا میں نیک نامی اور عظمت حاصل کرنے اور آخرت میں نجات پانے کا طریقہ اور راستہ بیان کر دیا ہے۔ وہ ان عظیم لوگوں کو خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اولادِ آدم کی خدمت کرتے ہوئے گزاریں۔ فراق کہتے کہ حیاتِ انسانی اگرچہ چند روزہ ہے۔ ہر انسان کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے۔ ایک روز اس کی زندگی کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے لیکن کچھ لوگ اپنی چند روزہ حیات کو حیاتِ جاوداں بنا لیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی زندگی دوسروں کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد بھی دُنیا ان کو یاد رکھتی ہے۔ فراق کہتے ہیں کہ لوگوں کے کام آنے والی متاع یعنی زندگی فانی نہیں بلکہ جاودانی ہوتی ہے۔ اسلامی عقائد کے مطابق صدقہ جاریہ کا ثواب موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ عوامی بھلائی کا کام کرنے والوں کی یہ دُنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح، سرسیّد احمد خان اور علامہ اقبال کی زندگیاں بھی دیگر انسانوں کی طرح ختم ہو چکی ہیں لیکن ان کے کارناموں نے ان کی چند روزہ زندگیوں کو ہمیشہ کی زندگی میں بدل دیا۔ ان کا نام تا قیامت زندہ و تابندہ رہے گا۔

شعر 4: یہ دُنیا کوئی پلٹا لینے ہی والی ہے اب شاید
حیاتِ بے سکوں کے سر میں یہ شوریدگی کب تھی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **شوریدگی:** پریشان حالی، آوارگی۔

مفہوم: زندگی میں جنون اور شوریدگی کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ کوئی انقلاب آنے والا ہے۔

تشریح: شاعر، ادیب اور فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والے دیگر لوگ فطری طور پر رجائیت پسند ہوتے ہیں۔ وہ بدترین حالات میں بھی اچھے دنوں کی اُمید سے دستبردار نہیں ہوتے۔ بقول ندیم

؎ قعرِ دریا میں بھی آ نکلے گی سورج کی کرن
مجھ کو آتا نہیں محرومِ تمنا ہونا

فراق گورکھپوری بھی بُرے حالات میں اچھے مستقبل کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ معاشرے میں جنون، شوریدگی اور بغاوت کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ خلقِ خدا اب ظلم برداشت کرنے کے بجائے احتجاج کرنے کی خوگر ہوتی جا رہی ہے۔ یہ تبدیلی انقلاب کی آمد کا اشارہ ہے۔ یہ دُنیا اب کوئی پلٹا لینے والی ہے یعنی انقلاب آنے والا ہے۔ دُنیا کے حالات بدلنے والے ہیں۔ اب یہاں مساوات، انصاف، محبت اور امن کا دور دورہ ہوگا۔ ظلم، ناانصافی، لاقانونیت اور طاقت کی حکمرانی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بُرے دِنوں میں اچھے مستقبل کی خوش خبری سنانا، شاعر کی انسان دوستی اور حوصلہ مندی کی دلیل ہے۔ وہ خواب دیکھنے کی عادت ترک کرنے کو تیار نہیں۔

شعر 5: میرے نغموں نے اے دُنیائے غم چمکا دیا تجھ کو
ترے ظلمت کدے میں زندگی کی روشنی کب تھی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **ظلمت کدہ:** تاریک جگہ۔

مفہوم: اے دُنیائے غم! میرے نغموں نے تیری تاریکی کو بھی روشنی میں بدل دیا ہے۔

تشریح: فراق گورکھپوری کو اپنے فن کی قوت پر بھروسا اور ناز ہے۔ کسی بڑے شاعر کی حیات بخش صدا میں وہ قوت اور توانائی ہوتی ہے کہ وہ مردہ دِلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ اس کا دل آویز نغمہ غم کو بھی قابلِ قبول بنا دیتا ہے۔ اس کی شاعری حالات کی تلخی کو کم کرتی ہے اور بالآخر غم کو خوشی میں بدل دیتی ہے۔ فراق تعلّی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے اردگرد تاریکی ہی تاریکی تھی۔ دُنیا غم و اندوہ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر طرف مصائب اور مشکلات تھیں۔ ان حالات میں جب میں نے اپنا نغمہ چھیڑا تو غم کی تلخی کم ہوئی۔ ماحول میں خوشیوں کی صدائیں اُبھرنے اور بکھرنے لگیں۔ تاریکی آہستہ آہستہ روشنی میں بدلنے لگی اور پھر بتدریج ظلمت کدے میں زندگی کی روشنی پھیل گئی۔ سارا ماحول ہی بدل گیا۔ فراق دُنیائے غم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تیرے ظلمت کدہ کو زندگی کی روشنی میرے نغمات نے عطا کی ہے:

شعر 6: فراقؔ اب اتفاقاتِ زمانہ کو بھی کیا کہیے
محبت کرنے والوں سے کسی کو دُشمنی کب تھی

مفہوم: یہ صرف اتفاقاتِ زمانہ کا کرشمہ ہے کہ محبوب اپنے عشاق کو اپنے دُشمن سمجھنے لگا ہے۔

تشریح: ضبط و تحمل، برداشت، رواداری اور وضعداری عشق کے لوازمات ہیں۔ عاشق اچھی طرح سے جانتا ہے کہ محبوب بے وفا ہے۔ اس کی وفا کا جواب جفا سے دیتا ہے لیکن اس حقیقت کو زبان پر لانا آدابِ عاشقی کے منافی ہے۔ وہ محبوب کی بے وفائی کا ذمہ دار کبھی رقیب کو اور کبھی زمانے کو قرار دیتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ دنیا کے حالات کے باعث محبوب اپنا سلوک بدلنے پر مجبور ہوا ہے۔ غزل کے مقطع میں فراق نے بھی یہی بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمانے کے اتفاقات، واقعات اور حادثات حالات کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ ماحول بدل جاتا ہے۔ شب و روز کے معمولات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اتفاقاتِ زمانہ نے محبوب کو بے وفا بنا دیا ہے۔ شاعر کو محبوب کا سلوک

بدلنے پر حیرت نہیں بلکہ وہ اتفاقاتِ زمانہ کی اثر انگیزی پر تعجب کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ محبوب ماضی میں ایسا نہ تھا۔ وہ محبت کرنے والوں کو اپنا دشمن تو نہ سمجھتا تھا۔ وہ اپنے عاشق کے ساتھ محبت سے پیش آتا تھا۔ وفا کا جواب وفا ہی سے دیتا تھا۔ اب وہ بدلا ہے تو قصور اس کا نہیں، حادثات زمانہ کا ہے۔ وہ بے وفا نہیں تھا، اسے دنیا کے حالات نے بے وفائی پر مجبور کر دیا ہے۔

مشقی سوالات

1: فراق گورکھپوری کی غزل میں قافیہ اور ردیف کی نشاندہی کیجیے۔

جواب: غزل کے قوافی ''کمی، زندگی، دوستی، عارضی، شوریدگی، روشنی، دشمنی'' غزل کی ردیف ''کب تھی''

2: فراق کی غزل کے تیسرے اور چوتھے شعر کی تشریح کیجیے۔

جواب: اشعار کی تشریح حصہ تشریح میں ملاحظہ کیجیے۔

3: فراق نے اپنی غزل میں اتفاقاتِ زمانہ کو کس بات کا موجب قرار دیا ہے؟ آپ کس حد تک اس سے متفق یا غیر متفق ہیں؟ بحث کیجیے۔

جواب: فراق نے اپنی غزل میں اتفاقاتِ زمانہ کو اہلِ جہاں کی، محبت کرنے والوں سے دشمنی کا موجب قرار دیا ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ انسان میں بعض اخلاقی کمزوریاں ہیں، جن میں ایک حسد بھی ہے۔ اس منفی جذبے کے تحت انسان اس دنیا میں دوسرے کی زندگی سے اپنی زندگی کا تقابل کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ یہ دیکھے کہ دوسرا شخص اس کے مقابلے میں زیادہ پُرسکون اور آسودہ حال ہے تو اسی اخلاقی کمزوری کے سبب، جسے ہم نے حسد کا نام دیا ہے، اسے ان لوگوں سے نفرت سی ہونے لگتی ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو اپنے حال میں مست رہتے ہیں۔ جنہیں اپنی ذات کے سوا دنیا میں کچھ اور نظر نہیں آتا۔ ان کے دِل میں کسی کے لیے خیر خواہی، ہمدردی یا محبت کے جذبات نہیں ہوتے۔ ان کی نظروں میں محبت ایک کارِ بیکاراں ہوتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ سب کی سوچ اور طرزِ فکر انہی کی طرح ہو جائے لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تو پھر دوسروں کے معاملے میں ان کی سوچ منفی ہو جاتی ہے جسے شاعر نے دشمنی سے تعبیر کیا ہے۔

4: مندرجہ ذیل تراکیب کے معنی لکھیے۔

جواب: تراکیب کے معانی اور جملوں میں استعمال ملاحظہ کیجیے۔

- **آشفتہ حالی:** پریشان ہونا۔ سعید کی آشفتہ حالی کا بڑا سبب بے روزگاری ہے۔
- **دلِ غمگین:** دُکھی دِل۔ ہجر کے دَور میں عاشق کے دِل غمگین کو سکون نہیں ملتا۔
- **حیاتِ چند روزہ:** چند دن کی زندگی۔ اس دُنیا کی حیات چند روزہ میں ہمیں ابدی زندگی میں کامیابی کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔
- **حیاتِ جاوداں:** ہمیشہ کی زندگی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے والے حیاتِ جاوداں پاتے ہیں۔

○ **متاعِ عارضی:** چند روزہ پونجی۔ حُسنِ صورت متاعِ عارضی ہے۔ اس پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔
○ **حیاتِ بے سکوں:** بے سکون زندگی۔ مل مالک کو کیا معلوم کہ مزدور کی حیات بے سکوں کس طور سے گزر رہی ہے۔
○ **دُنیائے غم:** غم کی دُنیا۔ عشاق کی دُنیائے غم جفائے یار کے دم قدم سے آباد ہے۔
○ **اتفاقاتِ زمانہ:** زمانے کے اتفاقات۔ اتفاقاتِ زمانہ مفلسوں کو تونگر اور شاہوں کو گدا بنا دیتے ہیں۔
○ **ظلمت کدہ:** تاریک گھر۔ تاریک جگہ۔ دل کے ظلمت کدہ میں یادِ الٰہی سے چراغاں کرو۔

5: اس غزل میں سے محاورے تلاش کیجیے اور انہیں جملوں میں استعمال کیجیے۔

جواب: ○ **پلٹا لینا:** تیزی سے بدلتے ہوئے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دُنیا کوئی پلٹا لینے والی ہے۔
○ **کام آنا:** دُکھی انسانیت کے کام آنا ایمان کے بعد سب سے بڑی نیکی ہے۔

☆☆☆

تابش دہلوی ـــــ (1913ء۔2004ء)

شاعر کا تعارف: تابش دہلوی دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپنا بچپن اور جوانی اسی شہر میں گزاری۔ ان کی ذہنی اور ادبی تربیت اسی شہر میں ہوئی۔ تابش کو دورِ جدید میں دہلوی دبستان کا آخری اہم نمائندہ شاعر قرار دیا جا سکتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ کراچی میں مقیم ہوئے اور باقی زندگی یہیں گزاری۔ انہوں نے ریڈیو پاکستان کراچی کے لیے سکرپٹ اور فیچر لکھنے کا کام بھی کیا اور صدا کاری بھی کرتے رہے۔ تابش دہلوی کا تخلیقی سفر ستر برس سے زائد پر محیط ہے۔ غزل ان کا خاص میدان ہے۔ وہ عظمتِ انسان کے نقیب ہیں۔ ان کی زبان میں دہلی کی سادگی اور چاشنی ہے۔ حسن، عشق، ہجر و وصال اور تصوف جیسے روایتی مضامین کے علاوہ وہ انسان کے معاشی اور فکری مسائل کو بھی موضوعِ سخن بناتے ہیں۔ روزمرہ اور محاورات کے استعمال کے حوالے سے ان کا کلام بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان کی غزل گوئی نے کراچی کی شاعری کو ایک منفرد لب و لہجہ بخشا اور غزل گو شاعروں کی تین نسلوں نے ان کے فن سے رہنمائی حاصل کی۔

غزل ـــــ تابش دہلوی

شعر 1:
سکوں درکار ہے لیکن سکوں حاصل نہیں ہوتا
ذرا جو دل کو ٹھہرا دے وہ درد دل نہیں ہوتا

مفہوم: سکون کی ضرورت ہے لیکن سکون نہیں ملتا، جس میں دل کو عارضی سکون مل جائے۔ اسے دردِ دل نہیں کہا جا سکتا۔

تشریح: حساس دل بڑی نعمت ہے۔ یہ آدمی کو انسان بناتا ہے۔ اس کی موجودگی انسانیت کی دلیل ہے۔ غزل

○ **متاعِ عارضی:** چند روزہ پونجی۔ حُسنِ صورت متاعِ عارضی ہے۔ اس پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔
○ **حیاتِ بے سکوں:** بے سکون زندگی۔ مل مالک کو کیا معلوم کہ مزدور کی حیات بے سکوں کس طور سے گزر رہی ہے۔
○ **دُنیائے غم:** غم کی دُنیا۔ عشاق کی دُنیائے غم جفائے یار کے دم قدم سے آباد ہے۔
○ **اتفاقاتِ زمانہ:** زمانے کے اتفاقات۔ اتفاقاتِ زمانہ مفلسوں کو تونگر اور شاہوں کو گدا بنا دیتے ہیں۔
○ **ظلمت کدہ:** تاریک گھر۔ تاریک جگہ۔ دل کے ظلمت کدہ میں یادِ الٰہی سے چراغاں کرو۔

5: اس غزل میں سے محاورے تلاش کیجیے اور انہیں جملوں میں استعمال کیجیے۔

جواب: ○ **پلٹا لینا:** تیزی سے بدلتے ہوئے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دُنیا کوئی پلٹا لینے والی ہے۔
○ **کام آنا:** دُکھی انسانیت کے کام آنا ایمان کے بعد سب سے بڑی نیکی ہے۔

☆☆☆

تابش دہلوی ـــــ (1913ء۔2004ء)

شاعر کا تعارف: تابش دہلوی دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپنا بچپن اور جوانی اسی شہر میں گزاری۔ ان کی ذہنی اور ادبی تربیت اسی شہر میں ہوئی۔ تابش کو دورِ جدید میں دہلوی دبستان کا آخری اہم نمائندہ شاعر قرار دیا جا سکتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ کراچی میں مقیم ہوئے اور باقی زندگی یہیں گزاری۔ انہوں نے ریڈیو پاکستان کراچی کے لیے سکرپٹ اور فیچر لکھنے کا کام بھی کیا اور صدا کاری بھی کرتے رہے۔ تابش دہلوی کا تخلیقی سفر ستر برس سے زائد پر محیط ہے۔ غزل ان کا خاص میدان ہے۔ وہ عظمتِ انسان کے نقیب ہیں۔ ان کی زبان میں دہلی کی سادگی اور چاشنی ہے۔ حسن، عشق، ہجر و وصال اور تصوف جیسے روایتی مضامین کے علاوہ وہ انسان کے معاشی اور فکری مسائل کو بھی موضوعِ سخن بناتے ہیں۔ روزمرہ اور محاورات کے استعمال کے حوالے سے ان کا کلام بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان کی غزل گوئی نے کراچی کی شاعری کو ایک منفرد لب و لہجہ بخشا اور غزل گو شاعروں کی تین نسلوں نے ان کے فن سے رہنمائی حاصل کی۔

غزل ـــــ تابش دہلوی

شعر 1:
سکوں درکار ہے لیکن سکوں حاصل نہیں ہوتا
ذرا جو دل کو ٹھہرا دے وہ درد دل نہیں ہوتا

مفہوم: سکون کی ضرورت ہے لیکن سکون نہیں ملتا، جس میں دل کو عارضی سکون مل جائے۔ اسے دردِ دل نہیں کہا جا سکتا۔

تشریح: حساس دل بڑی نعمت ہے۔ یہ آدمی کو انسان بناتا ہے۔ اس کی موجودگی انسانیت کی دلیل ہے۔ غزل

کے مطلع میں تابش دہلوی نے دلِ حساس کے باعث درپیش مسئلے کا ذکر کیا ہے۔ حساس دل رکھنے والا آدمی زندگی بھر سکون کی تلاش میں رہتا ہے لیکن اسے سکون نہیں ملتا۔ معاشرے میں موجود ناانصافی، ظلم، بدامنی اور بدصورتی اس کا سکون چھین لیتی ہے۔ وہ ذاتی زندگی میں کامیاب اور آسودہ حال بھی ہو تو بے چین اور بے قرار ہی رہتا ہے۔ اُس کی اِس حالت کا ذمہ دار دردِ دل ہوتا ہے۔ یہ درد ایک پل کے لیے بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ دل کو ایک لمحے کے لیے چین نہیں ملتا۔ تابش کہتے ہیں کہ جو درد ذرا سی دیر کے لیے دل کو سکون کی مہلت دے دے۔ میں اس کو دردِ دل نہیں مانتا۔ دردِ دل کی تو سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ مسلسل ہوتا ہے۔ اس میں کوئی مختصر سے مختصر وقفہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ درد حساس دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ حساس دل اور بیدار روح عطیہ خداوندی ہے لیکن یہ عطیہ استحصالی معاشرے میں زندگی گزارنے والے انسان کے لیے مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔

بقول احمد ندیم قاسمی:

ایک نعمت بھی یہی، ایک قیامت بھی یہی
روح کا جاگنا اور آنکھ کا بینا ہونا

شعر 2: کبھی ہر جلوۂ صدرنگ حاصل تھا نگاہوں کو
اب اشکِ خوں بھی چشمِ شوق کو حاصل نہیں ہوتا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ جلوہ صدرنگ: سو رنگ کا نظارہ ○ اشکِ خوں: خون کا آنسو۔

مفہوم: کبھی خوبصورت اور رنگا رنگ مناظر آنکھوں کی دسترس میں تھے۔ اب چشمِ شوق خون کے آنسو بہانے کے لیے بھی ترستی ہے۔

تشریح: انسان فطری طور پر اپنے ماضی سے محبت کرتا ہے اور اگر ماضی سے کچھ خوشگوار اور حسین یادیں بھی وابستہ ہوں تو پھر اس کا تذکرہ عجیب لطف اور وارفتگی پیدا کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔ تابش دہلوی اپنے ماضی کا ذکر حسرت آمیز لہجے میں کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ماضی میں میری نگاہیں صدرنگ مناظر دیکھتی تھیں لیکن اب وہ دور گزر چکا ہے اور آنکھیں آنسو بہانے کے لیے ترس رہی ہیں۔ پانی کے قطرے تو ایک طرف، اب آنکھوں کو اشکِ خوں بھی میسر نہیں۔ یہ محرومی کی انتہا ہے۔ ماضی میں محبوب کا دیدار حاصل تھا۔ اس کے جلوے آنکھوں کی تشنگی کو سیراب کرتے تھے۔ اس کا وصال زندگی کا جواز تھا۔ اب نگاہیں دیدارِ یار سے محروم ہیں۔ ہجر کا زمانہ ہے۔ اشکِ غم مونس ہجراں ہوتا ہے لیکن اب چشمِ شوق اس سے بھی محروم ہے۔ تابش دہلوی نے ماضی اور حال کا تقابل کر کے تضاد کی کیفیت کو واضح کیا ہے۔ ان کا لہجہ بہت مؤثر ہے۔ ایک اور شاعر نے اس سے ملتا جلتا مضمون ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

اب تو اتنی بھی میسر نہیں مے خانے میں
جتنی ہم چھوڑ دیا کرتے تھے پیمانے میں

شعر3: ہر اِک کارِتمنا پر یہ مجبوری ' یہ مختاری
مجھے آساں نہیں ہوتا ' تجھے مشکل نہیں ہوتا

مفہوم: ہر خواہش کے ساتھ یہ مجبوری ہے کہ اس کی تکمیل میرے لیے آسان نہیں ہوسکتی اور محبوب کے لیے مشکل نہیں ہوسکتی۔

تشریح: تابش دہلوی نے صوفیا کے ''نظریہ جبر'' کو منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں انسان کو مختار سمجھنے والے بھی بالواسطہ طور پر اس کی مجبوری ہی کی صداقت کے قائل ہوتے ہیں۔ انسان جو کام بظاہر اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ دراصل وہ انہیں انجام دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ تابش کہتے ہیں کہ اپنی ہر خواہش کی تکمیل کے حوالے سے جس طرح میں مجبور ہوں۔ اسی طرح میرا محبوب (جو بظاہر بااختیار نظر آتا ہے) بھی مجبور ہے۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میری خواہش پوری نہیں ہوسکتی' مجھ پر زندگی آسان نہیں ہوسکتی۔ میں ناکام ہونے پر مجبور ہوں۔ میری نارسائی میری مجبوری ہے۔ دوسری طرف محبوب ہے جو کامیاب ہے لیکن کامیابی اس کی مجبوری ہے۔ اِس کے لیے آسانیاں لکھ دی گئی ہیں۔ کامیابیاں اس کا مقدر ہیں۔ ہر خواہش پوری ہونا اِس کی قسمت ہے۔ وہ اگر چاہے بھی تو ناکام نہیں ہوسکتا' جس طرح میں ناکام ہونے پر مجبور ہوں۔ بالکل اِسی طرح وہ کامیاب ہونے پر مجبور ہے۔ میری اور اس کی مجبوری میں فرق صرف اتنا ہے کہ میں ناکامی کی وجہ سے مجبوری کا گلہ کرتا ہوں اور وہ کامیابی کی وجہ سے مجبوری کو خوش قسمتی سمجھ کر خاموش رہتا ہے۔ حقیقتاً دُنیا میں سب مجبور ہیں۔ اختیار صرف ذاتِ باری تعالیٰ کو حاصل ہے۔

شعر4: ہمیں ہنگامہ آرا تھے مگر ہم جب سے ڈوبے ہیں
کوئی طوفاں نہیں اُٹھتا کہیں ساحل نہیں ہوتا

مفہوم: ساری ہنگامہ آرائی ہمارے دم قدم سے تھی۔ ہمارے ڈوبنے کے بعد سمندر میں کوئی طوفان اُٹھ رہا ہے نہ کوئی ساحل کی تمنا کر رہا ہے۔

تشریح: تابش دہلوی نے واضح کیا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں قیادت اور سرکردگی چند افراد ہی کا حصہ ہوتی ہے۔ باقی لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے کی حیات کا انحصار چند نمایاں' متحرک اور فعال شخصیات پر ہوتا ہے۔ باقی اہلِ معاشرہ ان کی تقلید کرتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی گفتگو کو متحدہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کی گفتگو سمجھا جاتا تھا۔ قائد دُنیا سے گئے تو آج تک کوئی ایسی شخصیت پیدا نہ ہوئی جسے یہ اعزاز حاصل ہو سکے۔ چند افراد معاشرے کی شان اور ملک کی پہچان ہوتے ہیں۔ ملک یا معاشرہ ان سے محروم ہو جائے تو زندگی ٹھہری جاتی ہے۔ تابش کہتے ہیں کہ سمندر میں ہنگامہ آرائی ہمارے دم قدم سے تھی۔ ہم لہروں سے جنگ لڑنے کی اہلیت اور حوصلہ رکھتے تھے۔ ہم دوسروں کو بھی یہ حوصلہ دیتا چاہتے تھے۔ طوفانوں سے ہمارا تصادم سمندر اور ساحل پر ہلچل کا باعث تھا لیکن جب ہم ڈوب گئے تو پھر کسی نے پار اُترنے کی خواہش ہی نہیں

کی۔ سب راضی برضا ہو کر بیٹھ گئے۔ اب سمندر میں کوئی طوفان نہیں اُٹھتا۔ زندگی کا حُسن اس کے چیلنج قبول کرنے والوں کے دم قدم سے ہے یہ بہادر لوگ نہ رہیں تو پھر زندگی میں کوئی کشش اور ہنگامہ آرائی باقی نہیں رہتی اور ایک جمود سا طاری ہو جاتا ہے۔

شعر 5: تماشا سوز ہے ہر جلوۂ اندازِ یکتائی
تمہیں تم ہو' کوئی پردہ بھی اب حائل نہیں ہوتا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ تماشا سوز: نظارے کو جلا دینے والا ○ اندازِ یکتائی: واحد ہونے کا انداز۔

مفہوم: وحدت کا ہر جلوہ دیگر تمام جلووں کو جلا ڈالنے والا ہے۔ ایک بار یہ جلوہ نظر آ جائے تو پھر طالب و مطلوب میں حائل تمام پردے دُور ہو جاتے ہیں۔

تشریح: تابش دہلوی نے عشقِ حقیقی کی ایک عظیم منزل کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ ایک صوفی باصفا کی نظر کی رسائی کو بیان کر رہے ہیں۔ یہ وہ نظر ہے جو محبوب کے جلووں میں محو ہے۔ تابش کہتے ہیں کہ وحدت کا جلوہ دنیائے فانی کے تمام مناظر کو جلا ڈالتا ہے۔ یہ صرف شاعرانہ خیال نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ دُنیا کی کوئی شے تجلی ذات کی ہلکی سے ہلکی جھلک کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار پر اللہ تعالیٰ نے طور جیسے عظیم پہاڑ پر اپنی تجلی نازل فرمائی تو پہاڑ جل گیا۔ اسی طرح دیگر عظیم اجسام اور اشیا تجلی کو برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتے۔ یہ صرف صوفی کا قلب مطہر ہے جو جلوہ کبریا کا نظارہ کرتا ہے۔ درد کہتے ہیں:

ع ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دِل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

جلوہ کبریا جب دُنیا کے تمام نظاروں کو جلا ڈالتا ہے تو پھر عشقِ حقیقی میں ڈوبے ہوئے دِل اور تجلی ذات میں کوئی پردہ نہیں رہ جاتا۔ دُنیا کے مناظر دراصل پردے ہیں جو عاشق کی آنکھ کو محبوبِ حقیقی کا جلوہ دیکھنے نہیں دیتے۔ محبوب کا ایک جلوہ ان مناظر کو جلا دیتا ہے۔ سب پردے گرا دیتا ہے تو پھر عاشق کو ہر طرف محبوب کا جلوہ ہی نظر آتا ہے۔

شعر 6: رہا اِک اِک قدم پر پاسِ آدابِ طلب ورنہ
وہاں ہم تھے جہاں پانا ترا مشکل نہیں ہوتا

مفہوم: ہم نے ہر قدم پر آدابِ عشق کا خیال رکھا ورنہ تجھے حاصل کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔

تشریح: عشق ایک تہذیب کا نام ہے۔ یہ آدمی کو ادب سکھاتا ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

عاشق انتہائی مؤدب اور مہذب شخص ہوتا ہے۔ محبوب کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں بھی وہ ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جو خلافِ ادب ہو۔ مشرقی عاشق کی یہی شان ہے۔ وہ مغربی

عشاق کی طرح ''محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے'' کے جاہلانہ مقولے پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ محبت میں اخلاقی اقدار کو فراموش نہیں کرتا۔ بعض اوقات ادب، احترام، اخلاقیات اور رکھ رکھاؤ اسے محبت میں ناکام بنا دیتے ہیں لیکن وہ اپنی روایات اور اقدار سے دستبردار نہ ہونے پر مطمئن رہتا ہے۔ تابش دہلوی ایسے ہی عشاق کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محبوب! راہِ محبت میں ہر قدم پر ہم نے پاس ادب رکھا۔ رقیبوں کی طرح اوچھے ہتھکنڈے استعمال نہیں کیے۔ اپنی عزت اور تیری ناموس کا خیال رکھا۔ اس احتیاط پسندی کی وجہ سے ہم تجھے حاصل نہ کر پائے ورنہ معاشرے میں ہمیں عزت اور مقام حاصل تھا۔ تیرا حصول کوئی ناممکن بات نہ تھی لیکن اس کے لیے ہمیں رائج الوقت طور طریقے اپنانا پڑتے۔ ہم نے تجھ سے دستبرداری قبول کر لی مگر اپنی روایات اور وضع داری کو نہیں چھوڑا۔

شعر 7: ازل سے اپنا مقصود طلب ہے کون اے تابش
کہ پائے جستجو شرمندہ منزل نہیں ہوتا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **ازل:** وہ ابتدا جس کی حد نہ ہو ○ **مقصود:** مطلب، مراد ○ **پائے جستجو:** تلاش کا قدم

مفہوم: ہم روزِ اوّل سے کس کو تلاش کر رہے ہیں۔ وہ کس کی تلاش ہے جو ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکی۔

تشریح: انسان روزِ ازل ہی سے اپنے خالق کے متعلق تجسس میں مبتلا ہے۔ انسانی طبائع مختلف ہیں۔ اسی لیے خالق کی تلاش کے بھی مختلف انداز ہیں۔ صوفیا ذکر و فکر اور صفائے قلب کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو سائنسدان اور فلسفی اپنے علم اور تجربات کو رہنما بناتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ جیسا جلیل القدر پیغمبر بھی دیدارِ الٰہی کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ ذاتِ باری کی حقیقت تک رسائی کی خواہش کا یہ سفر روزِ ازل سے جاری ہے لیکن انسان کو اس کی منزل نہیں ملی۔ تابش دہلوی نے یہ حقیقت بیان کرنے کے لیے استفہامیہ لہجہ اپنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ازل سے انسان کا مقصود طلب کون ہے۔ وہ کس کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کس کی محبت کا اسیر ہے۔ دوسرے مصرع میں وہ اس محبوب کی ایک نشانی بتاتے ہیں کہ اس کی محبت کے مسافروں کو ابھی تک منزل نہیں مل پائی۔ ان کا سفر ابھی تک جاری ہے۔ منزلِ مقصود ابھی نظر نہیں آئی۔ تابش نے غزل کی مخصوص رمزیت برقرار رکھتے ہوئے انسان اور عشقِ حقیقی کے روایتی موضوع کو بیان کیا ہے۔ استفہامیہ لہجے نے مقطع کی خوبصورتی میں اضافہ کر دیا ہے۔

مشقی سوالات

1: اس غزل کے دوسرے اور آخری شعر کی تشریح کیجیے۔

جواب: سب اشعار کی تشریح ہو چکی ہے۔ حصہ تشریح میں ملاحظہ کیجیے۔

2: غزل کے چوتھے شعر میں تابش کس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں؟ آپ کس حد تک متفق یا غیر متفق ہیں؟ بحث کیجیے۔

جواب: شاعر نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اور اس جیسے دوسرے حساس اور صاحبِ دل لوگ معاشرے میں ہر طرح کی بدعنوانیوں اور برائیوں کے خلاف آخری دم تک نبرد آزما رہے لیکن ان کے بعد آنے والوں میں شاعر اور

اس جیسے لوگوں کا سا جذبہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ نتیجہ یہ کہ اب نہ تو کوئی حالات کو سدھارنے کی جدوجہد کر رہا ہے اور نہ حالات کے بہتر ہونے کی کوئی صورت نظر آتی ہے۔ شعر میں طوفان سے مراد مردانِ حوصلہ مند کے بپھرے ہوئے جذبات ہیں جبکہ ساحل سے مراد معاشرے کا سکون ہے۔

3: غزل میں کچھ الفاظ وتراکیب ایک دوسرے کے متضاد کے طور پر آئے ہیں۔ آپ انہیں تلاش کر کے لکھیے۔

جواب: غزل میں مندرجہ ذیل الفاظ وتراکیب ایک دوسرے کے متضاد کے طور پر استعمال ہوئے ہیں:

○ **مجبوری:** مختاری ○ **آساں:** مشکل ○ **طوفاں:** ساحل ○ **جلوہ صد رنگ:** اشک خوں۔

4: مندرجہ ذیل مرکبات کو اپنے جملوں میں اِس طرح استعمال کیجیے کہ اُن کے معنی واضح ہو جائیں؟

جواب: ○ **کارِ تمنا:** آرزو کا کام' عشاق کی اکثریت کارِ تمنا میں زندگی گزار دیتی ہے مگر کامرانی حاصل نہیں کر پاتی۔

○ **تماشا سوز:** نظارے کو جلانے والا' محبوب کا جلوہ تماشا سوز تھا' وہ بزم میں آیا تو پھر کسی کو کچھ اور دکھائی نہ دیا۔

○ **ہنگامہ آرا:** ہنگامہ کرنے والا۔ ہمسائے شب بھر ہنگامہ آرا رہے اور میں سو نہ سکا۔

○ **چشمِ شوق:** محبت رکھنے والی آنکھ۔ جلوہ محبوب عاشق کی چشمِ شوق کا اثاثہ ہے۔

○ **آدابِ طلب:** طلب کے سلیقے' بادشاہوں سے کچھ حاصل کرنے کے لیے آدابِ طلب سے آگاہی ضروری ہے۔

○ **پائے جستجو:** تلاش کا قدم' خزانے کی تلاش میں کئی مہینے گزر گئے مگر پائے جستجو منزل یاب نہیں ہو سکا۔

○ **شرمندۂ منزل:** منزل پر پہنچنے والا۔ محبوب کی تلاش میں نکلنے والا عاشق ابھی تک شرمندۂ منزل نہیں ہوا۔

○ **اشک خوں:** خون کا آنسو۔ دورِ ہجر میں عشاق محبوب کی یاد میں اشک خوں بہاتے ہیں۔

5: مندرجہ ذیل مصرعوں کو اصل لفظ کی مدد سے مکمل کیجیے:

جواب: **الف:** ہر اِک کارِ تمنا پر یہ مجبوری ' یہ مختاری

ب: وہاں ہم تھے' جہاں پانا ترا مشکل نہیں ہوتا

ج: تمہیں تم ہو کوئی پردہ بھی اب حائل نہیں ہوتا

د: کبھی ہر جلوۂ صد رنگ حاصل تھا نگاہوں کو

☆☆☆

حصہ نظم

مولانا ظفر علی خاں ـــــ (1873ء-1956ء)

شاعر کا تعارف: ظفر علی خاں نام 'ظفر' تخلص' والد کا نام مولانا سراج الدین تھا۔ وزیر آباد اور پٹیالہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ظفر علی خاں نے علی گڑھ کالج سے بی۔اے کیا۔ علی گڑھ کے علمی اور ادبی ماحول نے ان کی ذہنی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ ظفر علی خاں ترجمے کی خداداد صلاحیت رکھتے تھے۔ انہوں نے حیدر آباد میں بطور مترجم ملازمت بھی کی۔ 1909ء میں مولانا سراج الدین خان انتقال کر گئے جس کے بعد مولانا ظفر علی خاں نے ہفتہ وار اخبار ''زمیندار'' کی ادارت کے فرائض سنبھالے۔ انہوں نے زمیندار کو ہفت روزہ کی بجائے روزنامہ بنا دیا اور اسے کرم آباد سے لاہور لے آئے۔ زمیندار اخبار نے انگریز کے خلاف آزادی کی جدوجہد میں تاریخی کردار ادا کیا۔ ظفر علی خاں کو قدرت نے شاعری کی بے پناہ صلاحیت عطا کی تھی۔ وہ صحافتی ضروریات پوری کرنے کے لیے تقریباً روزانہ نظم کہتے تھے۔ ان نظموں کے موضوعات ہنگامی اور سیاسی ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے ان کی شاعری کا بڑا حصہ وقت کے ساتھ ساتھ قارئین کے مطالعہ سے خارج ہوتا چلا گیا لیکن ان کی حمدیہ اور نعتیہ شاعری کی مقبولیت آج بھی برقرار ہے۔ ظفر علی خاں زبان کی صفائی' محاورے کی شستگی اور روزمرہ کی درستی کے حوالے سے معروف ہیں۔ ان کا لہجہ زوردار ہے۔ جوش' ولولہ' بے ساختگی اور روانی ان کے کلام کی وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر نقاد انہیں اردو شعرا کی صف اوّل میں جگہ دیتے ہیں۔

1۔ مولانا ظفر علی خاں ۔۔۔ حمد

مرکزی خیال

خدائے بزرگ و برتر کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ اللہ سب کا رازق ہے۔ اس کی رحمت عام ہے۔ وہ یکتا ہے۔ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ اس کے ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہے۔ اس کی گرفت اور انتقام سخت ہے۔ انسان کو ہمیشہ اس کے رحم کی طلب کرنی چاہیے۔

شعر 1: پہنچتا ہے ہر اک مے کش کے آگے دورِ جام اس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطف عام اس کا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ مے کش: شرابی ○ دورِ جام: پیالے کی گردش' شراب کا دَور ○ تشنہ لب: پیاسا ○ لطفِ عام: عام رحمت

مفہوم: اس کا جام ہر مے کش تک پہنچتا ہے۔ اس کا لطف عام کسی کو پیاسا نہیں رکھتا۔

تشریح: حمد کے پہلے شعر میں مولانا ظفر علی خاں نے اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ ہمیں

بتا رہے ہیں کہ اللہ سب کا پروردگار ہے۔ وہ سب کا پالنے والا ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کا رازق نہیں بلکہ کفار کو بھی روزی وہی دیتا ہے۔ اس کا دور جام ہر ے کش تک پہنچتا ہے۔ یعنی اس کی نعمتیں سب کے لیے ہیں۔ بارش ہوا اور سورج کی روشنی سے جیسے مومنین فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ویسے ہی منکرین بھی مستفید ہوتے ہیں۔ وہ ایسا داتا ہے جو دیتے ہوئے یہ نہیں دیکھتا کہ مانگنے والا کون ہے بلکہ ہر سوالی کی جھولی بھر دیتا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ چاہے تو اس کے وجود کے منکر ایک سانس نہ جی سکیں۔ زمین پر قدم رکھ کر چل نہ سکیں۔ وہ چاہے تو زمین صرف مسلمانوں کے لیے رزق پیدا کرے اور کفار دانہ گندم کو ترس جائیں لیکن اس کی رحمت کو یہ گوارہ نہیں۔ وہ ایسا رحمٰن و رحیم ہے کہ اپنے منکروں کو بھی کھلاتا پلاتا ہے اسی لیے قرآن میں اسے رب المسلمین یا رب المومنین نہیں بلکہ رب العالمین کہا گیا ہے۔ قرآن مجید کی پہلی آیت ہی واضح کر دیتی ہے کہ وہ صرف مسلمانوں ہی کا پالنے والا نہیں بلکہ سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "الحمد للہ رب العلمین" اگلی آیت بتاتی ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے منکر اسے رب تسلیم کرے یا نہ کرے وہ اسے بھی رزق، ہوا، روشنی، پانی اور زندگی سے نوازتا ہے اس کی رحمت سب کے لیے ہے۔ وہ ایسا ساقی ہے جو کسی مے کش کو پیاسا نہیں رکھتا۔

شعر 2: گواہی دے رہی ہے اس کی یکتائی پہ ذات اس کی
دوئی کے نقش سب جھوٹے، ہے سچا ایک نام اس کا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ یکتائی: ایک ہونا ○ دوئی: شرکت، دو سمجھنا ○ نقش: تصویر۔

نثر: اللہ کی ذات پاک اس کی یکتائی کی شہادت دے رہی ہے۔ اس کے شریک بنانے والے جھوٹے ہیں اور صرف اُس کا نام ہی سچا ہے۔

تشریح: مولانا ظفر علی خاں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے لاشریک ہونے کے متعلق خوبصورت شعر کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات خود اس کی یکتائی کی گواہی دے رہی ہے۔ اس کائنات کا ایک ترتیب اور نظم و ضبط کے ساتھ قائم رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو چلانے والا کوئی ایک ہے۔ اگر کائنات کے خالق و مالک اور اسے چلانے والے ایک سے زیادہ ہوں تو کبھی ان میں اختلاف رائے بھی پیدا ہو اور اس اختلاف رائے کا نتیجہ کائنات کی تباہی کی صورت میں برآمد ہو۔ اللہ ایک ہے۔ اس کی مرضی ہے کہ سورج مشرق سے نکلے۔ اس کی مرضی کو چیلنج کرنے والا کوئی دوسرا موجود نہیں لہٰذا سورج ہر روز مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ اللہ کے وجود پر ایمان رکھنے والا ذرا سا غور و فکر کرے اور منطقی انداز میں سوچے تو یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ ایک ہے۔ واحد و یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ الہامی مذاہب نے توحید کا درس دیا لیکن یہودیوں نے حضرت عزیرؑ اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہہ کر شرک کیا۔ بت پرستوں نے اللہ کے کئی شریک بنا لیے۔ ہندو ہزاروں لاکھوں دیوتاؤں کے پجاری بن بیٹھے۔ ظفر علی خاں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والے جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور وحدانیت کا واضح اعلان سورۃ اخلاص میں کیا ہے۔

ارشاد ہوا: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ ۝ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝"

ترجمہ: کہو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کسی نے اسے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں

شعر 3: ہر اِک ذرہ فضا کا داستاں اس کی سناتا ہے
ہر اِک جھونکا ہوا کا آ کے دیتا ہے پیام اس کا

نثر: فضا کا ہر ذرہ اس کی داستان سناتا اور ہوا کا ہر جھونکا اس کا پیغام دیتا ہے۔

تشریح: ہر تخلیق اپنے خالق کا تعارف ہوتی ہے۔ ہم تصویر دیکھتے ہیں تو مصور کو پہچانتے ہیں۔ شعر سنتے ہیں تو شاعر کے فن کی داد دیتے ہیں۔ عمارت دیکھتے ہیں تو معمار کی مہارت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ گویا تصویر مصور کے فن کی دلیل، شعر شاعر کی قادر الکلامی کی علامت اور عمارت معمار کی ہنرمندی کا ثبوت ہے۔ بالکل اسی طرح یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا زندہ ثبوت ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اعلان کر رہا ہے کہ کوئی بنانے والا ہے۔ سورج، چاند اور ستارے کسی روشنی گر کا پتہ دیتے ہیں۔ پہاڑ اور سمندر کسی صاحب جلال تخلیق کار کے فن کا اظہار ہیں۔ پھول، رنگ اور خوشبو کسی صاحب جمال خالق کی تخلیق ہیں۔ انسان کا اپنا وجود اللہ تعالیٰ کے ہونے کی عظیم دلیل ہے۔ تمام مظاہر فطرت اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہیں۔ ظفر علی خاں کہتے ہیں کہ ذرہ ذرہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کی داستان سناتا ہے اور ہوا کا ہر جھونکا اس کی وحدانیت اور یکتائی کا پیغام دیتا ہے۔ ہر تخلیق ہمیں یہ بتاتی ہے کہ کوئی خلق کرنے والا ہے۔ ہوا کے جھونکے اللہ کے وجود کا ثبوت ہیں۔

شعر 4: سراپا معصیت میں ہوں، سراپا مغفرت وہ ہے
خطا کوشی روش میری، خطا پوشی ہے کام اُس کا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **معصیت:** گناہ ○ **مغفرت:** بخشش ○ **روش:** عادت ○ **خطاپوشی:** گناہ پر پردہ ڈالنا ○ **خطا کوشی:** قصور کرنا، غلطی کی کوشش کرنا۔

نثر: میں سراپا گناہ ہوں اور وہ سراپا بخشش ہے۔ غلطی کرنا میری عادت اور غلطی کو چھپانا اس کا کام ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔ وہ ستار العیوب ہے۔ غفار الذنوب ہے۔ عیب چھپاتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے۔ وہ رحمٰن و رحیم ہے۔ انسانوں کی اکثریت اس کی نافرمان ہے لیکن وہ ان نافرمانوں کو رزق دیتا ہے۔ اولاد سے نوازتا ہے۔ مشرکین کو بھی پالتا ہے۔ خدائی کے دعویداروں کو بھی کھلاتا پلاتا ہے۔ دنیا کے حاکم اپنے مجرموں کو سزا دینے میں لمحہ بھر کی تاخیر گوارا نہیں کرتے لیکن وہ احکم الحاکمین ایسا بخشنے والا ہے کہ معافی مانگنے والے کی زندگی بھر کے گناہ بخشش دیتا ہے۔ ظفر علی خاں گنہگاروں کی نمائندگی کرتے ہوئے بہت عجز کے ساتھ کہتے ہیں کہ مولا! میں سراپا گناہ ہوں اور تو بخشش ہی بخشش ہے۔ میں جرم ہی جرم ہوں تو معافی ہی معافی ہے۔ میں خطا ہی خطا ہوں تو عطا ہی عطا ہے۔ تیری رحمت میرے ہر عیب کو چھپا لیتی ہے۔ خطا کرنا میری عادت ہے اور کرم کرنا تیرا کام ہے۔ تو خطا پوش ہے۔ میرے گناہ نہ صرف معاف کرتا ہے بلکہ انہیں دنیا

سے چھپا لیتا ہے تاکہ میری عزت اور وقار برقرار رہے۔

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا — پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر — لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

شعر 5: مری افتادگی بھی میرے حق میں اس کی رحمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اُس کا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **افتادگی:** گرنا، بے بسی، عاجزی۔

نثر: میری بے بسی میرے لیے رحمت ثابت ہوئی کہ میں نے گرتے گرتے اُس کا دامن تھام لیا۔

تشریح: عام مشاہدے کی بات ہے کہ بعض اوقات مشکل اور ناموافق حالات زندگی میں اصلاح کا سبب بن جاتے ہیں۔ ظفر علی خاں بھی یہی بات کہہ رہے ہیں۔ وہ اپنی بے بسی، عاجزی اور دنیاوی سہاروں سے محرومی کو اپنے لیے باعث رحمت قرار دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میری بے بسی مجھ پر خدا کا احسان تھی۔ جو لوگ دنیاوی سہارے رکھتے ہیں وہ ہر مصیبت اور مشکل میں فطری طور پر ان سہاروں کی طرف دیکھتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ان کے مسائل انہی کے ذریعے حل ہو جائیں گے۔ اس طرح ان لوگوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے جس کا کوئی سہارا نہ ہو وہ ہر مشکل اور ہر مصیبت میں صرف اللہ کو یاد کرتا ہے

ع تا خدا جن کا نہ ہو ان کا خدا ہوتا ہے

دنیاوی سہاروں سے محروم آدمی کڑے وقت میں کسی وزیر، مشیر، رکن اسمبلی، افسر، چوہدری صاحب یا ملک مالک سے مدد نہیں مانگتا، کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے کسی سے کوئی تعلق واسطہ ہی نہیں رکھتا۔ اس کی یہ بے بسی اس کے حق میں رحمت ثابت ہوتی ہے کہ اس کا سر نیاز صرف بارگاہ ایزدی ہی میں جھکتا ہے۔ وہ صرف اسی سے مدد مانگتا ہے جس سے واقعی مدد مانگنی چاہیے۔ ظفر علی خاں کہتے ہیں کہ میری عاجزی اور بے بسی خدا کی رحمت تھی۔ مجھ پر مشکل آ پڑی تو میں نے غیر اللہ کا سہارا لینے کی بجائے اللہ سے مدد مانگی اور اسی کا سہارا لیا۔

شعر 6: ہوئی ختم اس کی حجت اس زمیں کے بسنے والوں پر
کہ پہنچایا ہے ان سب تک محمد ﷺ نے کلام اس کا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **حجت:** دلیل۔

نثر: انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہو گئی۔ حضرت محمد ﷺ نے سب تک کلام اللہ پہنچا دیا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے بنی نوع آدم کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ایک لاکھ سے زائد انبیا بھیجے۔ سب انبیا نے اپنی قوم اور اپنے علاقے کے لوگوں تک دین حق پہنچایا۔ پھر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری ہوئی۔ آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیا کسی مخصوص علاقے کی ہدایت اور کسی مخصوص قوم کی رہنمائی کے لیے بھیجے گئے تھے لیکن آپ ﷺ کو پوری دنیا اور پوری اولاد آدم کی رہنمائی کا فریضہ سونپا گیا۔ آپ ﷺ کے بعد نبوت و رسالت کا

سلسلہ ختم ہوتا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کو جامعیت و اکملیت عطا کی اور آپ ﷺ پر اپنی آخری کتاب بھی نازل فرمائی۔ قرآن پاک اور سیرت طیبہ میں قیامت تک تمام انسانوں کی رہنمائی کا سامان ہے۔ ایک لاکھ سے زائد انبیا جو دعوت اور دین حق لے کر دنیا میں آتے رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے اس دعوت اور دین کی تکمیل ہوگئی۔ قرآن پاک میں اس تکمیل کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

ظفر علی خاں کہتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے اللہ کا کلام بنی نوع آدم تک پہنچایا اس طرح اہل زمین پر اللہ کی حجت تمام ہوگئی۔ قبول حق کے لیے اب کسی ذی ہوش شخص کو کسی اور الہامی کتاب یا کسی اور پیغمبر کی کوئی ضرورت نہیں۔

شعر 7: بجھاتے ہی رہے پھونکوں سے کافر اس کو رہ رہ کر
مگر نور اپنی ساعت پر رہا ہو کر تمام اس کا

نثر: کفار نور ہدایت کو بجھانے کے لیے پھونکیں مارتے رہے لیکن اس کے نور کو فتح حاصل ہوئی۔

تشریح مولانا ظفر علی خاں نے تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں دین حق کے خلاف کفار کی سازشوں اور بالآخر دین حق کے غالب آنے کا مضمون خوبصورت انداز میں نظم کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ والوں کو ہر دور میں باطل قوتوں کی مخالفت اور دشمنی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو بادشاہ وقت نے آگ میں پھینکا۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف برسر پیکار رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش ہوئی۔ مشرکین مکہ نے حضرت محمد ﷺ کو مظالم کا نشانہ بنایا۔ ان سب کفار کی انبیا سے کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی بلکہ کفار تو اللہ کے دشمن تھے۔ وہ نور حق سے عداوت رکھتے تھے۔ ان کی کوششوں کا مقصد یہ تھا کہ دنیا پر کفر، شرک، ظلم، ناانصافی اور جہالت کی حکمرانی قائم رہے اور ایمان کا نور پھیلنے نہ پائے۔ ابلیس کے بہکائے ہوئے لوگوں نے ہر دور میں چراغ ہدایت کو پھونکیں مار مار کر بجھانا چاہا مگر

؎ فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں آخری فتح حق کی ہوئی۔ نمرود مچھر کے ہاتھوں ذلت کی موت مارا گیا۔ فرعون اپنے ساتھیوں سمیت دریا میں غرق ہوگیا۔ بدر میں 313 مجاہدین اسلام نے ایک ہزار کفار کو شکست دی اور ابوجہل فنافی النار ہوا۔ چند برس بعد ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اسی مکہ میں بطور فاتح داخل ہوئے جس

سے انہیں ہجرت پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ یعنی ہر زمانے میں کفار کو شکست ہوئی۔ پھونکیں مارنے والے ہاتھ ملتے گئے اور چراغ حق کی روشنی دنیا میں پھیل کر رہی۔

مشقی سوالات

1: ''شاعر نے ''حمد'' میں باری تعالیٰ کی کون کون سی صفات کو بیان کیا ہے؟''

جواب: شاعر نے حمد میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کا رازق ہے۔ وہ ربّ العالمین ہے۔ اس کا لطف و کرم سب پر یکساں ہے۔ وہ واحد و یکتا ہے۔ وہ حاضر و ناظر ہے۔ وہ ستار و غفار ہے۔ رحمٰن و رحیم ہے۔ وہ مخلوق پر حضرت محمد ﷺ کے ذریعے حجت تمام کرنے والا ہے۔ وہ جبار اور قہار ہے۔ اس کا انتقام سخت ہے۔

2: تراکیب کے معانی لکھیے۔

دورِ جام، لطفِ عام، تشنہ لب، خطا کوشی، دیر گیری

جواب: تراکیب کے معانی ملاحظہ کیجیے:

- دورِ جام: پیالے کی گردش، شراب کا دور
- لطفِ عام: عام رحمت، وہ لطف و کرم جو سب کے لیے یکساں اور برابر ہو
- تشنہ لب: خشک ہونٹ، مراد ہے پیاسا
- خطا کوشی: غلطی کرنے کے لیے کوشش کرنا، گناہ کرنا
- دیر گیری: تاخیر کرنا، برداشت

3: مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب کی مدد سے واضح کیجیے۔

الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب
تشنہ	تِشْنَہ	معصیت	مَعْصِیَتْ
روش	رَوِشْ	محبت	مُحَبَّتْ
ساعت	سَاعَتْ	تحمل	تَحَمُّلْ

4: ہوئی ختم اس کی حجت اس زمیں کے بسنے والوں پر

کہ پہنچایا ہے ان سب تک محمد ﷺ نے کلام اس کا

اس شعر کی تشریح اپنے استاد کی مدد سے خطبہ حجۃ الوداع کے حوالے سے کیجیے۔

جواب: خطبہ حجۃ الوداع عظیم الشان بین الاقوامی دستاویز ہے۔ حضور ﷺ نے 23 سال تک اسلام کی تبلیغ کی۔ 10 ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر ایک طویل خطبہ دیا، جس میں مساوات کا درس، اسلام کے بنیادی ارکان کی ادائیگی اور اعمال کی جواب دہی، وحدت و اخوت، جان و مال و عزت کی حرمت، ہدایت ربانی کا ذریعہ، جذبہ انتقام اور سودی کاروبار کا خاتمہ، عورتوں کے حقوق کا تحفظ، غلاموں سے حسنِ سلوک، اطاعت امیر، مظلوم، بیوہ اور یتیم کی دستگیری

وغیرہ جیسے امور کو اپنا موضوع بنایا۔ شاعر اس حوالے سے کہتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام زمین پر بسنے والے انسانوں تک پہنچا دیا۔ اب انسانوں کا فرض ہے کہ وہ حضور ﷺ کے پیغام پر عمل کر کے اپنا دین اور دُنیا سنواریں۔

5: اس حمد کے قوافی اور ردیف کی نشان دہی کیجیے۔

جواب: قافیہ ردیف کی پہچان / نشان دہی۔

ردیف کی غیر موجودگی میں ہر شعر کے آخر میں آنے والے ہم آواز الفاظ کو ''قافیہ'' کہا جاتا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں کی ''حمد'' میں قافیہ اور ردیف یہ ہیں۔

قافیہ: جامُ عامُ نامُ کامُ تھامُ کلامُ تمام

ردیف: اُس کا

☆ کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے قائم کر کے درست جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
حمد	داستان اُس کی سناتا ہے	مولانا ظفر علی خاں
دوئی کے نقش سب جھوٹے	یکتائی پہ ذات اُس کی	ہے سچا ایک نام اُس کا
ہر اک ذرّہ فضا کا	خطا پوشی ہے کام اُس کا	داستان اُس کی سناتا ہے
خطا کوشی روش میری	مولانا ظفر علی خاں	خطا پوشی ہے کام اُس کا
گواہی دے رہی ہے اُس کی	ہے سچا ایک نام اُس کا	یکتائی پہ ذات اُس کی

☆☆☆

حفیظ تائب ـــــ (1931ء-2004ء)

شاعر کا تعارف: حفیظ تائب ضلع گوجرانوالہ کے ایک گاؤں احمد نگر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حاجی چراغ دین مدرس تھے۔ دین سے محبت اور عشق رسولؐ کا جذبہ حفیظ تائب کو وراثت میں ملا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے واپڈا میں ملازمت اختیار کر لی لیکن ملازمت کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیمی قابلیت بڑھانے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ بعد میں وہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ پنجابی میں تدریسی فرائض سرانجام دینے لگے۔ 1991ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد بھی انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ حفیظ تائب کی پہچان اور حوالہ ان کی عشق رسولؐ میں ڈوبی ہوئی نعتیں ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد جن شعرا نے نعت گوئی کو ایک تحریک کی شکل دی ان میں حفیظ تائب کا نام اہم ترین ہے۔ حفیظ کی نعتوں میں اعلیٰ شاعری کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ سیرت طیبہ اور اسلامی علوم کے مطالعہ نے ان کی نعت کا فکری پہلو بہت مضبوط بنا دیا ہے۔ حفیظ تائب نے نعت روایت یا رواج کی پاسداری کے طور پر نہیں کہی بلکہ ان کی واردات قلبی کے اظہار کے لیے یہی صنف مناسب ترین ہے۔ حفیظ تائب کی نعت میں تغزل بھی ہے اور تقدس بھی۔ ان کے مضامین میں تنوع ہے۔ وہ رسولؐ کے حسن و جمال، سیرت

وغیرہ جیسے امور کو اپنا موضوع بنایا۔ شاعر اس حوالے سے کہتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام زمین پر بسنے والے انسانوں تک پہنچا دیا۔ اب انسانوں کا فرض ہے کہ وہ حضور ﷺ کے پیغام پر عمل کر کے اپنا دین اور دُنیا سنواریں۔

5: اس حمد کے قوافی اور ردیف کی نشان دہی کیجیے۔

جواب: قافیہ ردیف کی پہچان / نشان دہی۔

ردیف کی غیر موجودگی میں ہر شعر کے آخر میں آنے والے ہم آواز الفاظ کو ''قافیہ'' کہا جاتا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں کی ''حمد'' میں قافیہ اور ردیف یہ ہیں۔

قافیہ: جامُ عامُ نامُ کامُ تھامُ کلامُ تمام

ردیف: اُس کا

☆ کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے قائم کر کے درست جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
حمد	داستان اُس کی سناتا ہے	مولانا ظفر علی خاں
دوئی کے نقش سب جھوٹے	یکتائی پہ ذات اُس کی	ہے سچا ایک نام اُس کا
ہر اک ذرّہ فضا کا	خطا پوشی ہے کام اُس کا	داستان اُس کی سناتا ہے
خطا کوشی روش میری	مولانا ظفر علی خاں	خطا پوشی ہے کام اُس کا
گواہی دے رہی ہے اُس کی	ہے سچا ایک نام اُس کا	یکتائی پہ ذات اُس کی

☆☆☆

حفیظ تائب ـــــ (1931ء-2004ء)

شاعر کا تعارف: حفیظ تائب ضلع گوجرانوالہ کے ایک گاؤں احمد نگر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حاجی چراغ دین مدرس تھے۔ دین سے محبت اور عشق رسولؐ کا جذبہ حفیظ تائب کو وراثت میں ملا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے واپڈا میں ملازمت اختیار کر لی لیکن ملازمت کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیمی قابلیت بڑھانے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ بعد میں وہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ پنجابی میں تدریسی فرائض سرانجام دینے لگے۔ 1991ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد بھی انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ حفیظ تائب کی پہچان اور حوالہ ان کی عشق رسولؐ میں ڈوبی ہوئی نعتیں ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد جن شعرا نے نعت گوئی کو ایک تحریک کی شکل دی ان میں حفیظ تائب کا نام اہم ترین ہے۔ حفیظ کی نعتوں میں اعلیٰ شاعری کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ سیرت طیبہ اور اسلامی علوم کے مطالعہ نے ان کی نعت کا فکری پہلو بہت مضبوط بنا دیا ہے۔ حفیظ تائب نے نعت روایت یا رواج کی پاسداری کے طور پر نہیں کہی بلکہ ان کی واردات قلبی کے اظہار کے لیے یہی صنف مناسب ترین ہے۔ حفیظ تائب کی نعت میں تغزل بھی ہے اور تقدس بھی۔ ان کے مضامین میں تنوع ہے۔ وہ رسولؐ کے حسن و جمال، سیرت

عادات واخلاق' تاریخ اسلام کے واقعات' صحابہ کی جانثاری' مسلمانوں کے سیاسی زوال اور من حیث القوم ان کی پسماندگی کو موضوع سخن بناتے ہیں۔ ان کی نعتوں کو عوام اور خواص میں یکساں مقبولیت حاصل ہے۔

2۔ حفیظ تائب ـــــ نعت

مرکزی خیال

رسول اکرم صورت' سیرت' کردار اور خاندان' ہر اعتبار سے بہترین انسان ہیں۔ وہ مخلوق کے چارہ گر' صاحب معجزہ شق القمر اور شفیع روز محشر ہیں۔ ان کی دعا ملت اسلامیہ کو پھر اوج کمال عطا کر سکتی ہے اور ان کی نظر کرم ہر عاشق کو در پہ بلا سکتی ہے۔

شعر 1: خوش خصال و خوش خیال و خوش خبر' خیر البشرؐ
خوش نژاد و خوش نہاد و خوش نظر' خیر البشرؐ

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **خوش خصال:** اچھی عادات والا ○ **خوش خبر:** اچھی خبر دینے والا ○ **خیر البشر:** بہترین بشر ○ **خوش نژاد:** اچھے خاندان والا ○ **خوش نہاد:** اچھی بنیاد والا

نثر: رسول ﷺ اکرم بہترین انسان ہیں' اچھی عادات اور اچھے افکار والے ہیں' اچھی خبر دینے والے' اچھے خاندان والے' اچھی بنیاد والے اور اچھی نظر رکھنے والے ہیں۔

تشریح: حفیظ تائب کا شمار ان شعرا میں ہوتا ہے جنہوں نے قیام پاکستان کے بعد نعت گوئی کو ایک تحریک کی شکل دی۔ ان کی نعتوں کو ادبی اور عوامی حلقوں میں بیک وقت مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ شامل نصاب نعت شاعرانہ محاسن' فصاحت و بلاغت اور بارگاہ رسالت کے ادب و احترام کا عمدہ نمونہ ہے۔ نعت کے مطلع میں تائب نے رسول ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے آپ ﷺ کی چند خصوصیات کو موضوع سخن بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پیارے پیغمبر علیہ السلام اچھی عادات اور اچھے افکار والے ہیں۔ آپ کے اخلاق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم"

آپ بنی نوع آدم کو جہنم سے نجات کی خوشخبری دینے والے ہیں۔ دعوت اسلام دراصل جنت میں داخل ہونے کی دعوت ہے جو آپ ﷺ نے پہنچائی۔ آپ ﷺ خوش نژاد یعنی اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ خوش نہاد یعنی اچھی بنیاد والے ہیں۔ حدیث کے مطابق رسول ﷺ اکرم کا خاندان دنیا بھر کے خاندانوں میں افضل ترین ہے۔ آپ ﷺ خیر البشر یعنی بہترین انسان ہیں۔ آپ ﷺ سے بہتر انسان پیدا ہوا نہ ہوگا۔ تائب نے رسول ﷺ اکرم کی چند خوبیاں والہانہ لہجے میں بیان کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی خوبیاں بے شمار ہیں۔ کوئی انسان عمر بھر انہیں شمار کرتا رہے تو شمار نہیں کر سکتا۔ لکھتا رہے تو لکھ نہیں سکتا۔

؎ بشر لکھنا بھی چاہے، لکھ نہ پائے
ہیں اتنی خوبیاں خیرالبشرﷺ میں

شعر 2: دل نواز و دل پذیر و دلنشین و دل کشا
چارہ ساز و چارہ کار و چارہ گر خیرالبشرﷺ

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **دل نواز:** دل کو تسلی دینے والا ○ **دلنشین:** دل میں بیٹھ جانے والا ○ **دل کشا:** روشن ○ **چارہ ساز:** کام بنانے والا ○ **چارہ کار:** مدد کرنے والا ○ **چارہ گر:** معالج

نثر: بہترین انسان یعنی رسول ﷺ اکرم دلوں کو تسلی دینے والے، حسین و جمیل، دل میں جگہ بنانے والے، لوگوں کے بگڑے کام بنانے والے ان کی مدد اور علاج کرنے والے ہیں۔

تشریح: نعت کے دوسرے شعر میں بھی حفیظ تائب نے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اوصاف شماری جاری رکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے آقا دکھی دلوں کو تسلی دینے والے ہیں۔ ان کا حسن و جمال ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا اور علاج ہے۔ وہ جمال جہاں تاب دلوں میں گھر کر جاتا ہے۔ آپ ﷺ خالق کائنات کی حسین ترین تخلیق ہیں۔ احادیث میں صحابہ کرامؓ کی زبان سے بیان ہوا ہے کہ چودھویں شب میں رسول ﷺ اکرم کا چہرہ مبارک مہ کامل سے زیادہ روشن دکھائی دیتا تھا۔ حسن صورت کے علاوہ حسن سیرت میں بھی آپ ﷺ بے مثل ہیں آپ ﷺ لوگوں کے بگڑے ہوئے کام اللہ تعالیٰ کے اذن سے بنا دیتے ہیں۔ مشکل میں گھرے ہوئے امتیوں کی مدد فرماتے ہیں۔ بیماروں کا علاج کرتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ روحانی امراض کا علاج کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے جسمانی امراض میں مبتلا لوگوں کو بھی دعا اور دوا دی ہے۔ اس حوالے سے جنگ خیبر کا واقعہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے جب حضرت علیؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے اور آپ ﷺ کا لعاب دہن لگانے سے ان کی آنکھیں اچھی ہو گئی تھیں۔ اسی طرح امام شرف الدین بوصیری نے شدید علالت کے عالم میں اپنا مشہور قصیدہ کہا تو خواب میں رسول ﷺ اکرم کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے بوصیری کو اپنی چادر عطا فرمائی۔ بوصیری بیدار ہوئے تو صحت یاب ہو چکے تھے۔ ایسے کئی واقعات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے رسول ﷺ اکرم چارہ سازی اور چارہ گری بھی فرماتے ہیں۔

شعر 3: سربسر مہر و مروّت، سربسر صدق و صفا
سربسر لطف و عنایت، سربسر خیرالبشرﷺ

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **سربسر:** سراپا، اس سرے سے اُس سرے تک، تمام ○ **صدق و صفا:** سچائی اور پاکیزگی ○ **مہر:** محبت

نثر: رسول ﷺ پاک سراپا محبت، سچائی، پاکیزگی، عنایت اور مروت ہیں۔ آپ ﷺ بہترین انسان ہیں۔

تشریح: حفیظ تائب کے ہر لفظ سے عشق رسول ﷺ کی خوشبو آتی ہے۔ شامل نصاب نعت میں ایک سچا عاشق

اپنے محبوب کی تعریف کر رہا ہے۔ جذبے کی صداقت نے ہر شعر کو تاثیر کی دولت عطا کر دی ہے۔ تیسرے شعر میں تالب کہتے ہیں کہ ہمارے پیارے پیغمبر علیہ السلام سراپا محبت و مروت ہیں۔ آپ ﷺ رحمت اللعالمین ہیں۔ دوستوں کے ساتھ ہر کوئی محبت کرتا ہے لیکن ہمارے نبیؐ دشمنوں سے بھی پیار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ سراپا رحمت ہیں۔ رحمت کی ایک جھلک یہ ہے کہ آپ ﷺ طائف کی گلیوں میں پتھر برسانے والوں کو بھی دعائیں دیتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ اس کی رحمت کی بھلا آخری حد کیا ہوگی
دوست کی طرح جو دشمن کو دعا دیتا ہے

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ ان جانی دشمنوں کو بھی معاف کر دیتے ہیں جن کی دشمنی کے باعث آپ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی تھی۔ آپ ﷺ سراپا صدق و صفا ہیں۔ آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ لانے والے بھی یہ مانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کفار بھی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس رکھواتے ہیں۔ مدینے کے یہودی بھی باہمی تنازعات میں فیصلہ آپ ہی سے کرواتے ہیں کیونکہ

؎ اس کا دشمن بھی مانتا ہے کہ وہ
صادق و صاحب امانت ہے

آپ ﷺ سراپا لطف و عنایت ہیں۔ کرم ہی کرم ہیں۔ عطا ہی عطا ہیں۔ ہر اعتبار سے بہترین اور بے مثل انسان ہیں۔ حسن صورت میں آپ ﷺ کی کوئی نظیر ہے نہ حسن سیرت میں کوئی مثال ہے۔

شعر 4: صاحب خُلقِ عظیم و صاحب لطفِ عمیم
صاحب حق، صاحب شق القمر، خیرالبشر ﷺ

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **صاحب خلقِ عظیم**: عظیم اخلاق والا ○ **لطفِ عمیم**: عام مہربانی ○ **شق القمر**: حضور ﷺ اکرم کا معجزہ جس میں آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے

نثر: آپ عظیم سیرت کے حامل اور سب پر مہربانی کرنے والے، حق والے اور چاند کو دو ٹکڑے کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ بہترین انسان ہیں۔

تشریح: ہمارے پیغمبر ﷺ صاحب خلق عظیم ہیں۔ آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق قرآن میں ارشاد ہوا:

''وانک لعلیٰ خُلقٍ عظیم''

اور بیشک آپ ﷺ کا خلق عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ ﷺ کی سیرت کو پوری اولاد آدم کے لیے نمونہ عمل قرار دیا ہے ارشاد ربانی ہے: ''لقد کان لکم رسول اللہ اسوۃ حسنۃ''

بے شک تمہارے لیے رسول ﷺ اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔

رسول ﷺ پاک کی سیرت خیر کا معیار ہے۔ کوئی انسان آپ ﷺ کی سنت پر جس قدر عمل کرے گا اس کی سیرت میں اتنا ہی نکھار آئے گا۔ اپنی اصلاح کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی سیرت کو محبوب خدا کی سیرت کے مطابق ڈھالتا چلا جائے۔

؎ عظمت انسان کا بس اک یہی معیار ہے
عادتوں میں عکس آئے آپ ﷺ کی عادات کا

حفیظ تائب کہتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ صاحب لطف عمیم ہیں۔ ان کی رحمت عام ہے۔ سب کے لیے ہے۔ قرآن میں آپ ﷺ کو رحمت اللعالمین کہا گیا۔ عالمین کے لفظ سے واضح ہو گیا کہ رسول ﷺ اللہ صرف مسلمانوں ہی کیلئے نہیں بلکہ سب جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ خدا رب العالمین ہے تو محبوب خدا رحمت اللعالمین ہیں۔ خدا کی ساری خدائی مصطفیٰ ﷺ کی رحمت سے مستفیض ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ صاحب حق ہیں۔ سراپا نور ہدایت ہیں۔ آپ ﷺ صاحب شق القمر ہیں۔ کفار مکہ نے نبوت کی دلیل کے طور پر مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ چاند کے ٹکڑے کر کے دکھائیں تو آپ ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ بقول شاعر

؎ کفار نے دلیل طلب کی زمین پر
اور چاند آسمان پہ ٹکڑوں میں بٹ گیا

حفیظ تائب نے قرآن و حدیث اور سیرت طیبہ کے واقعات سے مضامین اخذ کیے ہیں۔ نعت کا یہ شعر شاعر کی علوم دینیہ سے آگاہی کا آئینہ دار ہے۔

شعر 5: کارزار دہر میں وجہ ظفر، وجہ سکوں
عرصۂ محشر میں وجہ درگزر خیرالبشر ﷺ

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **کارزار دہر:** زمانے کی جنگ ○ **وجہ ظفر:** کامیابی کی وجہ ○ **عرصہ محشر:** میدان حشر
نثر: حضور ﷺ اکرم دنیا کی جنگ میں کامیابی اور سکون کا باعث ہیں۔ حشر میں ہم آپ ﷺ ہی کی سفارش سے بخشے جائیں گے۔

تشریح: حفیظ تائب بتا رہے ہیں کہ اولاد آدم کو اس دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی رسول ﷺ اکرم کا سہارا درکار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کارزار دہر میں کامیابی آپ ﷺ ہی کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔ مسلمان اپنی وابستگی کا مرکز آپ ﷺ کی ذات گرامی کو بنا لیں تو پھر ہر میدان میں فتح قدم چومتی ہے۔ 313 نہتے مسلمان تین گنا زیادہ کفار کو شکست دیتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے ایک بڑے حصے پر اسلامی پرچم لہرا دیتے ہیں لیکن جب مسلمانوں کی محبت کے مراکز بدل جائیں، ذات رسول ﷺ سے ان کا تعلق کمزور ہو جائے تو پھر ذلت و رسوائی ان کے حصے میں آتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر عمل اور آپ ﷺ سے جذباتی تعلق وجہ ظفر بھی ہے اور وجہ سکون بھی۔ اسی طرح میدان حشر میں جب گنہ گاروں کو کوئی سہارا نہیں ملے گا تو پھر آپ ﷺ ہی

ان کی شفاعت کریں گے۔ آپ ﷺ کی شفاعت کبریٰ ان کی نجات اور مغفرت کا سبب بنے گی۔ ثابت ہو گیا کہ

ہو عرصہ حیات کہ میدان حشر ہو
انسان کو رہے گی ضرورت حضورؐ کی

شعر 6: رُونما کب ہو گا راہ زیست پر منزل کا چاند
ختم کب ہو گا اندھیروں کا سفر' خیرالبشر ﷺ

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **راہ زیست:** زندگی کا راستہ

نثر: اے بہترین انسان! زندگی کی راہ پر منزل کا چاند کب دکھائی دے گا' اندھیروں کا سفر کب ختم ہو گا۔

تشریح: نعت میں استمداد اور فریاد کے رنگ کو مسلمانوں کے سیاسی زوال کے دور میں فروغ حاصل ہوا۔ حساس نعت گو شعرا نے امت کی زبوں حالی کو دیکھا تو بارگاہ رسالت مآب میں یہ گزارش کی کہ حضور! آپؐ کے نام لیوا مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ آپؐ اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ امت مسلمہ کے حالات بدل دے۔ نعت کے چھٹے شعر میں تائب بھی سفر زیست کی بے سمتی کا شکوہ کر رہے ہیں۔ وہ اندھیروں کے اس سفر کا خاتمہ چاہتے ہیں اور منزل کے چاند کو دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ اس سے ملتا جلتا مضمون ایک شاعر نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے۔

بس اب منزل دکھا دیجیے
مسافر تھک گیا آقا ﷺ

زندگی کے سفر نے شاعر کو تھکا دیا ہے۔ وہ مسلسل مصروف سفر ہے لیکن منزل کے آثار نظر نہیں آتے حالات کی تاریکی میں روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔ ایسے میں وہ اپنا یہ دکھ رسول ﷺ اللہ کی بارگاہ اقدس میں بیان کرتا ہے۔ فطرت انسانی ہے کہ ہم اپنا دکھ اسی کو بتاتے ہیں جسے اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھتے ہیں اور جس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ تائب مرد مومن ہیں اور ان کی محبوب ترین ہستی رسول اکرم ﷺ ہیں۔ وہ آپ ﷺ ہی کو اپنا چارہ گر سمجھتے ہیں اس لیے تلخی حالات کی تفصیل آپؐ ہی کو بتا رہے ہیں۔

شعر 7: کب ملے گا ملتِ بیضا کو پھر اوجِ کمال
کب شبِ حالات کی ہو گی سحر' خیرالبشر ﷺ

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **ملتِ بیضا:** روشن ملت' مسلمان قوم ○ **اوج:** بلندی

نثر: امت مسلمہ کو دوبارہ عروج کب حاصل ہو گا۔ حالات کی رات کا سویرا کب ہو گا۔

تشریح: چھٹے شعر میں ذاتی کرب اور محرومی کا شکوہ کرنے کے بعد ساتویں شعر میں حفیظ تائب نے ملی آشوب' امت مسلمہ کے زوال اور بدحالی کی شکایت کی ہے۔ وہ رسول اکرم ﷺ سے سوال کر رہے ہیں کہ اے آقا! مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ کب واپس ملے گی۔ ان کا زوال عروج میں کب بدلے گا۔ ان کی بدحالی خوش حالی میں کب تبدیل ہو گی۔ وہ دنیا کی امامت اور قیادت کے منصب پر بحال کب ہوں گے۔ آقا! شب حالات کے خاتمے

کے آثار نظر نہیں آتے۔ مسلمان دنیا بھر میں ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ وہ پٹ رہے ہیں۔ کشمیر اور فلسطین میں ان کا خون بہہ رہا ہے۔ افغانستان اور عراق میں ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ کفار انہیں ستا رہے ہیں۔ ظلم کی اس تاریک رات کا سویرا کب نمودار ہوگا۔ آپ کی امت دنیا پر دوبارہ حکومت کب کرے گی۔ حفیظ کے سوال سے عیاں ہے کہ وہ مسلمانوں کو دوبارہ عروج کی منزل پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ مظفر وارثی نے اپنی ایک مشہور نعت میں اس خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

پھر گدڑیوں کو لال دے — جاں پتھروں میں ڈال دے
حاوی ہوں مستقبل پہ ہم — ماضی سا ہم کو حال دے
دعویٰ ہے تیری چاہ کا — اس امت گمراہ کا
تیرے سوا کوئی نہیں — یا رحمت اللعالمین

شعر 8: در پہ پہنچے کس طرح وہ بے نوا' بے بال و پر
اک نظر تائبؔ کے حال زار پر' خیرالبشرؐ

مشکل الفاظ کے معانی: ○ بے نوا: دنیاوی وسائل سے محروم شخص ○ بے بال و پر: بے یار و مددگار ناتواں

نثر: تائب دنیاوی وسائل سے محروم اور ناتواں ہے۔ وہ آپ کے در پر کیسے پہنچے۔ حضور اس کے حال پر نظر کرم فرمایئے

تشریح: مدینہ طیبہ سے دوری' وہاں جانے کی خواہش اور حاضری کے ظاہری وسائل سے محرومی، اردو نعت کے وہ اہم موضوعات ہیں جنہیں ہر نعت گو نے اپنے انداز میں نظم کیا ہے۔ حفیظ تائب کا انداز منفرد اور دلنشین ہے۔ وہ مدینہ منورہ کے ہجر میں تڑپ رہے ہیں۔ تائب وہ گلیاں دیکھنا چاہتے ہیں۔ جن میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم چلتے پھرتے رہے۔ وہ آپ کے روضے کے سامنے کھڑے ہو کر سلام پیش کرنے کی تمنائی ہیں۔ وہ سبز گنبد کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی مفلسی اس مبارک خواہش کی تکمیل میں رکاوٹ ہے۔ وہ وسائل سے محرومی کا شکوہ کر رہے ہیں۔ وہ حضور اکرم ﷺ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ آقا! میرے پاس روپیہ پیسہ نہیں' میں بے یار و مددگار ہوں' ظاہری وسائل نہیں رکھتا۔ میری پونجی صرف آپ ﷺ کی محبت ہے۔ میرا خزانہ آپ ﷺ کا عشق ہے۔ آپ ﷺ میرے حال زار پر نظر کرم فرمایئے اور مجھے اپنے پاس بلا لیجیے۔ دوری کو حضوری میں بدل دیجیے۔ آپ ﷺ کی بارگاہ ناز سے منظوری ہو جائے تو ظاہری وسائل بھی میسر آ جائیں گے۔ زاد راہ کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ آپ ﷺ بلانا چاہیں تو کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی۔ حفیظ تائب کا لہجہ پرتاثیر ہے۔ عشاق مدینہ کا عقیدہ یہی ہے کہ سرکار بلانا چاہیں تو غریبوں اور کمزوروں کو بھی بلا سکتے ہیں اسی لیے ہر عاشق رسول ﷺ پاک کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ

حضور! ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے

مشقی سوالات

1 : نعت ایک ایسی صنفِ نظم ہے، جس میں رسولِ کریم ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہو جیسا کہ شاملِ نصاب نظم ''نعت ﷺ'' ہے۔ آپ اس نظم کو زبانی یاد کیجیے اور حفیظ تائب کے کسی مجموعے میں سے ایک اور نعت لے کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

جواب : نعت ملاحظہ کیجیے :

یوں ذہن میں جمالِ رسالت سما گیا — میرا جہانِ فکر و نظر جگمگا گیا
خلقِ عظیم و اسوہ کاملِ حضور ﷺ کا — آدابِ زیست سارے جہاں کو سکھا گیا
اس کے قدم سے پھوٹ پڑا چشمۂ بہار — وہ دشتِ زندگی کو گلستاں بنا گیا
انوارِ حق سے جس نے بھرا دامنِ حیات — جو نکہتِ وفا سے زمانے بسا گیا
کتنا بڑا کرم ہے کہ تائبؔ سا بے ہنر — توصیفِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے چن لیا گیا

2 : نعت ﷺ میں قافیے اور ردیف کی نشاندہی کیجیے۔

جواب : ○ قافیے : خوش نظر، چارہ گر، سربسر، شق القمر، درگزر، سفر، سحر، پر **○ ردیف :** خیر البشر

3 : خوش خصال، خوش خیال، خوش خبر، خوش نژاد، خوش نہاد اور خوش خبر میں ''خوش'' سابقہ ہے۔ آپ مندرجہ ذیل سابقوں سے نظم میں مستعمل لفظوں کے علاوہ پانچ پانچ لفظ بنائیے۔

دل۔ چارہ۔ سر۔ صاحب۔ وجہ۔ بے۔

جواب : ○ دل : دلدار، دلربا، دل پسند، دل فریب، دلکش

○ چارہ : چارہ دل، چارہ غم، چارہ کار، چارہ رنج، چارہ ہجر

○ سر : سرخوشی، سرفروش، سرمست، سربلند، سرفراز

○ صاحب : صاحب خانہ، صاحب دل، صاحب دیوان، صاحب ثروت، صاحب زر

○ وجہ : وجہ تخلیق، وجہ محبت، وجہ عداوت، وجہ مسرت، وجہ ملاقات

○ بے : بے وفا، بے مروت، بے رحم، بے بنیاد، بے رنگ

4 : ''صاحبِ حق، صاحبِ شق القمر خیر البشر ﷺ''

اس مصرعے میں شاعر نے کس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جواب : کفارِ مکہ نے رسول اکرم ﷺ سے دلیلِ نبوت کے طور پر چاند کے ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اشارہ کیا تو چاند کے ٹکڑے ہو گئے۔ اس مشہور واقعے کو ''معجزہ شق القمر'' کہا جاتا ہے۔ حفیظ تائب نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

5: درج ذیل تراکیب کے معانی لکھیے۔

مہر و مروت ۔ صدق و صفا ۔ لطف و عنایت ۔ خلق عظیم ۔ لطف عمیم ۔ صاحب حق ۔ کارزار دہر ۔ وجہ ظفر ۔ وجہ سکوں ۔ وجہ درگزر ۔ راہ زیست ۔ ملت بیضا ۔ اوج کمال ۔ شب حالات ۔ حال زار

جواب: ○ مہر و مروت: محبت اور مہربانی ○ صدق و صفا: سچائی اور پاکیزگی ○ لطف و عنایت: کرم اور عطائیں ○ خلق عظیم: عظیم اخلاق، پاکیزہ اخلاق ○ لطف عمیم: رحمت عام، وہ کرم جو سب پر یکساں اور برابر ہو ○ صاحب حق: حق والا، سچا ○ کارزار دہر: دنیا کی جنگ ○ وجہ ظفر: کامیابی کی وجہ ○ وجہ سکوں: سکون کی وجہ ○ وجہ درگزر: بخشش کا باعث، معافی ملنے کا باعث ○ راہ زیست: زندگی کی راہ ○ ملت بیضا: روشن ملت ○ اوج کمال: کمال کی بلندی، عروج ○ شب حالات: حالات کی رات ○ حال زار: بُرا حال۔

6: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

جواب: دیکھیے اشعار کی تشریح (5 تا 7)

7: نظم کے آخری شعر میں شاعر نے کیا دُعا مانگی ہے؟

جواب: نظم کے آخری شعر میں شاعر نے دربارِ رسول اکرم ﷺ پر حاضری کی دُعا مانگی ہے۔

نوٹ: اشعار کی تشریح کے حوالے سے پوچھے گئے سوال کا جواب دینے کے لیے تشریح ملاحظہ کیجیے۔

☆☆☆

اکبر الٰہ آبادی ——— (1846ء-1921ء)

شاعر کا تعارف: نام سید اکبر حسین اور تخلص اکبر، والد کا نام سید تفضل حسین تھا۔ وہ صوفی باصفا تھے۔ اکبر الٰہ آباد کے قصبہ بارہ میں پیدا ہوئے۔ اسلام اور مشرقی روایات سے محبت ان کو ورثے میں ملی اور عمر کے ساتھ ساتھ یہ محبت بھی بڑھتی گئی۔ عربی اور فارسی کی رائج الوقت تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے انگریزی زبان میں بھی مہارت حاصل کی۔ 1866ء میں امتحان پاس کر کے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور ترقی کرتے کرتے جج کے عہدے تک پہنچے۔ انگریز حکومت نے انہیں ''خان بہادر'' کا خطاب بھی دیا۔ اکبر الٰہ آبادی نے سنجیدہ اور روایتی شاعری بھی کی لیکن ان کی وجہ شہرت رنگِ ظرافت ہے۔ اکبر سے قبل اردو شاعری میں طنز و مزاح کی مثالیں تو مل جاتی ہیں لیکن مزاح نگاری کو ایک مستقل اسلوب سخن کے طور پر اختیار کرنے والے پہلے شاعر اکبر ہی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور تہذیب و تمدن کی برائیوں سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ سنجیدہ مقصد حاصل کرنے کے لیے انہوں نے طنز و مزاح سے کام لیا اور اردو شاعری میں ایک نئے طرز بیان کی بنیاد ڈالی۔ اکبر کا بنیادی اور مضبوط حوالہ مزاح نگاری ہی ہے لیکن ان کی سنجیدہ شاعری کی قدر و قیمت بھی کم نہیں۔ ان کی نظمیں، غزلیں اور قطعات رنگین بیانی، قدرت کلام اور ندرت فکر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ وہ مزاح کو اسلوب سخن بنائیں یا پھر سنجیدہ طرز بیان اپنائیں، دونوں صورتوں میں ان کے اشعار پر تاثیر ہوتے ہیں اور دل میں گھر کر جاتے ہیں۔

5: درج ذیل تراکیب کے معانی لکھیے۔

مہر و مروت ۔ صدق و صفا ۔ لطف و عنایت ۔ خلق عظیم ۔ لطف عمیم ۔ صاحب حق ۔ کارزار دہر ۔ وجہ ظفر ۔ وجہ سکوں ۔ وجہ درگزر ۔ راہ زیست ۔ ملت بیضا ۔ اوج کمال ۔ شب حالات ۔ حال زار

جواب: ○ مہر و مروت: محبت اور مہربانی ○ صدق و صفا: سچائی اور پاکیزگی ○ لطف و عنایت: کرم اور عطائیں ○ خلق عظیم: عظیم اخلاق، پاکیزہ اخلاق ○ لطف عمیم: رحمت عام، وہ کرم جو سب پر یکساں اور برابر ہو ○ صاحب حق: حق والا، سچا ○ کارزار دہر: دنیا کی جنگ ○ وجہ ظفر: کامیابی کی وجہ ○ وجہ سکوں: سکون کی وجہ ○ وجہ درگزر: بخشش کا باعث، معافی ملنے کا باعث ○ راہ زیست: زندگی کی راہ ○ ملت بیضا: روشن ملت ○ اوج کمال: کمال کی بلندی، عروج ○ شب حالات: حالات کی رات ○ حال زار: بُرا حال۔

6: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

جواب: دیکھیے اشعار کی تشریح (5 تا 7)

7: نظم کے آخری شعر میں شاعر نے کیا دُعا مانگی ہے؟

جواب: نظم کے آخری شعر میں شاعر نے دربارِ رسول اکرم ﷺ پر حاضری کی دُعا مانگی ہے۔

نوٹ: اشعار کی تشریح کے حوالے سے پوچھے گئے سوال کا جواب دینے کے لیے تشریح ملاحظہ کیجیے۔

☆☆☆

اکبر الٰہ آبادی ——— (1846ء-1921ء)

شاعر کا تعارف: نام سید اکبر حسین اور تخلص اکبر، والد کا نام سید تفضل حسین تھا۔ وہ صوفی باصفا تھے۔ اکبر الٰہ آباد کے قصبہ بارہ میں پیدا ہوئے۔ اسلام اور مشرقی روایات سے محبت ان کو ورثے میں ملی اور عمر کے ساتھ ساتھ یہ محبت بھی بڑھتی گئی۔ عربی اور فارسی کی رائج الوقت تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے انگریزی زبان میں بھی مہارت حاصل کی۔ 1866ء میں امتحان پاس کر کے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور ترقی کرتے کرتے جج کے عہدے تک پہنچے۔ انگریز حکومت نے انہیں ''خان بہادر'' کا خطاب بھی دیا۔ اکبر الٰہ آبادی نے سنجیدہ اور روایتی شاعری بھی کی لیکن ان کی وجہ شہرت رنگِ ظرافت ہے۔ اکبر سے قبل اردو شاعری میں طنز و مزاح کی مثالیں تو مل جاتی ہیں لیکن مزاح نگاری کو ایک مستقل اسلوب سخن کے طور پر اختیار کرنے والے پہلے شاعر اکبر ہی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور تہذیب و تمدن کی برائیوں سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ سنجیدہ مقصد حاصل کرنے کے لیے انہوں نے طنز و مزاح سے کام لیا اور اردو شاعری میں ایک نئے طرز بیان کی بنیاد ڈالی۔ اکبر کا بنیادی اور مضبوط حوالہ مزاح نگاری ہی ہے لیکن ان کی سنجیدہ شاعری کی قدر و قیمت بھی کم نہیں۔ ان کی نظمیں، غزلیں اور قطعات رنگین بیانی، قدرت کلام اور ندرت فکر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ وہ مزاح کو اسلوب سخن بنائیں یا پھر سنجیدہ طرز بیان اپنائیں، دونوں صورتوں میں ان کے اشعار پر تاثیر ہوتے ہیں اور دل میں گھر کر جاتے ہیں۔

5: درج ذیل تراکیب کے معانی لکھیے۔

مہر و مروت۔ صدق و صفا۔ لطف و عنایت۔ خلق عظیم۔ لطف عمیم۔ صاحب حق۔ کارزار دہر۔ وجہ ظفر۔ وجہ سکوں۔ وجہ درگزر۔ راہ زیست۔ ملت بیضا۔ اوج کمال۔ شب حالات۔ حال زار

جواب: ○ مہر و مروت: محبت اور مہربانی ○ صدق و صفا: سچائی اور پاکیزگی ○ لطف و عنایت: کرم اور عطائیں ○ خلق عظیم: عظیم اخلاق، پاکیزہ اخلاق ○ لطف عمیم: رحمت عام، وہ کرم جو سب پر یکساں اور برابر ہو ○ صاحب حق: حق والا، سچا ○ کارزار دہر: دنیا کی جنگ ○ وجہ ظفر: کامیابی کی وجہ ○ وجہ سکوں: سکون کی وجہ ○ وجہ درگزر: بخشش کا باعث، معافی ملنے کا باعث ○ راہ زیست: زندگی کی راہ ○ ملت بیضا: روشن ملت ○ اوج کمال: کمال کی بلندی، عروج ○ شب حالات: حالات کی رات ○ حال زار: بُرا حال۔

6: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

جواب: دیکھیے اشعار کی تشریح (5 تا 7)

7: نظم کے آخری شعر میں شاعر نے کیا دُعا مانگی ہے؟

جواب: نظم کے آخری شعر میں شاعر نے در رسول اکرم ﷺ پر حاضری کی دُعا مانگی ہے۔

نوٹ: اشعار کی تشریح کے حوالے سے پوچھے گئے سوال کا جواب دینے کے لیے تشریح ملاحظہ کیجیے۔

☆☆☆

اکبر الٰہ آبادی ——— (1846ء-1921ء)

شاعر کا تعارف: نام سید اکبر حسین اور تخلص اکبر، والد کا نام سید تفضل حسین تھا۔ وہ صوفی باصفا تھے۔ اکبر الٰہ آباد کے قصبہ بارہ میں پیدا ہوئے۔ اسلام اور مشرقی روایات سے محبت ان کو ورثے میں ملی اور عمر کے ساتھ ساتھ یہ محبت بھی بڑھتی گئی۔ عربی اور فارسی کی رائج الوقت تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے انگریزی زبان میں بھی مہارت حاصل کی۔ 1866ء میں امتحان پاس کر کے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور ترقی کرتے کرتے جج کے عہدے تک پہنچے۔ انگریز حکومت نے انہیں ''خان بہادر'' کا خطاب بھی دیا۔ اکبر الٰہ آبادی نے سنجیدہ اور روایتی شاعری بھی کی لیکن ان کی وجہ شہرت رنگ ظرافت ہے۔ اکبر سے قبل اردو شاعری میں طنز و مزاح کی مثالیں تو مل جاتی ہیں لیکن مزاح نگاری کو ایک مستقل اسلوب سخن کے طور پر اختیار کرنے والے پہلے شاعر اکبر ہی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور تہذیب و تمدن کی برائیوں سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ سنجیدہ مقصد حاصل کرنے کے لیے انہوں نے طنز و مزاح سے کام لیا اور اردو شاعری میں ایک نئے طرز بیان کی بنیاد ڈالی۔ اکبر کا بنیادی اور مضبوط حوالہ مزاح نگاری ہی ہے لیکن ان کی سنجیدہ شاعری کی قدر و قیمت بھی کم نہیں۔ ان کی نظمیں، غزلیں اور قطعات رنگین بیانی، قدرت کلام اور ندرت فکر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ وہ مزاح کو اسلوب سخن بنائیں یا پھر سنجیدہ طرز بیان اپنائیں، دونوں صورتوں میں ان کے اشعار پر تاثیر ہوتے ہیں اور دل میں گھر کر جاتے ہیں۔

3۔ اکبر الہ آبادی ۔۔۔ خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

مرکزی خیال

موسم بہار کے آتے ہی ہر طرف خوشی کا سماں ہوتا ہے اور کائنات کی ہر چیز خدا کی عبادت میں مصروف ہو جاتی ہے۔

شعر 1: بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بُوستاں ہو کر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **زیبِ صحنِ بوستاں:** چمن کے صحن کی سجاوٹ ○ **عنادل:** عندلیب کی جمع، بلبلیں ○ **سرگرم فغاں ہونا:** بلند آواز سے چیخنا چلانا

نثر: بہار آئی۔ پھول کھلنے سے صحن گلشن سج سنور گیا۔ بلبلوں کے نغموں نے دھوم مچادی۔

تشریح: اکبر الہ آبادی کی وجہ شہرت ان کا مزاحیہ کلام ہے لیکن ان کی سنجیدہ طرز بیان کی حامل غزلیات، نظموں اور قطعات کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ ''خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر'' ایک خوبصورت سنجیدہ نظم ہے جس میں اکبر نے بہار کے مختلف مناظر کی تصویر کشی کی ہے۔ نظم کے پہلے شعر میں اکبر کہتے ہیں کہ بہار آئی ہے اور پھول کھلے ہیں۔ یہ پھول صحن گلشن کی سجاوٹ کا باعث ہیں۔ رنگ برنگے پھولوں نے گلشن کو حُسن، جاذبیت، دلکشی اور رنگینی عطا کر دی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ رنگ و خوشبو کا ایک سیلاب آ گیا ہے۔ پھولوں کا حسن دیکھ کر بلبلوں کے ننھے دلوں میں بھی طوفان اُٹھ رہے ہیں اور وہ بھرپور قوت کے ساتھ نغمے الاپ رہی ہیں۔ ان کے بلند آہنگ نغموں نے پورے گلستان میں دھوم مچا رکھی ہے۔ بلبل کو پھول سے عشق ہے۔ بہار میں پھول کھلتے ہیں گویا یہ بلبل کے لیے وصال یار کا موسم ہے۔ محبوب کا دیدار بلبل کے نغمے میں جوش اور ولولہ پیدا کر دیتا ہے اور سارا ماحول اس کے ترنم سے گونجنے لگتا ہے۔ اکبر نے پہلے شعر میں بہار کی آمد کا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے۔

شعر 2: بچھا فرش زمرد، اہتمام سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **فرش زمرد:** سبز قیمتی پتھر کا فرش، مراد ہے گھاس کا فرش ○ **مستانہ وش:** مستوں کی طرح، جھومتے ہوئے ○ **عنبر فشاں:** خوشبو بکھیرنے والا

نثر: گھاس کا فرش بچھ گیا جس میں نمی بھی ہے۔ خوشبو بکھیرتی ہوئی مست ہوا چل رہی ہے۔

تشریح: بہار آئی تو زمین کی قوت نمو میں اضافہ ہو گیا اور صحن گلشن میں خوبصورت سبز گھاس کا فرش بچھ گیا جسے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ زمرد جیسے قیمتی پتھر کا فرش بچھا ہوا ہے۔ زمرد کا رنگ بھی سبز ہوتا ہے اس لیے اکبر الہ آبادی

نے گھاس کو فرش زمرد کہا ہے۔ اس گھاس پر شبنم کے قطرے عجیب رنگ دکھا رہے ہیں۔ یہ حسین اور دلکش منظر ہے۔ صبح کی خوشگوار، لطیف اور حیات بخش ہوا مستانہ وار چل رہی ہے۔ اس کے جھونکے جھوم جھوم کر آ رہے ہیں اور ماحول کی لطافت بڑھا رہے ہیں۔ ہوا تو دن بھر چلتی رہتی ہے لیکن صبح کے وقت کی یہ ہوا اپنی تاثیر کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ اس خوشبو بھری ہوا نے پورے باغ میں مہک پھیلا دی ہے۔ گوشہ گوشہ خوشبو میں رچا ہوا ہے۔ اکبر الہ آبادی کی منظر نگاری قارئین کو جیتے جاگتے، روشن، حسین، رنگین اور معطر مناظر کی دنیا میں لے گئی ہے۔ شعر میں دکھائی گئی تصور ہر اعتبار سے مکمل ہے۔

شعر 3: عروج نشہ نشوونما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغان چمن نے شادماں ہو کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **نشوونما:** پھلنا پھولنا، پرورش پانا ○ **مرغان چمن:** باغ کے پرندے

نثر: بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے نشے میں ڈالیاں جھوم جھوم رہی ہیں۔ باغ کے پرندے خوش ہو کر ترانے گا رہے ہیں۔

تشریح: بہار پودوں کی نشوونما کا موسم ہے اس میں پودوں پر نئے پتے پھوٹتے ہیں۔ خزاں رسیدہ شاخوں کو حیات نو ملتی ہے۔ باغ میں ہر جگہ سبزہ دکھائی دیتا ہے غالب نے تو بہار کے موسم میں روئے آب پر کائی دیکھ کر اسے بھی بہار کی قوت نمو کا نتیجہ قرار دیا تھا۔

؎ سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

اکبر کہتے ہیں کہ بہار میں ڈالیاں جھوم رہی ہیں۔ ان کے جھومنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں موسم کی عنایت اور اپنی نشوونما کا ادراک ہے۔ اس ادراک نے انہیں ایک نشے کی کیفیت بخشی ہے۔ یہ نشہ اپنے پورے عروج پر ہے، جس طرح کوئی مے خوار نشے کی حالت میں جھومتا ہے بالکل اسی طرح یہ ڈالیاں اپنی جوانی کے نشے میں ہیں۔ سرور اور سرمستی کی کیفیت میں جھوم رہی ہیں، لچک رہی ہیں گویا بہار کا جشن منا رہی ہیں۔ بہار نے چمن کے پرندوں کے مزاج پر خوشگوار اثرات مرتب کیے ہیں اور وہ ترانے گا کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ بہار نے ہر جاندار کو کیف و سرور کا تحفہ دیا ہے اور باغ کا ماحول بدل کر رکھ دیا ہے۔ ہر طرف زندگی کی امنگ اور خوشی کا رنگ ہے۔ ہر کوئی مسرور ہے۔

شعر 4: بلائیں شاخ گل کی لیں نسیم صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگین بتاں ہو کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **بلائیں لینا:** قربان ہونا، والہانہ محبت کا اظہار کرنا ○ **نسیم صبح گاہی:** صبح کی ٹھنڈی ہوا ○ **روئے رنگین بتاں:** حسین لوگوں کے خوبصورت چہرے

نثر: صبح کی ٹھنڈی ہوا نے پھول والی شاخ کی بلائیں لیں۔ کلیاں حسین لوگوں کے خوبصورت چہروں کی طرح کھلی ہوئی نظر آنے لگیں۔

تشریح: پھولوں سے بھری شاخ کے لچکنے، لہرانے اور جھومنے کا منظر بہت خوبصورت ہے۔ یہ شاخ ہر دیکھنے والے کو پرکشش لگتی ہے۔ باغ میں سب اس کا نظارہ کر رہے ہیں۔ یوں تو سب اسے پسند کرتے ہیں لیکن صبح کی ٹھنڈی ہوا تو مکمل طور پر اس کے عشق میں مبتلا ہو چکی ہے اور اس پر قربان ہو رہی ہے۔ نسیم صبح گاہی شاخ گل کا انداز دیکھ کر اس کی بلائیں لے رہی ہے۔ اس سے والہانہ محبت کا اظہار کر رہی ہے۔ شاخ گل کو حسن اور دلکشی موسم بہار نے بخشا ہے۔ بہار کی فیاضی شاخ گل تک محدود نہیں بلکہ اس نے ہر کلی پر چشم کرم کی ہے۔ کلیاں کھل چکی ہیں۔ ہر کلی اپنی جگہ حسن کی ایک مثال ہے۔ اس کی شگفتگی، تازگی اور دلکشی حسین لوگوں کے چہروں کی یاد دلا رہی ہے۔ جس طرح حسین چہرے ہر نظر کو بھاتے ہیں اسی طرح بہار میں کھلنے والی کلیاں بھی سب کو اچھی لگ رہی ہیں۔ ان کلیوں کو دیکھنے والوں کے دلوں میں مسرت کی کلیاں کھل رہی ہیں۔ ان کی شگفتگی گلشن کے حسن کو چار چاند لگا رہی ہے۔ عاشق لوگ جب ان کلیوں کو نظر بھر کے دیکھتے ہیں تو انہیں اپنے محبوب کے چہرے کی یاد آتی ہے۔

شعر 5: کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحن گلستاں میں
صدائے نغمہ بلبل اٹھی بانگ اذاں ہو کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ بانگ اذاں: اذان کی آواز

نثر: صحن گلشن میں پھولوں نے شبنم سے وضو کیا اور بلبل کی آواز اذان بن کر بلند ہوئی۔

تشریح: صبح کے وقت شبنم گرنا معمول کی بات ہے لیکن شاعر نے پھولوں پر شبنم کے قطرے دیکھ کر ایک منفرد مضمون پیدا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شبنم کے قطرے کسی مقصد کے بغیر پھولوں پر نہیں گرے بلکہ پھولوں نے ان قطروں سے وضو کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ پھول اپنی جگہ پر جامد و ساکت ہوتے ہیں اور وضو کرنے کے لیے پانی تک پہنچنے کی قدرت نہیں رکھتے لہٰذا انہوں نے صبح کے وقت گرنے والی شبنم کو وضو کے لیے استعمال کیا ہے۔ صدائے نغمہ بلبل، بانگ اذان میں ڈھل گئی ہے۔ بلبل علی الصبح جو صدا بلند کر رہی ہے وہ کوئی عام گیت نہیں بلکہ اذان ہے۔ بلبل اہل گلشن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بلا رہی ہے۔ وہ اعلان کر رہی ہے کہ ایک نیا دن نمودار ہونے والا ہے، اے اہل چمن، اس نئے دن کا آغاز اپنے خالق کی حمد و ثنا سے کرو۔ اپنے رازق کو یاد کرو۔ اپنے مالک کا نام لو۔ بلبل کی اذان اور پھولوں کے وضو نے باغ میں ایک پاکیزہ اور مقدس ماحول پیدا کر دیا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے معمولات چمن کو عبادت کی تیاری قرار دے کر خوبصورت مضمون نکالا ہے جو ان کی فنی مہارت اور پختگی کی دلیل ہے۔

شعر 6: ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر

نثر: شاخیں شوق عبادت میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے لیے جھک گئیں اور پھول کی ہر پتی زبان بن کر تسبیح میں مصروف ہوگئی۔

تشریح: پانچویں شعر میں اکبر نے پھولوں کے شبنم سے وضو کرنے اور بلبل کے اذان دینے کے مناظر دکھائے ہیں۔ چھٹے شعر میں انہوں نے مضمون کا تسلسل انتہائی خوبصورتی سے برقرار رکھا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اذان کے بعد نماز ادا کی جاتی ہے۔ بلبل نے اذان دی تو ہر شاخ شوق عبادت سے سرشار ہوگئی۔ پھر یوں ہوا کہ چمن میں ہر شاخ جھک گئی گویا اپنے خالق کو سجدہ کرنے لگی۔ اس کے معبود ہونے، رازق ہونے اور مالک ہونے کا اعتراف کرنے لگی اور اپنی عاجزی اور بندگی کا اعلان کرنے لگی۔ صدائے بلبل کو اذان قرار دینے کے بعد اکبر نے شاخوں کے جھکنے کو سجدہ کہا ہے۔ وہ چمن میں معمول کے مناظر کو دیکھ کر غیر معمولی، خوبصورت، پاکیزہ اور مقدس مضامین پیدا کر رہے ہیں جس سے ان کی قادرالکلامی اور ندرت فکر کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد پھول کی ہر پتی اپنے خالق کی تسبیح میں مصروف ہوگئی۔ ہر پتی شوق بندگی میں سراپا زبان ہے۔ پتی پتی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور شان تخلیق کا اعلان کر رہی ہے۔

شعر 7: زبانِ برگِ گل نے کی دُعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ زبانِ برگِ گل: پھول کی پتی کی زبان

نثر: پھول کی پتی کی زبان نے رنگین الفاظ میں یہ دُعا کی کہ خدا اس چمن پر مہرباں ہو جائے اور اسے سدا سرسبز رکھے۔

تشریح: عبادت کا آخری مرحلہ دعا ہے۔ نماز کے بعد نمازی دعا کرتا ہے۔ اپنے دل کی خواہشات کو اپنے رب کے حضور میں پیش کرتا ہے۔ چھٹے شعر میں اکبر نے ہمیں بتایا ہے کہ شاخوں نے اپنے خالق کو سجدہ کیا ہے اور ہر پتی تسبیح میں مصروف ہے۔ نظم کے آخری شعر میں شاخوں کی نماز اور پتیوں کی تسبیح مکمل ہو چکی ہے اور اب وقتِ دعا ہے۔ پھول کی پتی اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہی ہے۔ دعا کے الفاظ بہت رنگین ہیں۔ لہجہ موثر ہے۔ عبارت دلنشین ہے۔ پھول کی پتی کی دعا میں سب سے متاثر کن بات یہ ہے کہ یہ اجتماعی سوچ کی مظہر ہے۔ برگ گل نے صرف اپنی سلامتی، پھول کی زندگی یا پھر ایک شاخ یا ایک درخت کے لیے دعا نہیں مانگی بلکہ سارے چمن کی زندگی اور آبادی کے لیے دعا کی ہے۔ یہ سوچ انفرادی اور خودغرضانہ نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ برگ گل دعا کر رہا ہے کہ خدا میرے چمن پر مہربان رہے اور اسے ہمیشہ سرسبز رکھے۔ اسے یہ معلوم ہے کہ چمن آباد رہے گا تو اس کا آشیانہ، اس کی شاخ بھی آباد رہے گی۔ اس خوبصورت شعر سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ ہم بھی محدود سوچ اپنانے کی بجائے اپنے ذہن میں وسعت پیدا کریں صرف اپنے گھر کی سلامتی کی بجائے پورے ملک کی سلامتی، ترقی و خوشحالی کی دعا کریں اور اسی مقصد کے لیے مصروف عمل بھی رہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے الفاظ میں ایک پاکستانی کی دعا یہی ہونی چاہیے۔

خدا کرے کہ مری ارض پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

مشقی سوالات

1: اکبر الہ آبادی نے اس نظم میں فصل بہار کے مختلف مناظر کی تصویر کشی کی ہے۔ ان میں سے چند مناظر کی کیفیت کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: اکبر الہ آبادی کے حسن بیان نے ہمیں بہار کے خوبصورت مناظر دکھائے ہیں۔ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ صحن چمن میں سبز گھاس کا فرش بچھا ہوا ہے۔ بادِ صبا چل رہی ہے۔ ڈالیاں جھوم رہی ہیں اور پرندے گیت گا رہے ہیں۔ پھولوں پر شبنم کے قطرے چمک رہے ہیں اور بلبل کی صدائے دل نواز کانوں میں رس گھول رہی ہے۔ شاخیں سجدے میں ہیں اور پتیاں مصروف تسبیح ہیں۔

2: درج ذیل تراکیب کے معانی لکھیے۔

سرگرم فغاں۔ فرش زمرد۔ مستانہ وش۔ بادِ صبا۔ عنبر فشاں۔ مرغانِ چمن۔ بانگ اذاں۔ ہوائے شوق۔ برگ گل۔ زیب صحنِ بوستاں۔

جواب: ○ سرگرم فغاں: محو فریاد، فریاد کرنے میں مصروف ○ فرش زمرد: سبز رنگ کے قیمتی پتھر کا فرش، مراد ہے گھاس کا فرش ○ مستانہ وش: مستوں کی طرح جھومتے ہوئے ○ بادِ صبا: صبح کی خوشگوار ہوا ○ عنبر فشاں: خوشبو بکھیرنے والا ○ مرغانِ چمن: باغ کے پرندے ○ بانگ اذاں: اذان کی آواز ○ ہوائے شوق: شوق کی فراوانی ○ برگ گل: پھول کی پتی ○ زیب صحنِ بوستاں: صحن گلشن کی زینت۔

3: مندرجہ ذیل میں سے ہر ایک کے چار چار ہم قافیہ الفاظ لکھیے۔

چمن ۔ گلستان ۔ صبا ۔ بہار

جواب: ○ چمن: دمن، زمن، سخن، کرن، دہن، بدن ○ گلستان: شبستان، بدخشان، دبستان، قلمدان
○ صبا: وفا، ضیا، نوا، ثنا، صدا، سدا، حرا، ادا ○ بہار: خمار، قطار، سمار، نکھار، نثار

4: اس نظم کے آخری تین شعروں کی نثر بنائیے۔

جواب: حصہ تشریح میں ملاحظہ کیجیے۔

5: جزو "الف" میں کچھ ایسے الفاظ دیے گئے ہیں جن کے متضاد جزو "ب" میں موجود ہیں۔ آپ ان کے جوڑے لکھیے:

(الف)۔ بہار، کھلنا، گل، پھول، دُعا (ب)۔ خزاں، مرجھانا، خار، کانٹا، بددعا

جواب: ○ بہار: خزاں ○ کھلنا: مرجھانا ○ گل: خار ○ پھول: کانٹا ○ دُعا: بددُعا

6: نظم کے آخری شعر میں "زبان برگ گل" نے کیا دُعا کی ہے؟

جواب: زبان برگ گل نے دُعا کی ہے کہ خدا اس چمن پر مہربان رہے اور اُسے ہمیشہ سرسبز رکھے۔

مولانا الطاف حسین حالی ـــــ (1837ء۔1914ء)

شاعر کا تعارف: مولانا الطاف حسین حالی اردو ادب کی ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ ان کا شمار جدید اردو شاعری کے بانیوں میں کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تنقید نگاری کے میدان میں بھی ان کو اولیت حاصل ہے۔ بطور نثر نگار بھی ان کی اہمیت مسلمہ ہے۔ حالی سرسید احمد خاں کی اصلاحی تحریک کے اہم رکن تھے۔ انہوں نے صدیوں سے گل و بلبل کے افسانے اور لب و رخسار کے قصے سنانے والی اردو شاعری کا انداز بدلنے کی کامیاب کوشش کی۔ حالی بیک وقت غزل اور نظم کے اہم شاعر ہیں۔ ابتدا میں انہوں نے روایتی انداز کی غزلیں کہیں لیکن بہت جلد انہیں احساس ہو گیا کہ شاعری جیسے موثر فن سے قوم کی اصلاح کا کام لینا چاہیے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں محمد حسین آزاد سے مل کر انہوں نے جدید موضوعاتی نظموں کے مشاعروں کی طرح ڈالی۔ یہ جدید اردو شاعری کا آغاز تھا۔ مشہور مسدس مدوجزر اسلام کو بطور شاعر مولانا الطاف حسین حالی کا سب سے بڑا کارنامہ کہا جاتا ہے۔ اس مسدس کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور کافی عرصے تک ہندوستان میں قرآن مجید کے بعد دوسری سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب کا درجہ حاصل رہا۔ برصغیر کے مسلمانوں کی ذہنی بیداری میں کلام حالی بالخصوص ''مدوجزر اسلام'' کا کردار نا قابل فراموش ہے۔ حالی کے کلام کی نمایاں خصوصیات سادگی' بے تکلفی' درد اور تاثیر ہیں۔ وہ شعر کے مضمون کو اسلوب بیان پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی نظمیں مقصدی اور اصلاحی شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

4۔ مولانا الطاف حسین حالی ۔۔۔ اسلامی مساوات

مرکزی خیال

کسی قوم پر جب زوال آتا ہے تو سب سے پہلے اس کے امرا کی عادات بگڑتی ہیں۔ دولت مند لوگ خود غرض ہو جاتے ہیں۔ ان میں جذبہ ایثار باقی نہیں رہتا۔ وہ غریبوں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور خود کو برتر سمجھتے ہیں۔ وہ یہ حقیقت فراموش کر دیتے ہیں کہ ایمان مخلوق خدا کی خدمت کا نام ہے۔

بند1: . کسی قوم کا جب اُلٹتا ہے دفتر
تو ہوتے ہیں مسخ ان میں پہلے تونگر
کمال ان میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر
نہ عقل اُن کی ہادی' نہ دین اُن کا رہبر
نہ دُنیا میں ذلت نہ عزت کی پروا
نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنت کی پروا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ دفتر اُلٹنا: برباد ہونا ○ مسخ: بگڑا ہوا ○ تونگر: مال دار ○ جوہر: خوبی

○ **ہادی:** ہدایت دینے والا ○ **رہبر:** راہ دکھانے والا ○ **عقبیٰ:** اگلا جہان، آخرت

نثر: کوئی قوم جب برباد ہونے لگتی ہے تو سب سے پہلے مال دار طبقہ بگڑتا ہے۔ ان لوگوں میں کوئی خوبی باقی نہیں رہتی۔ وہ دین اور عقل سے رہنمائی حاصل نہیں کرتے۔ انہیں دنیا میں عزت اور ذلت کی پروا ہوتی ہے نہ آخرت میں دوزخ اور جنت کی کوئی فکر رہتی ہے۔

تشریح: ''اسلامی مساوات'' مولانا الطاف حسین حالی کی شہرہ آفاق مسدس ''مدوجزر اسلام'' سے اقتباس ہے۔ مدّ وجزر اسلام میں حالی نے مسلمانوں کے عروج وزوال کی کہانی بیان کی ہے۔ انہوں نے ترقی اور تنزل کی وجوہات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ نظم کے شامل نصاب حصے میں حالی مسلمانوں کے زوال کے اسباب بیان کر رہے ہیں۔ پہلے بند میں وہ کہتے ہیں کہ کوئی قوم جب تباہی اور بربادی کی طرف سفر شروع کرتی ہے تو سب سے پہلے اس کا مال دار طبقہ ذہنی اور اخلاقی پستی کا شکار ہوتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دولت مندوں کو فکر معاش نہیں ہوتی۔ ان کے پاس وسائل اور وقت کی فراوانی ہوتی ہے اس لیے وہ برائی کی طرف جلد مائل ہو جاتے ہیں۔ غریب کو اپنی دال روٹی کی جدوجہد ہی چین نہیں لینے دیتی۔ اس کی محرومیاں اسے کئی برائیوں سے بچا لیتی ہیں۔ حالی کہتے ہیں کہ اہل ثروت میں جب بگاڑ پیدا ہونے لگتا ہے تو پھر ان میں کوئی کمال اور کوئی خوبی باقی نہیں رہتی۔ وہ علم و ہنر کی دنیا سے بالکل لاتعلق ہو جاتے ہیں اور نفس پروری میں کھو جاتے ہیں۔ وہ اپنے رنگین مشاغل میں وقت گزارتے ہیں۔ وہ دین کے احکامات کو فراموش کر دیتے ہیں اور اپنی عقل کو استعمال کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دین اور عقل انسانی، دونوں ہی برائی سے روکتے ہیں اسی لیے بگڑا ہوا مال دار طبقہ ان دونوں سے رہنمائی لینا پسند نہیں کرتا۔ ان لوگوں کو اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ غیر مناسب حرکتوں سے معاشرے میں ان کی بدنامی ہوگی۔ خاندان کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ دنیا کی پروا نہ کرنے والا یہ طبقہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے فکر آخرت سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ بالکل پروا نہیں کرتے کہ ان کے برے اعمال آخرت میں انہیں جہنم کا ایندھن بنا سکتے ہیں۔ بگڑے رئیسوں کا یہ طبقہ بس اپنی مستی میں مست رہتا ہے۔ اسے اپنی بداعمالیوں کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کا رویہ اس شعر کی عملی تصویر ہے۔

؎ عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گزرتی ہے

بند 2:

نہ مظلوم کی آہ وزاری سے ڈرنا
نہ مفلوک کے حال پر رحم کرنا
ہوا و ہوس میں خودی سے گزرنا
تعیش میں جینا، نمائش پہ مرنا

سدا خوابِ غفلت میں بے ہوش رہنا
دمِ نزع تک خود فراموش رہنا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **مفلوک:** مفلس، غریب ○ **ہواوہوس:** لالچ اور طمع ○ **تعیش:** عیش وعشرت ○ **دم نزع:** جان کنی کا لمحہ

نثر: یہ لوگ مظلوم کی فریاد سے ڈرتے ہیں نہ غریبوں کے حال پر رحم کرتے ہیں۔ دنیا کے لالچ میں یہ ہر حد سے گزر جاتے ہیں۔ عیاشی میں زندگی گزارتے ہیں اور نمود ونمائش پر جان دیتے ہیں۔ یہ جان کنی کے لمحے تک خوابِ غفلت میں بے ہوش رہتے ہیں اور خود فراموشی کی حالت میں زندگی گزارتے ہیں۔

تشریح: مولانا الطاف حسین حالی کسی بھی معاشرے کی بربادی کا آغاز اس کے صاحب ثروت طبقہ کی عادات واطوار کے بگڑنے کو قرار دیتے ہیں۔ دوسرے بند میں انہوں نے بگڑے ہوئے رئیسوں کی چند مزید خصوصیات بیان کی ہیں۔ سلیم الفطرت انسان کسی پر ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ غریبوں اور مجبوروں کی حق تلفی کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں۔ کمزور پر ظلم کرتے ہوئے انہیں روزِ جزا یاد نہیں رہتا۔ کہتے ہیں کہ مظلوم کی فریاد عرش تک پہنچتی ہے۔ ان ظالموں کو اس فریاد کی رسائی اور تاثیر سے بھی خوف نہیں آتا۔ غریبوں کی حالت زار دیکھ کر ان کے دلوں میں رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا نہیں ہوتے بلکہ یہ لوگ غریبوں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ غریب ان کی رعایا اور خدمت گار ہیں۔ انہیں سر جھکا کر زندگی گزارنی چاہیے۔ زر اور زمین کی ہوس ان مالداروں کو چین نہیں لینے دیتی۔ یہ جتنا روپیہ جمع کرتے ہیں لالچ میں اسی قدر اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک کوٹھی کے بعد دوسری کوٹھی، ایک گاڑی کے بعد دوسری گاڑی اور ایک مل کے بعد دوسری مل کی خواہش انہیں بے قرار رکھتی ہے اور لالچ اور طمع کے مارے ہوئے یہ لوگ مال ودولت کی خاطر ہر حد سے گزر جاتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی عیاشی میں گزرتی ہے۔ یہ عمر بھر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ یہ اپنی دولت کی نمائش کے بے حد شوقین ہوتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ دولت کی نمائش پر جان دیتے ہیں۔ ان کو بڑھاپے میں بھی اپنی اصلاح کرنے کا خیال نہیں آتا اور یہ آخری لمحے تک غفلت کی زندگی گزارتے ہیں۔ موت آنے تک یہ لوگ غفلت کی نیند سوئے رہتے ہیں۔

بند 3:

پریشاں اگر قحط سے اک جہاں ہے
تو بے فکر ہیں کیونکہ گھر میں سماں ہے
اگر باغ اُمت میں فصل خزاں ہے
تو خوش ہیں کہ اپنا چمن گلفشاں ہے
بنی نوع انساں کا حق اُن پہ کیا ہے
وہ اک نوع، نوع بشر سے جدا ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **فصل خزاں:** خزاں کا موسم ○ **گلفشاں:** پھول بکھیرنے والا ○ **نوع بشر:** بشر کی قسم مراد ہے عالم انسانیت

نثر: دنیا قحط سے پریشان ہے مگر یہ بے فکر ہیں کیوں کہ گھر میں اناج موجود ہے۔ امت کے باغ میں خزاں ہے مگر یہ خوش ہیں کہ ان کے چمن میں پھول بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ بنی نوع آدم کا ان پر کوئی حق نہیں کیوں کہ یہ عام انسانوں سے بالکل الگ مخلوق ہیں۔

تشریح: تیسرے بند میں حالی نے مالدار طبقے کی بہت بڑی برائی کی نشاندہی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زوال آمادہ قوم کے بگڑے ہوئے رئیس اجتماعی سوچ سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے ہم وطنوں کے حالات سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے نہ دنیا کے مسائل اور مشکلات سے کوئی واسطہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ انتہائی خود غرض ہوتے ہیں۔ اپنی ذات سے آگے سوچنے کی ان میں صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ ہمسایہ بھوک سے دم توڑ جائے تو انہیں پروا نہیں۔ یہ مزے سے دعوت اڑاتے رہیں گے۔ اپنے قہقہوں کے شور میں انہیں مجبور اور مفلس انسانوں کی سسکیاں سنائی نہیں دیتیں۔ حالی کہتے ہیں کہ قحط کے باعث ایک دنیا پریشان ہو تو ان لوگوں کو کوئی پروا نہیں ہوتی۔ لوگ اناج کے لیے ترس رہے ہوتے ہیں لیکن یہ امرا یہ سوچ کر مطمئن ہوتے ہیں کہ گھر میں اناج موجود ہے اس لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ لاکھوں لوگ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں مگر انہیں فکر نہیں۔ ان کا طرز عمل انسانیت کے رتبے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ رویہ غیر انسانی ہے۔ ان لوگوں کو امت کے زوال پر کوئی پریشانی نہیں۔ یہ اسے اپنا مسئلہ سمجھتے ہی نہیں۔ باغ امت اجڑ رہا ہے لیکن یہ خوش ہیں کہ ان کے گلشن میں تو بہار ہے اور پھول بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کے خیال میں بنی نوع آدم کا ان پر کوئی حق نہیں۔ دنیا بھوکوں مرتی ہے تو مرے ان کا پیٹ بھرنا چاہیے۔ اس رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آدمی نہیں بلکہ کوئی الگ مخلوق ہیں۔ بند کے آخری شعر میں حالی نے امرا کے طرز عمل پر بھرپور چوٹ کی ہے' جو شخص اپنے جیسے انسانوں کا درد محسوس نہیں کر سکتا۔ جس کی سوچ اپنی ذات سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی ہے' جو کسی کی بھوک دیکھ کر دل میں کوئی کسک محسوس نہیں کرتا' جسے کسی کی تشنگی بے قرار نہیں کرتی' اسے انسان کہلانے کا کوئی حق نہیں۔ وہ جانداروں کی کسی اور ہی نوع سے تعلق رکھتا ہے۔

بند 4:

کہاں بندگان ذلیل اور کہاں وہ
بسر کرتے ہیں بے غم قوت و ناں وہ
پہنتے نہیں جز سمور و کتاں وہ
مکاں رکھتے ہیں رشک خلد جناں وہ
نہیں چلتے وہ بے سواری قدم بھر
نہیں رہتے بے نغمہ و ساز دم بھر

مشکل الفاظ کے معانی : ○ **بندگان ذلیل:** حقیر لوگ ○ **قوت وناں:** خوراک اور روٹی ○ **سمور:** برفانی جانوروں کی کھال کا لباس ○ **کتاں:** باریک ریشمی کپڑا ○ **خلد جناں:** ہمیشہ رہنے والی بہشت'

نثر: امرا معاشرے کے نچلے طبقے کے لوگوں سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رکھتے۔ انہیں فکر معاش نہیں۔ وہ قیمتی ترین لباس پہنتے ہیں اور اعلیٰ ترین مکانات میں رہتے ہیں۔ وہ ایک قدم بھی پیدل نہیں چلتے اور عیش وعشرت کے بغیر ان کا ایک لمحہ بھی نہیں گزرتا۔

تشریح: زوال پذیر اقوام کے امرا کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ خود کو معاشرے کا برتر طبقہ اور اعلیٰ ترین مخلوق سمجھتے ہیں اور ان کا طرز زندگی اپنے ہی معاشرے کے غربت زدہ لوگوں سے بالکل الگ تھلگ ہوتا ہے۔ ان امرا اور عوام الناس کی بول چال' اٹھنے بیٹھنے' کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے جسے امیر لوگ شعوری کوششوں کے ساتھ نہ صرف برقرار رکھتے ہیں بالکل اس میں اضافہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس فرق کو وہ اپنی امتیازی شان سمجھتے ہیں۔ حالی نے بند کے پہلے مصرع میں امرا کی اس ذہنی کیفیت کو بھرپور طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ کہتے ہیں:

''کہاں بندگان ذلیل اور کہاں وہ''

اگلے مصرعوں میں وہ امرا کی نمائش زدہ زندگی کی چند تصویریں دکھاتے ہیں۔ غربت وافلاس کے مارے ہوئے لاکھوں' کروڑوں لوگوں کے درمیان زندگی گزارنے والے یہ بے شعور امرا اپنے ہم وطنوں کی محرومیوں کا مداوا کرنے کے بجائے اپنی دولت کو جھوٹی شان وشوکت کے اظہار کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ قیمتی سے قیمتی لباس پہنتے ہیں۔ انہیں روپیہ کمانے' اپنے اور اہل خانہ کے لیے خوراک کا بندوبست کرنے کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ان کی رہائش گاہیں زمین پر جنت کا نمونہ ہوتی ہیں۔ چند قدم کا سفر طے کرنا ہو تو بھی یہ لوگ پیدل نہیں چلتے بلکہ لمبی گاڑی میں بیٹھ کر ہی نکلتے ہیں۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ عیش وعشرت کے بغیر نہیں گزرتا۔ یہ بھوک اور بیماری سے بلکتے لوگوں کی آہ وبکا کو نظر انداز کرتے ہوئے نغمہ وساز سے دل بہلاتے ہیں۔ حالی نے مغرور' خودغرض اور بد دماغ امرا کے رویوں اور طرز زندگی کا بالکل درست نقشہ کھینچا ہے۔ آج ہم اپنے گردوپیش کا جائزہ لیں تو ہمیں اپنے معاشرے میں کئی ایسے اہل ثروت ملیں گے جن کی زندگی حالی کے اس بند کی عملی تصویر ہوگی۔

بند5: کمر بستہ ہیں لوگ خدمت میں اُن کی
گل و لالہ رہتے ہیں صحبت میں اُن کی
نفاست بھری ہے طبیعت میں اُن کی
نزاکت' سو داخل ہے عادت میں اُن کی
دواؤں میں مُشک اُن کی اٹھتا ہے ڈھیروں
وہ پوشاک میں عطر ملتے ہیں سیروں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **کمر بستہ:** کمر باندھے ہوئے، تیار۔

نثر: لوگ ان امرا کی خدمت کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ ان کا وقت گل و لالہ کی صحبت میں کٹتا ہے۔ نفاست اور نزاکت ان کی طبیعت کا حصہ ہے۔ ان کی دواؤں میں مشک کے ڈھیر استعمال ہوتے ہیں اور یہ اپنے لباس پر سیروں عطر ملتے ہیں۔

تشریح: امرا کی تن آسانی، سستی، کاہلی اور تکلف آمیز زندگی کے متعلق مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے مولانا حالی کہتے ہیں کہ یہ لوگ کوئی کام اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے بلکہ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی ملازمین اور خدام سے کرواتے ہیں۔ ملازمین ان کی خدمت کے لیے ہر دم مستعد رہتے ہیں اور ایک آواز پر حاضر خدمت ہو جاتے ہیں۔ بگڑے ہوئے رئیس خوشبوؤں سے رچے ماحول میں زندگی گزارتے ہیں اور زندگی کے اصل رخ، اس کی تلخیوں اور آزمائشوں سے نا آشنا رہتے ہیں۔ یہ طرز زندگی ان امرا کی شخصیات میں مردانہ کے بجائے نسوانی خصوصیات پیدا کر دیتا ہے۔ ان لوگوں کی طبیعت میں نزاکت اور نفاست پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ موسم کی شدت، بھوک، پیاس، شور اور کسی قسم کی ناگوار بات اور ناپسندیدہ ماحول کو برداشت کرنے یا اس سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت کھو دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ''رنگ محل'' میں تو زندگی گزار سکتے ہیں لیکن اگر انہیں ایک عام آدمی کی طرح مزدوری کرنا پڑ جائے یا اپنے ہاتھ سے کمانے کی نوبت آ جائے تو یہ ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ ان کی یہی نفاست اور نزاکت ان کی قوم کے زوال کا سبب بنتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان سادہ زندگی گزارتے رہے، تلوار کے دھنی اور میدان کے شہسوار رہے اور اپنی دلیرانہ اور جنگجویانہ فطرت کی حفاظت کرتے رہے اس وقت تک انہیں پوری دنیا پر حکمرانی کا شرف حاصل رہا۔ لیکن جب مسلم امرا شعر و نغمہ کی رنگینیوں میں کھو گئے، غلاموں سے خدمت کروانے اور کنیزوں کا رقص دیکھنے کے عادی ہو گئے تو پھر انہیں دنیا بھر میں رسوا ہونا پڑا۔ حالی نے یہ حقیقت بہت موثر لہجے میں بیان کی ہے۔ وہ امرا کے چونچلوں پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی دواؤں کی تیاری میں مشک جیسی قیمتی خوشبو کے کئی ڈھیر استعمال ہو جاتے ہیں یعنی یہ انتہائی قیمتی ادویات استعمال کرتے ہیں اور اپنے لباس پر عطر کی مناسب مقدار کے بجائے سیروں عطر مل لیتے ہیں۔ گویا ان امرا کی ہر حرکت اسراف کا نمونہ ہے۔

بند 6:

یہ ہو سکتے ہیں اُن کے ہم جنس کیونکر
نہیں چین جن کو زمانے سے دم بھر
سواری کو گھوڑا نہ خدمت کو نوکر
نہ رہنے کو گھر اور نہ سونے کو بستر
پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی
جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوٹی

نثر: یہ امرا اُن لوگوں کے ہم جنس کیسے ہو سکتے ہیں جنہیں دنیا میں ایک پل بھی سکون نصیب نہیں۔ جن کے پاس سواری کو گھوڑا ہے نہ خدمت کے لیے نوکر ہے۔ رہنے کے لیے گھر ہے نہ سونے کے لیے بستر ہے۔ کپڑے اور روٹی سے محروم ان غریبوں کی ہر تدبیر الٹی ہو جاتی ہے۔ اصل میں ان کی قسمت ہی خراب ہے۔

تشریح: چھٹے بند میں مولانا حالی نے ''کہاں بندگان ذلیل اور کہاں وہ'' کے مضمون کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پہلے پانچ بند یہ واضح کر چکے ہیں کہ زوال پذیر اقوام کے دولت مند لوگوں کا طرز زندگی کیسا ہوتا ہے۔ وہ کس طرح اپنی دولت کی نمائش کرتے ہیں اور زندگی کے ہر مرحلے پر اپنی جھوٹی شان و شوکت کا کیسے مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں۔ چھٹے بند میں حالی کہتے ہیں کہ یہ امرا معاشرے کے پسے ہوئے طبقے کے ہم جنس کیونکر ہو سکتے ہیں۔ چند قدم پیدل نہ چلنے والا امیر اس غریب کا ہم جنس کیسے ہو سکتا ہے جو عمر بھر اپنے قدموں ہی کو اپنی سواری سمجھتا ہے۔ جس کے ماحول میں سواری رکھنے کا کوئی تصور ہی نہیں۔ نوکروں سے خدمت کرانے والے کسی اور نوع سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے اپنے سب کام کرنے والوں کی جنس کوئی اور ہے۔ کہنے کو تو سب آدم کی اولاد ہیں لیکن زمینی حقائق کچھ اور ہی بتاتے ہیں۔ ایک ارب پتی شخص اور ایک بے گھر آدمی میں کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ ایک طرف وہ طبقہ ہے جس کے پالتو کتے بھی دودھ ڈبل روٹی کھاتے ہیں تو دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو نان جویں کے لیے ترستے ہیں۔ ایک طبقے کی تقاریب میں سیکڑوں افراد کا کھانا ضائع کر دیا جاتا ہے تو دوسری طرف ہزاروں لاکھوں لوگ بھوک کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ایک طرف سمور و کتاں پہننے والے ہیں تو دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہیں تن ڈھانپنے کی فکر ستاتی رہتی ہے۔ مل مالک مزدور کا ہم جنس کیونکر ہو سکتا ہے۔ جاگیردار اور مزارعہ میں کیا رشتہ ہو سکتا ہے۔ حالی کہتے ہیں کہ افلاس زدہ طبقے کی سب تدبیریں اور اپنی حالت بدلنے کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں کیوں کہ غریبوں کی قسمت ہی خراب ہوتی ہے۔ حالی نے پُر تاثیر لہجے میں طبقاتی معاشرے پر چوٹ کی ہے۔ امیر اور غریب میں فرق واضح کیا ہے۔

بند 7:

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دوسرا کا
خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ کتاب ہدیٰ: ہدایت دینے والی کتاب ○ کنبہ: خاندان ○ خالق دوسرا: دونوں جہانوں کا پیدا کرنے والا ○ ولا: محبت، دوستی ○ خلائق: مخلوق۔

نثر: کتاب ہدایت کا پہلا سبق یہ تھا کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ خدا کا دوست وہی ہے جو مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ ایمان اور عبادت یہی ہے کہ انسان انسان کے کام آئے۔

تشریح: مسدس "مدوجزر اسلام" کے اس مشہور بند میں مولانا حالی نے اسلام کے انسان دوستی کے حیات بخش پیغام کو بہت سادہ الفاظ میں نظم کیا ہے۔ حالی کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا پہلا سبق یہی ہے کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ ہر تخلیق کا اپنے خالق سے ایک تعلق ہوتا ہے۔ تخلیق سے محبت دراصل خالق سے محبت ہے۔ خالق کائنات کی دوستی کا شرف اسی کو حاصل ہوسکتا ہے جو مخلوق سے اُلفت کا رشتہ استوار کرے۔ تمام الہامی کتابوں نے انسان سے محبت کا درس دیا۔ تمام انبیائے کرام نے انسانیت کی خدمت کو بڑی نیکی قرار دیا۔ انسان کے دکھ درد دور کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ دین اور ایمان کا مقصد بھی انسانوں کے دلوں میں دوسرے انسانوں کی محبت و الفت پیدا کرنا ہی ہے۔ اگر کوئی مالدار اپنی دولت کو بنی نوع آدم کی بھلائی پر خرچ کرنے کے بجائے خزانے کا سانپ بن کر اس کی حفاظت کرتا رہے تو وہ اچھا انسان ہے نہ اچھا مسلمان ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ "ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کے نزدیک وہی لوگ زیادہ محبوب ہیں جو اس کے کنبے سے حسن سلوک سے پیش آتے ہیں" یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں مال و دولت عزت و شرف کا معیار نہیں بلکہ اس کے دربار میں معزز وہی ہے جو اس کی مخلوق کا خادم ہے۔ علامہ اقبال کا خوبصورت شعر ہے

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

مشقی سوالات

1: جب کسی قوم کا بیڑہ تباہی کے قریب ہوتا ہے تو سب سے پہلے قوم کے کن افراد میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے؟

جواب: جب کسی قوم کا بیڑہ تباہی کے قریب ہوتا ہے تو سب سے پہلے قوم کے امرا کی عادات بگڑتی ہیں۔ یہ لوگ اپنے انجام و عاقبت سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔

2: سوال نمبر 1 کے حوالے سے بتایئے کہ قوم کے امیروں میں کون کون سے بگاڑ پیدا ہوتے ہیں؟

جواب: زوال پذیر قوم کے امرا دین کی تعلیمات بھلا دیتے ہیں۔ وہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں دوزخ سے نہیں ڈرتے۔ مظلوموں اور غریبوں پر رحم نہیں کرتے۔ حرص و ہوس، عیاشی اور غفلت میں زندگی گزارتے ہیں۔ اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہب افراد کی بدحالی انہیں پریشان نہیں کرتی۔ وہ خود کو عوام اور غربا سے برتر سمجھتے ہیں۔ سُست، کاہل اور عیش پرست ہو جاتے ہیں۔ نمود و نمائش سے بھرپور طرز زندگی اختیار کرتے ہیں۔ فضول خرچی کے عادی ہو جاتے ہیں۔

3: "اسلامی مساوات" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے:

جواب: جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو سب سے پہلے خوش حال لوگ بگڑتے ہیں۔ ان میں کوئی وصف یا خوبی

باقی نہیں رہتی۔ وہ عقل وشعور سے عاری ہو جاتے ہیں اور انہیں اچھے بُرے کی خبر نہیں رہتی۔ وہ مظلوم کی فریاد سے نہیں ڈرتے۔ وہ کسی مفلس پر رحم نہیں کھاتے۔ وہ نفس پرستی اور لالچ میں غیرت اور وقار بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ وہ تمام زندگی غفلت اور بے حسی میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اگر قحط پڑ جائے تو انہیں کوئی فکر نہیں ہوتی۔ انہیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ اُمت پریشان حال ہے۔ وہ صرف اس لیے مطمئن ہوتے ہیں کہ ان کے اپنے گھر میں عیش کا سارا سامان موجود ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ انسانوں کا ان پر کیا حق ہے۔ کہاں امیر اور کہاں مجبور لوگ؟ امیر تو نعمتیں کھا رہے ہوتے ہیں۔ ان کا لباس عمدہ اور رہنے کو بہترین مکان ہوتے ہیں۔ وہ سواری کے بغیر سفر نہیں کرتے۔ نغمہ وساز ان کی زندگی میں رنگ بھرتا ہے۔ لوگ ان کی خدمت میں کمر بستہ رہتے ہیں۔ ان کی طبیعت نفاست اور نزاکت سے بھری رہتی ہے اور وہ عطر اور خوش بو استعمال کرتے ہیں۔ ایسے امرا ان افلاس زدہ لوگوں کے ہم مرتبہ کیسے ہو سکتے ہیں جو پریشان حال رہتے ہیں، جن کو نہ سواری میسر ہے اور نہ نوکر چاکر، جن کا مکان بھی اپنا نہیں ہے جنہیں پہننے کو اچھا کپڑا نہیں ملتا اور کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ امیر اور غریب کا مقابلہ نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کا یہ پہلا سبق ہے کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اللہ کا دوست وہی ہے جو بنی نوع انسان سے محبت رکھے۔ لوگوں کے کام آنا ہی اصل عبادت ہے۔ یہی دین اور ایمان کا تقاضا ہے۔

4: مندرجہ ذیل تراکیب کے معانی لکھیے۔

بندگان ذلیل، خالق دوسرا، دم نزع، فصل خزاں، کتاب ہدیٰ، گلفشاں، گل ولالہ، ہوا وہوس

جواب: تراکیب کے معانی ملاحظہ کیجیے:

- **بندگان ذلیل:** حقیر لوگ، ادنیٰ لوگ
- **خالق دوسرا:** دونوں جہانوں کو پیدا کرنے والا
- **دم نزع:** جاں کنی کا لمحہ
- **فصل خزاں:** خزاں کا موسم
- **کتاب ہدیٰ:** ہدایت کی کتاب یعنی قرآن پاک
- **گل فشاں:** پھول بکھیرنے والا
- **گل ولالہ:** گلاب اور لالہ، دو مختلف پھول
- **ہوا وہوس:** لالچ اور طمع

5: درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

دفتر الٹنا۔ خودی سے گزرنا۔ بے ہوش رہنا۔ کمر بستہ ہونا۔ تدبیر الٹنا۔ تقدیر کھوٹی ہونا۔

جواب:

- **دفتر الٹنا:** محمد بن قاسم کے دلیرانہ حملوں نے راجہ داہر کا دفتر الٹ دیا۔
- **خودی سے گزرنا:** ناعاقبت اندیش لوگ مال ودولت کے لالچ میں خودی سے گزر جاتے ہیں۔
- **بے ہوش رہنا:** محمد شاہ رنگیلا دم نزع تک عیش وعشرت اور خواب غفلت میں بے ہوش رہا۔
- **کمر بستہ ہونا:** علی امتحان میں اول پوزیشن حاصل کرنے کے لیے کمر بستہ ہو گیا۔
- **تدبیر الٹنا:** کسان نے گندم کی فصل سے امیدیں لگا رکھی تھیں لیکن شدید بارشوں نے اس کی تدبیر الٹ دی۔
- **تقدیر کھوٹی ہونا:** تدبیر کے باوجود حالات نہ بدلیں تو ثابت ہو جاتا ہے کہ تقدیر کھوٹی ہے۔

6: نظم ''اسلامی مساوات'' کا دوبارہ مطالعہ کیجیے اور جزو ''الف'' اور جزو ''ب'' میں چن کر مترادف الفاظ کے جوڑے بنائیے اور صحیح جواب کالم ''ج'' میں لکھیے۔

الف	ب	ج
کمال	ہوس	جوہر
ہادی	خودفراموش	رہبر
آہ	کتاں	زاری
ہوا	ناں	ہوس
بے ہوش	جوہر	خودفراموش
قوت	رہبر	ناں
سمور	زاری	کتاں

☆ مندرجہ ذیل الفاظ میں سے ہم قافیہ الفاظ کے جوڑے بنائیے۔

عزت، تونگر، ایماں، روٹی، ڈھیروں، جنت، کھوٹی، انساں، سیروں، رہبر

جواب: ○ عزت: جنت ○ تونگر: رہبر ○ ایماں: انساں ○ روٹی: کھوٹی ○ ڈھیروں: سیروں

7: نظم ''اسلامی مساوات'' کے پہلے اور آخری بند کی تشریح کیجیے:

جواب: دیکھیے تشریح۔

8: علامہ اقبال کے ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' کی ہیئت بتائیے اور آخری بند لکھیے۔

جواب: علامہ اقبال کے ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' کی ہیئت ''مسدس'' ہے۔ آخری بند یہ ہیں:

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دِل ہوں — جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دِل ہوں — پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دِل ہوں
عجمی خم ہے تو کیا، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا، لے تو حجازی ہے مری (شکوہ)

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری — میرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری — تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں (جواب شکوہ)

☆☆☆

جوش ملیح آبادی ـــــ (1896ء-1982ء)

شاعر کا تعارف: شاعر شباب اور شاعر انقلاب کے خطابات حاصل کرنے والے جوش ملیح آبادی کا اصل نام شبیر حسن خاں تھا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا مگر اس کے بعد سلسلہ تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ جوش نواب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ طبیعت میں ایک بے نیازی اور لاابالی پن تھا۔ جوانی رنگین مصروفیات میں گزاری لیکن بڑھاپے میں معاشی مشکلات میں مبتلا رہے۔ دہلی سے ایک ادبی جریدہ ''کلیم'' جاری کیا۔ 1956ء میں پاکستان آ گئے اور 1982ء میں یہیں وفات پائی۔

جوش کا کلام ان کے تخلص سے مماثلت رکھتا ہے۔ ان کا لہجہ مردانہ اور زوردار ہے۔ وہ بلند آہنگ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ معمولی اور روایتی بات بھی کہنی ہو تو پوری شان و شوکت اور اہتمام کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔ ان کا میدان نظم گوئی ہے اور وہ اپنے میدان کے شہسوار ہیں۔ نقادانِ فن نے ان کا شمار اردو زبان کے چند بڑے نظم گو شعرا میں کیا ہے۔ ان کی نظموں کے موضوعات میں بہت تنوع ہے۔ وہ حسن نسوانی سے فکرِ معاش تک کو موضوعِ سخن بناتے ہیں اور ہر موضوع کا حق ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے مرثیے بھی کہے اور غزلیں بھی لکھیں لیکن ان کی بنیادی شناخت اور حوالہ نظم ہی ہے۔ جوش کی قادرالکلامی بلاشبہ عطیہ خداوندی ہے۔ ان کا منفرد طرزِ اظہار اردو شاعری کا اثاثہ ہے۔

5۔ جوش ملیح آبادی ـــــ سراغِ راہرو

مرکزی خیال

ہر گزرنے والی چیز اپنے پیچھے نشان چھوڑتی ہے ایسے ہی یہ کائنات خالقِ حقیقی کے ہونے کا پتہ دیتی ہے۔

شعر 2.1: جہاں زمیں پہ رگڑ کا نشاں ہویدا ہے
دلیل اِس کی ہے سانپ اس طرف سے گزرا ہے
نشاں ہلال نما راہ میں بتاتے ہیں
کہ تھوڑی دُور پہ آگے سوار جاتے ہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ ہویدا: ظاہر ○ ہلال نما: پہلی رات کے چاند کی طرح۔

نثر: زمین پر رگڑ کے نشان سے ظاہر ہے کہ یہاں سے سانپ گزرا ہے۔ پہلی رات کے چاند جیسے نشان بتاتے ہیں کہ گھڑ سوار کچھ آگے جا رہے ہیں۔

تشریح: جوش ملیح آبادی کا شمار اردو نظم کے عظیم شعرا میں ہوتا ہے۔ نظم "سراغ راہرو" میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے خالق کائنات ہونے کے مضامین کو بہت مہارت اور فنی پختگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ نظم کے اشعار ان مضامین کو بتدریج واضح کرتے ہیں۔ اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے جوش نے پہلے دو اشعار میں روز مرہ زندگی کے دو مناظر پیش کیے ہیں۔ دیہات کے کچے راستے پر رگڑ کا نشان نظر آ رہا ہے۔ آڑھی ترچھی لکیر اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں سے سانپ گزرا ہے۔ اسی طرح ایک راستے پر پہلی رات کے چاند جیسے نشانات بنے ہوئے ہیں جنہیں دیکھ کر فوراً احساس ہوتا ہے کہ یہاں سے گھڑ سوار گزرے ہیں اور وہ قافلہ ابھی بہت دور نہیں گیا۔ راستے پر نشان موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ گھڑ سوار ابھی کچھ دور ہی پہنچے ہیں۔ اگر وہ زیادہ دور جا چکے ہوتے تو راہ سے ان کے گھوڑوں کے نقوش پا بھی مٹ چکے ہوتے۔ یہ دو مناظر دکھا کر جوش ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہر نشان کسی وجود کا پتہ دیتا ہے۔ نقوش قدم مسافر کے وجود کی دلیل ہوا کرتے ہیں۔ مٹی پر رگڑ کا نشان سانپ کے وجود اور اس کے یہاں سے گزرنے کی دلیل ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح راہ پر ہلال نما نشانات گھڑ سواروں کے گزرنے کی دلیل ہیں۔ ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ یہ نشان اپنے وجود کے لیے کسی کے محتاج ہیں۔ سانپ نہ ہوتا تو زمین پر رگڑ کا نشان نہ بنتا۔ گھڑ سوار نہ گزرتے تو ہلال نما نشانات وجود میں نہ آتے۔ نظم کے آخر میں جوش نے واضح کیا ہے کہ بالکل اسی طرح چاند، سورج اور کہکشاں اپنے وجود کے لیے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور ان مظاہر قدرت کی موجودگی اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے۔

شعر 3: غبار راہ نشاں ہے کسی تگ و پو کا
یقین ہوتا ہے نقش قدم سے رہرو کا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **غبار راہ:** راستے کا گرد و غبار ○ **تگ و پو:** کوشش، جستجو ○ **نقشِ قدم:** قدم کا نشان ○ **رہرو:** راستے پر چلنے والا، مسافر۔

نثر: راستے کا گرد و غبار کسی کی کوشش کا نشان ہے۔ اور قدم کے نشان سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ یہاں سے کوئی مسافر گزرا ہے۔

تشریح: تیسرے شعر میں جوش نے پہلے دو اشعار کا مضمون ہی آگے بڑھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ راستے میں گرد و غبار اس بات کی علامت ہے کہ کوئی مسافر ابھی ابھی گزرا ہے۔ ویران راستوں پر کبھی گرد و غبار نہیں ہوتا۔ جس راستے سے کوئی مسافر نہ گزرے اس پر ہمیشہ سکوت طاری رہتا ہے۔ گرد راہ زمین کے سینے سے لپٹ کر سوئی رہتی ہے۔ گرد راہ کو بیدار کرنے کے لیے کسی رہرو کے پاؤں کی دستک کی ضرورت ہوتی ہے۔ راستوں کا غبار دراصل مسافروں کی منزل سے محبت اور ان کے مسلسل سفر کی دلیل ہے۔ اسی طرح نقش قدم ثابت کرتا ہے کہ کوئی رہرو گرمِ سفر ہے۔ ظاہر ہے کہ قدم زمین سے نہیں اٹھائیں گے تو نقش قدم بھی نہیں بنے گا اور مسافر گزرے گا تو اپنے پیروں کے نشان بھی چھوڑے گا۔ پیروں کے یہ نشان واضح کرتے ہیں کہ کوئی ہے جو منزل کی

لگن میں سفر کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہے۔

شعر4: صنم تراش نہ ہو تو صنم نہیں بنتا
قدم نہ ہو تو نشان قدم نہیں بنتا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ صنم: بُت ○ صنم تراش: بُت ساز، بُت بنانے والا

نثر: بُت ساز کے بغیر بُت اور قدم کے بغیر نشان قدم نہیں بن سکتا۔

تشریح: ہر اچھی نظم کی ایک خوبی اس کی موضوعاتی وحدت اور تدریج ہوتی ہے۔ نظم ''سراغ رہرو'' میں جوش نے مضمون کو ایک ہموار تسلسل کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔ نظم کا ہر شعر پچھلے شعر سے مربوط ہے اور اس کی تکمیل کرتا محسوس ہوتا ہے۔ چوتھے شعر میں جوش کہتے ہیں کہ بت ساز موجود نہ ہو تو بت وجود میں نہیں آ سکتا اسی طرح قدم ہی نہ ہو تو نشان قدم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہر تخلیق اپنے وجود کے لیے اپنے خالق کی محتاج ہے۔ اس کا وجود خالق کے وجود اور قدرت تخلیق کا اعلان ہے۔ مصور نہ ہو تو تصویر بھی نہ ہو۔ شاعری اس بات کا ثبوت ہے کہ شاعر موجود ہے۔ خوبصورت تحریر اعلان کرتی ہے کہ اس کا لکھنے والا بہترین ادیب ہے اسی طرح یہ کائنات بھی اپنے خالق کے وجود کا ثبوت ہے۔ یہ بحر و بر، شجر و حجر اور برگ و ثمر ہمیں بتا رہے ہیں کہ کوئی بنانے والا بھی ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے وجود کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ صنم تراش کے بغیر صنم نہیں بنتا اسی طرح بنانے والا یعنی اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو یہ کائنات بھی نہ ہوتی۔ ہر انسان کو کائنات کے وجود اور خود اپنی ذات پر غور کرنا چاہیے۔ ان موضوعات پر غور کرنے والا انسان اللہ کے وجود اور اس کے خالق حقیقی ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔

شعر7,6,5: یونہی یہ راہ کہ ہے جس کا نام کہکشاں
یونہی یہ نقش قدم ماہ و نیر تاباں
یونہی یہ گرد سر راہ خوش نما تارے
رواں ہیں جن کی جبینوں سے حُسن کے دھارے
زمیں کا نور ہیں اور آسماں کی زینت ہیں
کسی کی شوخی رفتار کی علامت ہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ کہکشاں: ستاروں کی قطار یا راستہ ○ ماہ: چاند ○ نیر تاباں: چمکتا سورج ○ گرد سر راہ: راستے پر موجود گرد و غبار

نثر: اسی طرح کہکشاں کا راستہ، چاند اور سورج جیسے نقوش قدم، راستے کے گرد و غبار کی حیثیت رکھنے والے تارے جن کی پیشانیوں سے حسن کے دھارے جاری ہیں، زمین آسمان کو روشنی اور خوبصورتی بخشنے والے یہ سارے مظاہر دراصل کسی کے ہونے کی دلیل ہیں۔

تشریح: نظم کے ابتدائی چار شعروں میں جوش نے مختلف مثالوں سے واضح کیا ہے کہ ہر وجود ایک خالق کا محتاج

ہے۔کوئی نقش خود بخود نہیں ابھرتا بلکہ ہر نقش کو کوئی ابھارنے والا ہوتا ہے۔آخری تین شعروں میں جوش اس مختصر سی بحث کو بہت سلیقے کے ساتھ سمیٹ رہے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ صنم تراش کے بغیر صنم اور قدم کے بغیر نشان قدم نہیں بنتا۔مٹی پر لکیر سانپ کی موجودگی کا پتہ دیتی ہے اور ہلال نما نشان ثابت کرتے ہیں کہ قافلہ گزرا ہے۔ بالکل اسی طرح یہ کہکشاں' سورج' چاند اور ستارے بھی کسی کے ہونے کی دلیل ہیں۔یہ اعلان کر رہے ہیں کہ کوئی بنانے والا ہے۔دنیا کا سارا حسن کسی کے حسن تخلیق کا اظہار ہے۔خالق نہ ہو تو تخلیق بھی نہ ہو۔تخلیق موجود ہے تو خالق کا وجود بھی ماننا پڑے گا۔طفیل ہوشیار پوری کہتے ہیں:

یہ آگ' یہ پانی' یہ ہوا ہے کہ نہیں ہے — یہ برق' یہ باراں' یہ گھٹا ہے کہ نہیں ہے
یہ پھول' یہ کلیاں' یہ صبا ہے کہ نہیں ہے — ہر رنگ میں وہ جلوہ نما ہے کہ نہیں ہے
اب سوچ مرے دوست خدا ہے کہ نہیں ہے

جوش کا لہجہ منفرد ہے۔وہ چاند اور سورج کو نقش قدم اور ستاروں کو گرد سر راہ کہہ کر قاری کے لیے دلکش اور مانوس ماحول پیدا کر رہے ہیں۔ستاروں کی جبینوں سے حسن کے دھارے رواں ہونا' چاند' سورج اور ستاروں کو آسمان کا نور اور زمین کی زینت قرار دینا ایک سنجیدہ اور فکر انگیز نظم کے شاعرانہ پہلو اور شعری قدر و قیمت میں اضافہ کرتا ہے۔نقش قدم اور گرد سر راہ کی تراکیب نظم کے ابتدائی اشعار کے مضامین سے بھی مطابقت رکھتی ہیں۔اس اہتمام نے نظم کو عام قاری کے لیے بھی قابل فہم اور پر لطف بنا دیا ہے۔جوش کہتے ہیں کہ چاند اور سورج نقوش قدم ہیں' کہکشاں ایک راستہ ہے۔ستارے گرد راہ بھی ہیں اور حسن کی علامت بھی۔زمین آسمان کو سجانے' سنوارنے والے چاند' سورج اور ستارے بالکل اسی طرح وجود باری تعالیٰ کی دلیل ہیں جس طرح نقش قدم' قدم کے وجود کی دلیل ہے اور گرد راہ قافلے کے گزرنے کی دلیل ہے۔مجموعی طور پر یہ ایک خوبصورت نظم ہے جو قاری کو بیک وقت فکری اور جمالیاتی تسکین فراہم کرتی ہے۔

مشقی سوالات

1: مختصر جواب دیجیے۔

الف: دیہات میں کسی کچے راستے پر صبح کے وقت رگڑ کا نشان دیکھ کر کیا گمان گزرتا ہے؟

جواب: دیہات کے کچے راستے پر رگڑ کا نشان ظاہر کرتا ہے کہ اس راستے سے سانپ گزرا ہے۔

ب: ''نشان ہلال نما'' سے کیا مراد ہے۔ان سے کس قسم کے سواروں کا تعلق ہے؟

جواب: گھوڑوں کے قدموں سے بننے والے نشان' ہلال نما یعنی پہلی رات کے چاند جیسے ہوتے ہیں۔ان نشانوں کا تعلق گھڑ سواروں سے ہے۔

ج: غبار راہ سے تگ و پو کا کیا تعلق ہے؟

جواب: کوئی مسافر راستے سے گزرتا ہے تو گرد و غبار اڑتا ہے۔غبار راہ کسی کے سفر' محنت اور کوشش کی علامت ہے۔

د: آسمان پر کہکشاں اور ستارے کس امر کی دلیل ہیں؟

جواب: آسمان پر کہکشاں، چاند اور ستارے خالق کائنات کے وجود کی دلیل ہیں۔

2: تراکیب کے معانی لکھیے۔

غبارِ راہ، تگ و پو، نقشِ قدم، نیر تاباں، سرِ راہ، شوخیِ رفتار

جواب: تراکیب کے معانی ملاحظہ کیجیے:

○ غبارِ راہ: راستے کی گرد ○ تگ و پو: دوڑ دھوپ، جستجو ○ نقشِ قدم: قدم کا نشان

○ نیر تاباں: چمکتا سورج ○ سرِ راہ: راستے پر، راستے میں ○ شوخیِ رفتار: البیلی چال

3: اس نظم کا مرکزی خیال بیان کیجیے جو چار پانچ سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

جواب: دیکھیے نظم کا مرکزی خیال۔

4: کالم الف اور کالم ب میں دیئے گئے الفاظ میں مطابقت پیدا کر کے جواب کالم ج میں لکھیے:

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
رگڑ کا نشان	تگ و پو	سانپ
نشانِ ہلال نما	حسن کے دھارے	سوار
غبارِ راہ	سانپ	تگ و پو
نقشِ قدم	راہرو	راہرو
تارے	سوار	حسن کے دھارے
راہ	کاہکشاں	کاہکشاں

5: اس نظم کے آخری تین شعروں کی تشریح کیجیے۔

جواب: اشعار کی تشریح دیکھیے۔

☆☆☆

سیّد ضمیر جعفری ——— (1918ء-1999ء)

شاعر کا تعارف: ضمیر جعفری ضلع جہلم کے چک عبدالحق میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جہلم ہی سے پائی، پھر گورنمنٹ کالج اٹک اور اسلامیہ کالج لاہور میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ شعر و ادب سے دلچسپی بچپن ہی سے تھی۔ فکاہی جریدے ''شیراز'' اور روزنامہ ''احسان'' لاہور کے لیے بھی کام کیا۔ پاک فوج کے ترجمان ''الہلال'' کے مدیر رہے۔ ضمیر جعفری کو بیسویں صدی کے نصف آخر کا اہم ترین اور نمائندہ مزاح گو شاعر کہا جا سکتا ہے۔ ان کی شاعری میں طنز کا عنصر کم ہے اسی لیے یہ معاشرے کے ہر طبقہ کو ہنسانے کی بے مثال صلاحیت رکھتی ہے زندگی کے بوجھ تلے دبے، سسکتے، بلکتے ہوئے انسانوں کے ہونٹوں

د: آسمان پر کہکشاں اور ستارے کس امر کی دلیل ہیں؟

جواب: آسمان پر کہکشاں، چاند اور ستارے خالق کائنات کے وجود کی دلیل ہیں۔

2: تراکیب کے معانی لکھیے۔

غبارِ راہ، تگ و پو، نقشِ قدم، نیر تاباں، سرِ راہ، شوخیِ رفتار

جواب: تراکیب کے معانی ملاحظہ کیجیے:

○ غبارِ راہ: راستے کی گرد ○ تگ و پو: دوڑ دھوپ، جستجو ○ نقشِ قدم: قدم کا نشان

○ نیر تاباں: چمکتا سورج ○ سرِ راہ: راستے پر، راستے میں ○ شوخیِ رفتار: البیلی چال

3: اس نظم کا مرکزی خیال بیان کیجیے جو چار پانچ سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

جواب: دیکھیے نظم کا مرکزی خیال۔

4: کالم الف اور کالم ب میں دیئے گئے الفاظ میں مطابقت پیدا کر کے جواب کالم ج میں لکھیے:

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
رگڑ کا نشان	تگ و پو	سانپ
نشانِ ہلال نما	حسن کے دھارے	سوار
غبارِ راہ	سانپ	تگ و پو
نقشِ قدم	راہرو	راہرو
تارے	سوار	حسن کے دھارے
راہ	کاہکشاں	کاہکشاں

5: اس نظم کے آخری تین شعروں کی تشریح کیجیے۔

جواب: اشعار کی تشریح دیکھیے۔

☆☆☆

سیّد ضمیر جعفری ——— (1918ء-1999ء)

شاعر کا تعارف: ضمیر جعفری ضلع جہلم کے چک عبدالحق میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جہلم ہی سے پائی، پھر گورنمنٹ کالج اٹک اور اسلامیہ کالج لاہور میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ شعر و ادب سے دلچسپی بچپن ہی سے تھی۔ فکاہی جریدے ''شیراز'' اور روزنامہ ''احسان'' لاہور کے لیے بھی کام کیا۔ پاک فوج کے ترجمان ''الہلال'' کے مدیر رہے۔ ضمیر جعفری کو بیسویں صدی کے نصف آخر کا اہم ترین اور نمائندہ مزاح گو شاعر کہا جا سکتا ہے۔ ان کی شاعری میں طنز کا عنصر کم ہے اسی لیے یہ معاشرے کے ہر طبقہ کو ہنسانے کی بے مثال صلاحیت رکھتی ہے زندگی کے بوجھ تلے دبے، سسکتے، بلکتے ہوئے انسانوں کے ہونٹوں

کو مسکراہٹ بخشنے کا ہنر ضمیر جعفری خوب جانتے ہیں۔ وہ روز مرز ندگی سے اپنے موضوعات چنتے ہیں۔ عام سے واقعات کے مضحک پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان کا خوبصورت اندازِ بیان قاری کو گدگداتا ہے۔ ان کی مزاحیہ شاعری اپنی مثال آپ ہے۔ ان کا لہجہ بڑا باوقار ہے۔ وہ مزاح پیدا کرنے کے لیے لفظوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں نہ انہیں مختلف زبانوں کو باہم آمیز کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ صاف اور شستہ اردو میں شعر کہتے ہیں۔ پر لطف باتیں پر لطف انداز میں قاری تک پہنچا کر اسے ہنسنے کا بھرپور موقع دیتے ہیں۔ ان کی شاعری اردو کے مزاحیہ ادب کا سرمایہ ہے۔

6۔ سیّد ضمیر جعفری۔۔۔ آدمی

مرکزی خیال

دورِ جدید کا انسان مادہ پرست ہے۔ اب عزت کا معیار علم نہیں، پیسہ ہے۔ اولادِ آدم میں انسانیت نہیں ملتی۔ بیمار اور کمزور لوگوں کو حسین سمجھا جاتا ہے۔ علم اور سائنسی ترقی کے باوجود انسان پریشان ہے۔ آج کا انسان مجموعہ تضادات ہے۔ وہ غیروں کی تقلید کے مرض میں مبتلا ہے۔

شعر 1: تھا کبھی علم آدمی، دل آدمی، پیار آدمی
آج کل زر آدمی، قصر آدمی، کار آدمی

نثر: کبھی آدمی علم، قلبی جذبات اور محبت کو ترجیح دیتا تھا۔ آج کل روپے پیسے، محل اور کار کو فوقیت حاصل ہوگئی ہے۔

تشریح: سید ضمیر جعفری بیسویں صدی کے مشہور مزاح گو شاعر ہیں۔ نظم آدمی کے پہلے شعر میں انہوں نے دورِ جدید میں انسان کی بدلتی ہوئی ترجیحات کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ماضی میں آدمی علم دوست تھا۔ قلبی جذبات کی اہمیت کو سمجھتا تھا۔ زندگی میں محبت اور پیار کے پھول کھلاتا تھا۔ اسی لیے ماضی کے انسان کی زندگی میں مسائل کی وہ بہتات نہ تھی جو آج ہمیں نظر آتی ہے۔ ہمارے بزرگ سادہ زندگیاں گزارتے تھے۔ وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کو اہمیت دیتے تھے اسی لیے ماضی کا معاشرہ بہتر معاشرہ تھا۔ لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ صاحبانِ علم کی عزت کی جاتی تھی۔ دورِ جدید اخلاقی اقدار کی موت اور زر پرستی کا دور ہے۔ اسی لیے ضمیر جعفری نے کہا ہے کہ ماضی کا علم دوست آدمی آج اپنی محبت کا رُخ مال و دولت کی طرف موڑ چکا ہے۔ اسے یہ بھی احساس نہیں کہ دولت خرچ کی جائے تو کم ہوتی ہے۔ علم تقسیم کیا جائے تو بڑھتا ہے۔ ماضی میں قلبی جذبات کی اہمیت تھی۔ آج سب جذبات کو ٹھی کے حصول پر قربان کر دیئے جاتے ہیں۔ ماضی میں پیار اہم تھا لیکن آج کار اہم ہے۔ یہ تضاد انسان کے فکری اور جذباتی تنزل کی نشاندہی کرتا ہے۔ آج کا انسان ترقی یافتہ ہے، خوشحال ہے، پُر آسائش زندگی گزار رہا ہے لیکن انسانیت کے رُتبے کو کھو رہا ہے۔ اخلاقی اقدار سے دستبردار ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج لوگ صاحبِ علم کی عزت کرنے کے بجائے صاحبِ زر کو سلام کرتے ہیں۔ آج ہر سرمایہ دار معزز ہے۔ اس کی عزت کرنے والے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ اس نے روپیہ سمگلنگ سے کمایا

ہے یا منشیات فروشی کی ہے۔ دورِ جدید میں آدمی وہی ہے جس کے پاس پیسہ، کوٹھی اور کار ہے۔

شعر 2: کلبلاتی بستیاں، مشکل سے دو چار آدمی
کتنا کم یاب آدمی ہے، کتنا بسیار آدمی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **کلبلاتی بستیاں:** گھنی آبادی والی بستیاں ○ **بسیار:** زیادہ، بے انتہا۔

نثر: گھنی آبادی والی بستیوں میں بمشکل دو چار آدمی ملتے ہیں۔ آدمیوں کی بہتات ہے لیکن انسان کم یاب ہیں۔

تشریح: ضمیر جعفری نے بہت فکر انگیز بات انتہائی سادہ اور بے تکلف لہجے میں کہی ہے۔ وہ یہ حقیقت بیان کر رہے ہیں کہ ہر آدمی انسان نہیں ہوتا۔ اولادِ آدم ہونا ایک الگ بات ہے اور انسانیت کے رُتبے پر فائز ہونا بالکل دوسری بات۔ ضمیر جعفری کہتے ہیں کہ گنجان آباد علاقوں میں ہزاروں لاکھوں آدمی رہتے ہیں لیکن انسان کو تلاش کرنا شروع کریں تو مایوسی ہوتی ہے۔ شہر بھر میں بمشکل دو چار انسان ہی ملتے ہیں۔ آدمیوں کی بہتات ہے لیکن انسان کتنا کمیاب ہے۔ یونانی فلسفی دیوجانس کلبی دن میں چراغ لے کر گھوم رہا تھا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو بولا مٹی کے بتوں میں سے انسان تلاش کر رہا ہوں۔ انسان دراصل شعور، آگہی، علم، ادراک، دردِ احساس اور بندگی کا مجموعہ ہے۔ یہ خصوصیات نہ ہوں تو پیکرِ خاکی کو آدمی تو کہا جا سکتا ہے، انسان نہیں۔

شعر کے پہلے مصرع میں ''دوچار ہونا'' کو سامنا کرنا کے معنی میں لیا جائے تو ایک مختلف مفہوم سامنے آتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ گھنی آبادیوں کے باوجود آدمی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کے ہم جنس اس کی کوئی مدد نہیں کرتے کیونکہ وہ احساس کی دولت سے محروم ہیں۔ دوسرے کو مشکل میں دیکھ کر خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے والے یہ لوگ انسان نہیں۔ گھنی بستیوں میں آدمیوں کی بہتات ہے لیکن انسان بہت کم ہیں۔

شعر 3: پتلی گردن، پتلے ابرو، پتلے لب، پتلی کمر
جتنا بیمار آدمی، اتنا طرح دار آدمی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **طرح دار:** بانکا، سجیلا، وضع دار۔

نثر: آج کل پتلی گردن، پتلے ابرو، پتلے لب اور پتلی کمر حسن کی علامت ہے۔ کوئی جتنا بیمار دکھائی دے اسے اتنا ہی خوبصورت سمجھا جاتا ہے۔

تشریح: ضمیر جعفری نے دورِ جدید کے معیارِ حسن کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ماضی میں اچھی صحت اور حسن کو لازم و ملزوم سمجھا جاتا تھا۔ صحت مند آدمی ہی حسین آدمی کہلاتا تھا لیکن آج کل کا معیارِ حسن بالکل الگ ہے۔ ''سمارٹ'' نظر آنے کے چکر میں ہمارے نوجوانوں سے عجیب و غریب حرکتیں سرزد ہو رہی ہیں۔ ہر طرح کی نعمتیں میسر ہیں لیکن نوجوانوں نے ''ڈائٹنگ'' کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ دودھ دہی سے پرہیز ہے کہ وزن نہ بڑھ جائے۔ کوئی پھل کھاتا ہے تو پہلے ''کیلوریز'' کا حساب لگاتا ہے۔ کبھی نوجوانوں کی خوش خوراکی کے قصے مشہور ہوا کرتے تھے۔ آج کل ''بے خوراکی'' کی کہانیاں سننے کو ملتی ہیں۔ ہر نوجوان باریک سے باریک تر نظر آنا چاہتا ہے۔ نزاکت صرف

لڑکیوں سے مخصوص نہیں رہی بلکہ لڑکے بھی خود کو نازک بنانے کے جنون میں مبتلا ہیں۔ ضمیر جعفری کہتے ہیں کہ نوجوانوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ ان کی گردن، ابرو، ہونٹ اور کمر پتلی ہو جائے۔ ان کا وزن کم سے کم ہو جائے کیونکہ دورِ جدید میں بانکا، سجیلا اور حسین اسی کو سمجھا جاتا ہے جو شکل سے بیمار نظر آئے، جو جتنا بیمار نظر آئے گا، اتنا ہی حسین سمجھا جائے گا۔

شعر4: زندگی نیچے کہیں منہ دیکھتی ہی رہ گئی
کتنا اُونچا لے گیا جینے کا معیار آدمی

نثر: دورِ جدید کا آدمی معیارِ زندگی کو اتنی بلندی پر لے گیا کہ زندگی نیچے کہیں منہ دیکھتی ہی رہ گئی۔

تشریح: نظم کے چوتھے شعر میں بھی ضمیر جعفری نے پہلے شعر کی طرح جدید دور میں بدلتی ہوئی اخلاقی اقدار کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کی ترقی نے اس کی زندگی کو پُر آسائش تو بنا دیا ہے لیکن زندگی کا اصل حسن چھین لیا ہے۔ اصلِ حیات یہ ہے کہ انسان اپنے آس پاس رہنے والے کے کام آئے۔ اپنے رشتہ داروں، عزیزوں کا خیال رکھے۔ اپنے سے نچلے طبقے کی محرومیاں دور کرنے کی کوشش کرتا رہے، جب تک انسان کا اپنی زمین سے رشتہ اور اپنے ماحول سے رابطہ قائم رہتا ہے، وہ یہ سب اچھے کام کرتا رہتا ہے لیکن پھر ترقی کا شوق اسے زمین کی سطح سے اُوپر اُٹھانے لگتا ہے۔ اس کا معیارِ زندگی مائل بہ پرواز ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ اپنی زمین سے کٹ جاتا ہے۔ چھوٹے محلوں میں رہنے والے ایک دوسرے کے ہر دُکھ درد میں شریک ہوتے ہیں لیکن جدید آبادیوں کے بڑے بڑے بنگلوں کے رہائشیوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پڑوس میں کون رہتا ہے۔ یہ سرمایہ دار طبقہ اپنے گردوپیش سے بالکل لاتعلق ہو جاتا ہے۔ امرا کے اس طرزِ زندگی کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے ضمیر جعفری کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے معیارِ زندگی کو اُونچائی پر لے گئے لیکن زندگی کو اس کے حُسن سے محروم کر دیا۔ معیارِ زندگی اتنا بلند ہو گیا کہ اصل زندگی کہیں نیچے منہ دیکھتی رہ گئی۔

شعر5: عمر بھر صحرا نوردی کی مگر شادی نہ کی
قیس دیوانہ بھی تھا کتنا سمجھ دار آدمی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **صحرانوردی:** صحراؤں میں مارے مارے پھرنا ○ **قیس:** مشہور عاشق مجنوں کا اصل نام، یہ بنی عامر سے تعلق رکھتا تھا اور لیلیٰ کا عاشق تھا۔

نثر: مجنوں عمر بھر صحراؤں کی خاک چھانتا رہا مگر شادی نہ کی۔ وہ دیوانہ کتنا سمجھ دار آدمی تھا۔

تشریح: ضمیر جعفری نے تلمیح کے استعمال سے پُر لطف مضمون پیدا کیا ہے۔ قیس لیلیٰ کے عشق میں جنون کی حد تک پہنچا تو دُنیا نے اسے مجنوں کہا اور آج تک اسے اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سچے عاشق کو شادی کرنے اور گھر بسانے کا ہوش ہی کہاں تھا جو اس طرف متوجہ ہوتا لیکن ہمارے شاعر کا خیال ہے کہ قیس کی دیوانگی دراصل فرزانگی تھی۔ وہ مجنون نہیں تھا بلکہ بہت سمجھ دار آدمی تھا۔ اسی لیے عشق کے پردے میں شادی کے جھنجھٹ سے بچا رہا۔ عمر

بھر صحراؤں کی خاک چھانتا رہا لیکن گھر نہ بسایا کیونکہ جانتا تھا کہ صحرانوردی آسان ہے لیکن بیوی کے نخرے اُٹھانا اور بچے پالنا مشکل۔ آج کل مہنگائی کا زمانہ ہے۔ عوام کی اکثریت کے لیے گھر بسانا اور گھر چلانا بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ دال روٹی کے اخراجات پورے کرنا آسان نہیں رہا۔ ضمیر جعفری نے ان زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہی شادی کرنے والوں کو ناسمجھ کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قیس اتنا بھی مجنوں نہیں تھا کہ شادی کر کے اپنی ''اچھی بھلی'' عاشقانہ زندگی کو مصیبت میں ڈال لیتا اسی لیے وہ صحرانوردی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس نے شادی نہ کر کے ثابت کر دیا کہ وہ بہت سمجھدار آدمی ہے۔ وہ بیوی کی فرمائشوں اور سسرال کے چکروں سے محفوظ رہا جو اس کی سمجھداری کی دلیل ہے۔

شعر 6: دانش و حکمت کی ساری روشنی کے باوجود
کم ہی ملتا ہے زمانے میں کم آزار آدمی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **دانش:** عقل ○ **حکمت:** دانائی ○ **کم آزار:** کم مسائل والا۔

نثر: دنیا میں عقل اور دانائی کی روشنی پھیلنے کے باوجود انسان کے مسائل اور مصائب میں کمی نہیں ہوئی۔

تشریح: دورِ جدید کا انسان علم، سائنس اور ٹیکنالوجی کی انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔ اس کے باوجود انسان کی زندگی غموں، دکھوں اور محرومیوں سے عبارت ہے۔ ضمیر جعفری نے اس سنجیدہ مضمون کو خوبصورت لہجے میں شعر کا جامہ پہنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آج کا زمانہ علم و دانش کی روشنی کا زمانہ ہے۔ انسان فضاؤں کی بلندیوں اور سمندروں کی گہرائیوں کو تسخیر کر چکا ہے۔ اس نے چاند کے سینے پر اپنا نقشِ قدم ثبت کر دیا ہے۔ وہ فاصلوں کو سمیٹ چکا ہے۔ رابطوں کی دنیا آباد کر چکا ہے۔ سائنسی علوم میں اس کی مہارت نے زندگی کو بہت پُرآسائش بنا دیا ہے۔ اس کے باوجود دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اپنی زندگی سے خوش اور مطمئن ہوں، جسے دیکھو وہ ناآسودہ ہے۔ ہر کسی کے پاس مسائل کی فہرست ہے۔ ہر کوئی شکوہ کناں ہے۔ زمانے میں ایسے انسان بہت کم ملتے ہیں جن کی زبان پر شکوے کے بجائے شکر ہو۔ ضمیر جعفری نے مادیت پرست دور کے انسان کے ناشکرے پن کو واضح کیا ہے۔ ماضی کا انسان آج کے انسان کے مقابلے میں کم تعلیم یافتہ تھا، اس کی زندگی سہولیات سے عاری تھی۔ وہ ان آسائشات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جو آج ہر عام آدمی کو میسر ہیں۔ اس کے باوجود ماضی کا انسان مطمئن اور آسودہ تھا۔ خوش تھا۔ آج کے انسان نے جسمانی اور مادی طور پر ترقی کر لی ہے لیکن اس کی رُوح مردہ ہو چکی ہے۔ اسی لیے ہر شخص غیر مطمئن اور ناآسودہ ہے۔

شعر 7: دل رہین صومعہ، دستار رہن میکدہ
تھا ضمیر جعفری بھی اک مزیدار آدمی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **رہین:** جو چیز رہن رکھی جائے ○ **صومعہ:** گرجا، چرچ ○ **رہن:** گروی رکھنا، ○ **مے کدہ:** شراب خانہ۔

نثر: ضمیر جعفری پُر لطف طبیعت کا مالک تھا۔ اس کا دل گرجا گھر میں اٹکا رہتا تھا جبکہ دستار شراب خانے میں گروی رکھی ہوئی تھی۔

تشریح: ضمیر جعفری بظاہر اپنی ذات پر طنز کر رہے ہیں لیکن اصل میں وہ آج کے دور کے عام انسان کی زندگی کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ وہ بتا رہے ہیں کہ ہمارے معاشرے کا عام فرد کس ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کے ذہنی رویے اور قلبی میلانات کس طرح تبدیل ہو رہے ہیں اور اس کے اعمال میں کیسے تضادات ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرا دل تو گرجا گھر میں رہن رکھا ہوا تھا لیکن دستار میں نے اس دہلیز پر قربان نہیں کی بلکہ اسے شراب خانے میں گروی رکھ دیا۔ اس طرح میں نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ چرچ کی نذر کر دیا اور کچھ مے کدے پر وار دیا۔ زندگی کی یہ تقسیم قابل تعریف یا مثالی نہیں لیکن ہم اپنے اردگرد نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں شاعر جیسے لوگوں ہی کی اکثریت دکھائی دیتی ہے جو اپنی دستار یعنی عزتِ نفس دنیاوی آسائشات کی خاطر داؤ پر لگا چکے ہیں اور دلوں میں مغرب کی محبت کا روگ پالے بیٹھے ہیں۔ اپنی ان خصوصیات کا ذکر کرنے کے بعد شاعر نے خود کو ''مزیدار آدمی'' کہہ کر طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ضمیر جعفری غیر صحت مند ذہنی اور قلبی رجحانات رکھنے والے طبقے کو آئینہ دکھا رہے ہیں۔ شعر فکر انگیز بھی ہے اور پُر لطف بھی۔

شعر 8: پہلے کشتی ڈوب جاتی تھی نظر کے سامنے
اب گرے گا بحر اوقیانوس کے پار آدمی

نثر: ماضی میں کشتی نظروں کے سامنے ڈوب جاتی تھی لیکن اب انسان بحر اقیانوس کے پار یعنی امریکہ میں جا کر گرے گا۔

تشریح: نظم ''آدمی'' کے آخری شعر میں ضمیر جعفری نے ذہنی غلامی اور اندھی تقلید کا نتیجہ بیان کیا ہے۔ دورِ جدید میں تقریباً ساری دنیا امریکہ کو اپنا آئیڈیل تسلیم کرتے ہوئے اس کی ہر ادا کی نقل کرنے میں مصروف ہے۔ ماضی میں سیدھی سادی زندگی گزارنے والے بھی اب جینز اور فاسٹ فوڈ کلچر کو اپنانے میں فخر محسوس کر رہے ہیں۔ سپر پاور کی ترقی نے سب کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ ضمیر جعفری اقوامِ عالم کو خبردار کر رہے ہیں کہ اس رویے کے نتیجے میں انسان بحر اوقیانوس کے پار جا کر گرے گا یعنی امریکہ پرستوں کی اُڑان انہیں امریکی زمین پر پٹخ دے گی۔ ماضی میں بھی مختلف معاشرے شکست و ریخت کا شکار ہوتے رہے ہیں لیکن ان کا زوال ایسا تھا کہ ملبے سے دوبارہ تعمیر ہو سکتی تھی۔ ان کی کشتیاں ان کی نظروں کے سامنے ڈوبتی تھیں لیکن آج اپنی قومی شناخت سے دستبردار ہو کر ترقی کی بلندیوں کی طرف مائل بہ پرواز معاشرے جس نامحسوس شکست و ریخت کا شکار ہیں وہ اتنی مکمل اور شدید ہے کہ تعمیرِ نو بھی ممکن نہیں ہو سکے گی۔ بحر اوقیانوس کے پار گرنے والا آدمی کبھی اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ امریکہ پرست اپنی شناخت کھو دیں گے اور دنیا سے ان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

مشقی سوالات

1: سیّد ضمیر جعفری نے پہلے شعر میں ماضی اور حال کے آدمی کا کس طرح موازنہ کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: ضمیر جعفری کہتے ہیں کہ ماضی کا انسان صاحب دل تھا۔ انسانی جذبات کا قدر دان تھا اور علم کو وجہ فضیلت سمجھتا تھا لیکن آج کا آدمی صرف روپے پیسے اور کار' کوٹھی کو اہمیت دیتا ہے۔

2: نظم کے دوسرے شعر میں شاعر کا کہنا ہے کہ کلبلاتی اور گھنی بستیوں میں مشکل سے دو چار آدمی ہی ملتے ہیں۔ اس سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: شاعر کہنا چاہتا ہے کہ ماضی میں دُنیا کی آبادی کم تھی لیکن لوگ انسانیت کے جوہر سے مالا مال تھے۔ آج آبادی بہت بڑھ گئی ہے۔ بستیوں میں آدمیوں کی بہتات ہے لیکن ہزاروں لاکھوں میں صرف دو چار ہی حقیقی معنوں میں انسان ہوتے ہیں یعنی انسانیت کے رُتبے پر فائز ہوتے ہیں۔ باقی سب اولادِ آدم تو ہیں مگر انسان نہیں۔

3: اس شعر کی تشریح کیجیے:

زندگی بیچے کہیں منہ دیکھتی ہی رہ گئی
کتنا اُونچا لے گیا جینے کا معیار آدمی

جواب: دیکھیے شعر نمبر 4 کی تشریح۔

4: اگرچہ اس نظم کے بیشتر اشعار ظریفانہ ہیں لیکن شاعر نے اس نظم میں بڑی سنجیدگی سے انسانوں کے اخلاقی زوال پر غم اور تشویش کا اظہار بھی کیا ہے۔ آپ اپنی رائے کو چار پانچ سطروں میں لکھیے۔

جواب: سیّد ضمیر جعفری کی نظم ''آدمی'' اگرچہ مزاحیہ اور ظریفانہ نظم ہے مگر حقیقت میں اس نظم میں انسانی زوال اور اعلیٰ انسانی قدروں کے مٹ جانے پر غم اور تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ آج کا انسان نہ تو علم دوست ہے اور نہ ہی انسان دوست۔ انسانی زندگی کے معیار ہی بدل چکے ہیں۔ آج انسان کا اصل معیار شرافت اور حُسنِ اخلاق نہیں بلکہ بینک بیلنس' کار' بنگلے کوٹھیاں اور وسیع کاروبار ہیں۔ آج کا انسان منافقت کا لبادہ اوڑھ کر اپنے جیسے انسانوں کو دھوکا دے رہا ہے۔ شاعر نے آج کے انسان کے اس معیار پر دُکھ اور غم کا اظہار کرتے ہوئے اُسے اخلاق کی پاسداری کا سبق دیا ہے۔

5: خالی جگہوں پر مناسب الفاظ لگا کر مصرعے مکمل کیجیے:

i۔ کتنا کم یاب آدمی ہے' کتنا بسیار آدمی۔ (مکار' بیمار' بسیار)

ii۔ جتنا بیمار آدمی' اُتنا طرح دار آدمی۔ (بیمار' موٹا' نھگنا)

iii۔ کتنا اُونچا لے گیا جینے کا معیار آدمی۔ (نیچا' اُونچا' پست)

iv۔ تھا ضمیر جعفری بھی اِک مزے دار آدمی۔ (رسیلا' چلبلا' مزے دار)

جواب: خالی جگہوں پر مندرجہ ذیل الفاظ لگانے سے مصرعے مکمل ہوں گے۔

i۔ بسیار ii۔ بیمار iii۔ اُونچا iv۔ مزے دار

شاعر نے اس شعر میں کیا بات کہنے کی کوشش کی ہے۔

6: ؎ پہلے کشتی ڈوب جاتی تھی نظر کے سامنے
اب گرے گا بحر اوقیانوس کے پار آدمی

جواب: دیکھیے شعر نمبر 8 کی تشریح۔ ☆☆☆

مجاز لکھنوی ـــــ (1910-1956ء)

شاعر کا تعارف: مجاز لکھنوی کا شمار اردو ادب کی مشہور اور تاریخ ساز ترقی پسند تحریک کے اہم شعرا میں کیا جاتا ہے۔ مجاز شاعری کو ایک خواب آور فسوں نہیں بلکہ انقلاب آفرین حقیقت سمجھتے ہیں۔ شعر گوئی کے فن کو انہوں نے مزدوروں، کسانوں، محنت کشوں اور محروم طبقوں کے جذبات کی آواز بنایا ہے۔ دیگر ترقی پسند شعرا کی طرح مجاز بھی ایک ایسے معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں جو غیر طبقاتی ہوگا اور جس میں کوئی فرد کسی دوسرے فرد کا استحصال نہیں کر سکے گا۔ مجاز کا لہجہ پُر جوش اور ولولہ انگیز ہے۔ گاہے گاہے ان کی نظموں کے مصرعے کسی سیاسی جلسے کے نعروں کی طرح زوردار اور جذباتی اندازِ فکر کا شہ کار دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کے کلام کا بڑا حصہ اعلیٰ ادبی معیار پر پورا اُترتا ہے۔ اپنے نظریے سے ان کی وابستگی غیر متزلزل ہے۔ موسم بہار یا حسن یار کو موضوع سخن بنانا انہیں منظور نہیں۔ وہ پسے ہوئے طبقے کے ترجمان ہیں اور اپنی شاعری کو انقلاب کے لیے سازگار فضا تیار کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مجاز لکھنوی کا ذخیرہ الفاظ منفرد ہے۔ وہ اسلوب بیان کے بجائے مضمون کو اولیت دیتے ہیں۔ وہ خواب دیکھنے کے عادی ہیں اور نوجوان نسل سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرے گی۔

7۔ مجاز لکھنوی ـــــ نوجوان سے خطاب

مرکزی خیال

نوجوان اپنی صلاحیتوں کو پہچانیں اور ان کا درست استعمال کریں تو دُنیا سے ظالمانہ نظام کا خاتمہ کر سکتے ہیں اور ایسا انقلاب لا سکتے ہیں جس کے بعد غریبوں، محنت کشوں، مظلوموں اور پسے ہوئے طبقے کو بھی مساوی انسانی حقوق، معاشی مواقع اور عزت و احترام حاصل ہوگا۔ منزل پر پہنچنے کے لیے اگر خون بھی بہانا پڑے تو غمزدہ نہیں ہونا چاہیے۔

شعر 1: جلال آتش و برق و سحاب پیدا کر
اجل بھی کانپ اُٹھے، وہ شباب پیدا کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ جلال: رُعب، غصہ ○ آتش: آگ ○ برق: بجلی ○ سحاب: بادل

جواب: خالی جگہوں پر مندرجہ ذیل الفاظ لگانے سے مصرعے مکمل ہوں گے۔

i۔ بسیار ii۔ بیمار iii۔ اُونچا iv۔ مزے دار

شاعر نے اس شعر میں کیا بات کہنے کی کوشش کی ہے۔

6: ؎ پہلے کشتی ڈوب جاتی تھی نظر کے سامنے
اب گرے گا بحر اوقیانوس کے پار آدمی

جواب: دیکھیے شعر نمبر 8 کی تشریح۔ ☆☆☆

مجاز لکھنوی ـــــ (1910-1956ء)

شاعر کا تعارف: مجاز لکھنوی کا شمار اردو ادب کی مشہور اور تاریخ ساز ترقی پسند تحریک کے اہم شعرا میں کیا جاتا ہے۔ مجاز شاعری کو ایک خواب آور فسوں نہیں بلکہ انقلاب آفرین حقیقت سمجھتے ہیں۔ شعر گوئی کے فن کو انہوں نے مزدوروں، کسانوں، محنت کشوں اور محروم طبقوں کے جذبات کی آواز بنایا ہے۔ دیگر ترقی پسند شعرا کی طرح مجاز بھی ایک ایسے معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں جو غیر طبقاتی ہوگا اور جس میں کوئی فرد کسی دوسرے فرد کا استحصال نہیں کر سکے گا۔ مجاز کا لہجہ پُر جوش اور ولولہ انگیز ہے۔ گاہے گاہے ان کی نظموں کے مصرعے کسی سیاسی جلسے کے نعروں کی طرح زوردار اور جذباتی اندازِ فکر کا شہ کار دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کے کلام کا بڑا حصہ اعلیٰ ادبی معیار پر پورا اُترتا ہے۔ اپنے نظریے سے ان کی وابستگی غیر متزلزل ہے۔ موسم بہار یا حسن یار کو موضوع سخن بنانا انہیں منظور نہیں۔ وہ پسے ہوئے طبقے کے ترجمان ہیں اور اپنی شاعری کو انقلاب کے لیے سازگار فضا تیار کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مجاز لکھنوی کا ذخیرہ الفاظ منفرد ہے۔ وہ اسلوب بیان کے بجائے مضمون کو اولیت دیتے ہیں۔ وہ خواب دیکھنے کے عادی ہیں اور نوجوان نسل سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرے گی۔

7۔ مجاز لکھنوی ـــــ نوجوان سے خطاب

مرکزی خیال

نوجوان اپنی صلاحیتوں کو پہچانیں اور ان کا درست استعمال کریں تو دُنیا سے ظالمانہ نظام کا خاتمہ کر سکتے ہیں اور ایسا انقلاب لا سکتے ہیں جس کے بعد غریبوں، محنت کشوں، مظلوموں اور پسے ہوئے طبقے کو بھی مساوی انسانی حقوق، معاشی مواقع اور عزت و احترام حاصل ہوگا۔ منزل پر پہنچنے کے لیے اگر خون بھی بہانا پڑے تو غمزدہ نہیں ہونا چاہیے۔

شعر 1: جلال آتش و برق و سحاب پیدا کر
اجل بھی کانپ اُٹھے، وہ شباب پیدا کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ جلال: رُعب، غصہ ○ آتش: آگ ○ برق: بجلی ○ سحاب: بادل

○ اجل: موت ○ شباب: جوانی۔

نثر: آگ، بجلی اور بادل جیسا رُعب داب پیدا کر۔ تیری جوانی دیکھ کر موت بھی کانپ اُٹھے۔

تشریح: مجاز لکھنوی کا شمار اردو ادب کی ترقی پسند تحریک کے اہم شعرا میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں حُسن و عشق، ہجر و وصال اور لب و رخسار کے بجائے عوام الناس کی معاشی محرومیوں، غربت و افلاس، معاشرے میں وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، ظلم، جبر اور ناانصافی جیسے موضوعات کو اہمیت دی ہے۔ نظم نوجوان سے خطاب میں وہ تیسری دنیا کے نوجوان کو زندگی گزارنے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کا طریقہ بتا رہے ہیں۔ مجاز نوجوان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اپنی شخصیت میں آگ، بجلی اور بادل جیسی خصوصیات پیدا کرو۔ مجاز نے تین عظیم مظاہر فطرت کو مثال بنا کر نوجوانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ نوجوانوں میں آگ، بجلی اور بادل کی طرف رُعب گرج اور کڑک موجود ہو۔ تلخ حالات کے ہاتھوں مجبور اور سر جھکا کر معاشرے کی ناانصافیوں سے سمجھوتہ کرنے والے نوجوان انہیں پسند نہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ نوجوانوں میں آگ کی سی حرارت اور توانائی ہو۔ وہ بجلی کی طرح سماج کے جھوٹے چوہدریوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو جلا کر راکھ کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ وہ غریبوں کے لیے مہربان بادل کی طرح ہوں۔ مجاز کا خیال ہے کہ نوجوانوں میں آتش و برق و سحاب کا جلال پیدا ہو جائے گا تو کوئی بھی استحصالی قوت انہیں نشانہ نہیں بنا سکے گی بلکہ بڑے سے بڑا استعمار بھی ان سے خوفزدہ رہے گا۔ ''اجل'' استعماری قوتوں کا استعارہ ہے۔ مجاز کہتے ہیں کہ آگ، بجلی اور بادل کا جلال رکھنے والے نوجوان کی عظمت و ہیبت سے اجل بھی کانپ اُٹھے گی۔ عام لوگ موت سے ڈرتے ہیں یعنی استحصالی قوتوں سے خوفزدہ رہتے ہیں لیکن موت اُس نوجوان سے ڈرے گی یعنی استحصالی قوتیں اس کا سامنا کرنے سے بچنے کی کوششیں کریں گی۔

شعر 2: صدائے تیشہ مزدور ہے تیرا نغمہ
تو سنگ و خشت سے چنگ و رباب پیدا کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **صدائے تیشہ مزدور:** مزدور کے تیشے کی آواز ○ **سنگ و خشت:** پتھر اور اینٹ ○ **چنگ و رباب:** ستار اور سارنگی

نثر: تیرا نغمہ مزدور کے تیشے کی آواز ہے۔ تو پتھر اور اینٹ سے ستار اور سارنگی پیدا کر۔

تشریح: مجاز نوجوانوں کو دنیا کے بدلتے ہوئے ماحول اور اس کے تقاضوں سے آگاہ کر رہے ہیں۔ صنعتی انقلاب اور سرمایہ داری نظام نے چند افراد کی تجوریاں بھرنے کی خاطر کروڑوں انسانوں کو مشینوں کا ایندھن بنا دیا۔ مزدوروں کے حالات آج بھی کچھ اچھے نہیں لیکن آج سے پون صدی قبل انہیں بدترین حالات کا سامنا تھا۔ سخت اور جان توڑ مشقت کے بعد انہیں اتنی اُجرت ملتی تھی جس میں بمشکل دال روٹی چل سکے۔ مجاز انہی حالات میں شعور کی آنکھ کھولنے والے نوجوان سے مخاطب ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اے نوجوان! تو مزدور کی اولاد ہے اور اس

کے تیشے کی آواز سنتے ہوئے تو نے بچپن سے لڑکپن اور پھر جوانی کی حدود میں قدم رکھا ہے۔ تیرے کان صدائے تیشہ سے مانوس ہیں۔ یہ صدا تیرے لیے ایک دل خوش کن نغمہ ہے۔ تو تیشے کی آواز کو بلبل کا ترنم سمجھ۔ اسے کوئل کی کوکو جان۔ اس آواز سے اُکتانے کے بجائے زندگی میں آگے بڑھنے اور کچھ کر دکھانے کا حوصلہ حاصل کر۔ اسے نغمہ انقلاب بنا لے۔ پتھر اور اینٹ سے ستار اور سارنگی کے سُر پیدا کر یعنی اپنی سخت محنت سے اپنی زندگی میں حسن و جمال پیدا کر۔ اپنی محنت کو رہنما بنا اور اپنی دُنیا بدل ڈال۔

شعر 3: ترے قدم پہ نظر آئے محفلِ انجم
وہ بانکپن، وہ اچھوتا شباب پیدا کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **محفل انجم:** ستاروں کی محفل ○ **بانکپن:** دلیری، البیلا پن۔

نثر: اے نوجوان! خود میں وہ البیلا پن اور دلیری پیدا کر کہ ستاروں کی محفل تیرے قدموں میں نظر آئے۔

تشریح: انسان روزِ اوّل ہی سے تسخیر فطرت کا خواب دیکھتا آیا ہے۔ مذہبی نقطۂ نظر سے بھی وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے اور دیگر تمام تخلیقات کے مقابلے میں اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ وہ کائنات کا ہیرو ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے اس کی خاطر بنایا گیا ہے۔ انسان تسخیر فطرت کی منزل کی طرف قدم بڑھا رہا تھا لیکن کچھ انسانوں کی عاقبت نااندیشی اور خود غرضی نے یہ پیش قدمی روک دی۔ سرمایہ داری نظام نے امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر کر دیا۔ انسانوں کی اکثریت کے لیے دال روٹی کمانا ہی سب سے بڑا مسئلہ بن گیا۔ انسان کی عظمت ایک کتابی بات بن کر رہ گئی۔ ''نائب دست قدرت'' سولہ سولہ گھنٹے تک مشینوں کے سامنے اپنی تذلیل کا ماتم کرنے لگا۔ ان حالات میں مجاز اور دیگر ترقی پسند شاعروں نے انسان کی عظمت کے گیت گائے اور اسے اس کا بھولا ہوا مقام یاد دلانے کی کوشش کی۔ مجاز چاہتے ہیں کہ ہمارے نوجوان مشینوں کا رزق بن کر نہ رہ جائیں بلکہ علم و ہنر کی بلندیاں چھو لیں۔ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو پہچانیں، انہیں استعمال کریں۔ ارتقا کی اس منزل پر پہنچ جائیں جہاں ستاروں کی محفل بھی ان کے قدموں میں نظر آئے۔ انسان چاند ستاروں سے زیادہ اہم اور عظیم ہے۔ مجاز کی خواہش ہے کہ نوجوان اپنی کوشش و کاوش سے عظمتِ انسانی کے نظریے پر مہر تصدیق ثبت کر دیں۔ اقبال کو بھی ایسے ہی جوانوں سے محبت تھی جو عظمت انسانی کی علامت بن کر ستاروں کو تسخیر کریں۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

شعر 4: ترا شباب امانت ہے ساری دُنیا کی
تو خارزارِ جہاں میں گلاب پیدا کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **خارزارِ جہاں:** کانٹوں بھری دنیا۔

نثر: تیری جوانی ساری دُنیا کی امانت ہے۔ کانٹوں بھری دنیا میں گلاب پیدا کر۔

تشریح: مجاز لکھنوی نوجوانوں کے ذہن میں وسعت اور سوچ میں آفاقیت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ نوجوان اپنی صلاحیتوں کو اپنی زندگیاں سنوارنے کے لیے استعمال کرنے پر ہی مطمئن نہ ہو جائیں بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے اس دنیا کو سجانے سنوارنے اور رہائش کے لیے بہتر جگہ بنانے پر توجہ دیں۔ ان کے مقاصد محدود نہیں ہونے چاہئیں۔ وہ نوجوانوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تمہاری جوانیاں پوری دنیا کی امانت ہیں۔ اس لیے انہیں غیر سنجیدہ، غیر صحت مند اور ادنیٰ مشاغل میں ضائع نہ کرو۔ ایسا کرنے سے تم نہ صرف خود کو نقصان پہنچاؤ گے بلکہ عالم انسانیت کی اُمیدوں کو مایوسی میں بدل دو گے۔ تم اپنی صلاحیتوں کو تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کرو۔ دنیا سے استحصالی نظام کا خاتمہ کر دو۔ اس کانٹوں بھری دنیا کو گلابوں سے بھر دو۔ دنیا کے وسائل کو انسانوں کی بہتری، ترقی اور خوش حالی کے لیے استعمال کرو۔ تم میں یہ عظیم کارنامے انجام دینے کی صلاحیت موجود ہے۔ ضرورت صرف اس صلاحیت کو پہچاننے کی ہے۔ خواجہ الطاف حسین حالی کا شعر ہے:

کھیتوں کو دے لو پانی، اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو! اُٹھتی جوانیاں ہیں

شعر 5: **سکون خواب ہے بے دست و پا ضعیفی کا**
تو اضطراب ہے خود اضطراب پیدا کر

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **بے دست و پا:** ہاتھ پاؤں کے بغیر، مجبور بے کس ○ **ضعیفی:** بڑھاپا ○ **اضطراب:** بے قراری

نثر: سکون مجبور بڑھاپے کی خصوصیت ہے۔ جوانی بے قراری ہے اس لیے تو بے قراری پیدا کر۔

تشریح: مجاز لکھنوی کے خیال میں جوانی جواں ہمت، فعال، متحرک اور مضطرب رہنے کا نام ہے۔ اگر کسی نوجوان میں یہ خصوصیات نہیں تو وہ نوجوان نہیں بلکہ بوڑھا ہے۔ ہاتھ پاؤں سے کام نہ لینا بوڑھے کے لیے تو مناسب ہو سکتا ہے مگر جوانوں کے لیے سکون و ثبات باعثِ ننگ ہے۔ مجاز نوجوانوں کو یہ بات سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ سکون اور آرام بڑھاپے کی خصوصیات ہیں۔ بڑھاپے میں انسان کمزور ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے ہیں۔ وہ زندگی کی جدوجہد میں سرگرم حصہ لینے کے قابل نہیں رہتا۔ اس لیے گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے۔ بڑھاپا مجبوری کا دوسرا نام ہے۔ اسی لیے مجاز نے اس کو "بے دست و پا" ضعیفی کہا ہے۔ اس کے بالکل برعکس جوانی مسلسل محنت، جدوجہد اور کوشش و کاوش کا نام ہے۔ مجاز نوجوان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تو اپنی بے قراری، فعالیت اور تحرک کو استعمال کر کے اس دنیا کو بدل ڈال۔ یہاں مجاز کے خیالات میں اقبال کے افکار کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ اقبال کے خیال میں بھی جوانی جہدِ مسلسل اور سخت مشقت ہی کا نام ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں

شعر 6: بہے زمیں پہ جو تیرا لہو تو غم مت کر
اسی زمیں سے مہکتے گلاب پیدا کر

نثر: زمین پر اپنا لہو بہنے کا غم کرنے کے بجائے اس زمین سے مہکتے گلاب پیدا کر۔

تشریح: مجاز نوجوان نسل کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر دی گئی قربانی کا غم نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس قربانی سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے حصولِ مقصد کی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اے نوجوان! زمین پر بہتا ہوا اپنا لہو دیکھ کر غمگین نہ ہو کیونکہ حصولِ مقصد کی خاطر اپنی جان اور اپنے لہو کا نذرانہ دینا شرفائے تاریخ اور بہادروں کا شیوہ رہا ہے۔ منزل کی لگن میں تیری جان قربان ہو رہی ہے تو یہ فخر کی بات ہے کیونکہ

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے' اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

مجاز کہتے ہیں کہ اے نوجوان! اپنے بہتے ہوئے لہو کا غم چھوڑ۔ تو جس زمین کو اپنے خون سے سیراب کر رہا ہے۔ اس میں گلاب اُگانے کی کوشش کر۔ یعنی تو اپنی قربانی کو رائیگاں کارروگ بنانے کے بجائے اس مقصد کی تکمیل کی طرف متوجہ ہو جس کی خاطر تو نے قربانی دی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کسی حسین خواب' کسی عظیم مقصد' کسی مقدس جدوجہد یا آزادی کی تحریک میں قربانیاں پیش کرنے والوں کی بڑی تعداد خواب کی تعبیر' مقصد کی تکمیل' جدوجہد کی کامیابی اور ملک کی آزادی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ پاتی۔ ایک نسل قربانیاں دیتی ہے اور آئندہ نسلیں ان قربانیوں کا پھل کھاتی ہیں۔ تحریکِ پاکستان کے لاکھوں مجاہدین قیامِ پاکستان کے موقع پر شہید ہو گئے لیکن ان کے مقدس خون کے صدقے میں آج ہم آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ مجاز کو یہی اُمید ہے کہ قربانی کا پھل نسلِ نو کو ضرور ملے گا۔ وہ نوجوان کو نصیحت کر رہے ہیں کہ قربانی کو ضائع نہ ہونے دے بلکہ کامیابی کے حصول تک جدوجہد جاری رکھے۔

مشقی سوالات

1: ''اجل بھی کانپ اُٹھے وہ شباب پیدا کر'' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: شاعر نوجوانوں کو مشورہ دے رہا ہے کہ وہ موت سے ڈرنا چھوڑ دیں۔ اپنے شباب میں وہ جوش اور ولولہ پیدا کریں کہ موت خود ان کے ساتھ آنکھیں ملانے سے کترائے۔

2: ''صدائے تیشہ مزدور'' کا مفہوم دو سطروں میں بیان کیجیے۔

جواب: صدائے تیشہ مزدور کے لغوی معنی مزدور کے تیشے کی آواز ہے۔ یہ آواز مزدور کی مسلسل اور انتھک معاشی جدوجہد کی علامت ہے۔ صدائے تیشہ اور مزدور کی زندگی لازم و ملزوم ہیں۔ مزدور جب تک زندہ رہتا ہے' مشقت کرتا رہتا ہے یعنی تیشہ چلاتا رہتا ہے اور صدائے تیشہ اُبھرتی رہتی ہے۔

3: درج ذیل تراکیب کے معنی لکھیے اور انہیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

سنگ و خشت، چنگ و رباب، محفلِ انجم، خارزارِ جہاں، بے دست و پا۔

جواب: ○ **سنگ و خشت**: پتھر اور اینٹ، جہان تازہ سنگ و خشت سے نہیں، افکارِ تازہ سے پیدا ہوتا ہے۔

○ **چنگ و رباب**: ستار اور سارنگی، چنگ و رباب کی دھن پر بے خود رہنا زندہ قوموں کا شیوہ نہیں۔

○ **محفلِ انجم**: ستاروں کی محفل، محفلِ انجم میں عروجِ آدمِ خاکی کا چرچا ہے۔

○ **خارزارِ جہاں**: کانٹوں بھری دُنیا، عظیم لوگ خارزارِ جہاں میں پھول کھلاتے ہیں۔

○ **بے دست و پا**: عاجز، بے کس۔ بے دست و پا زلزلہ زدگان کی مدد کرنا ہمارا دینی، انسانی اور قومی فریضہ ہے۔

4: درج ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب کے ذریعے واضح کیجیے:

الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب
برق و سحاب	بَرْق و سَحاب	چنگ و رباب	چَنگ وَ رُباب
انجم	اَنْجُم	اضطراب	اِضْطِراب

5: تراشہاب امانت ہے ساری دُنیا کی

تو خارزارِ جہاں میں گلاب پیدا کر

اس شعر میں شاعر نے نوجوانوں کو بہت پاکیزہ اور تعمیری مشورہ دیا ہے۔ اس کی وضاحت تین چار سطروں میں کیجیے۔

جواب: شاعر نے نوجوانوں سے کہا ہے کہ ان کی صلاحیتیں بنی نوعِ آدم کی امانت ہیں۔ وہ ان صلاحیتوں کو صرف اپنی زندگی بہتر بنانے کے لیے ہی وقف نہ کر دیں بلکہ نوعِ آدم کی فلاح و بہبود اور خدمت کے لیے استعمال کریں۔ وہ اس کانٹوں بھری دُنیا میں محبت، ترقی، خوشحالی اور مساوات کے پھول کھلائیں اور اس کی بدصورتی کو خوبصورتی میں بدل دیں۔

6: ''نوجوان سے خطاب'' میں شاعر نوجوانوں کو کیا کیا پیغام دیتے ہیں؟

جواب: شاعر نے ''نوجوان سے خطاب'' نظم میں نوجوانوں کو پیغام دیا ہے کہ وہ آگ، بجلی اور بادل جیسا جلال پیدا کریں اور موت کے خوف کو بھی شکست دے دیں۔ وہ صدائے تیشہ مزدور کو اپنا نغمہ بنائیں اور دُنیا کو بدل ڈالیں۔ محفلِ انجم کو تسخیر کریں۔ کانٹوں بھری دُنیا میں گلاب کھلائیں۔ قربانیاں دے کر اس زمین کو پھولوں سے بھر دیں۔

7: اس نظم میں شاعر نے انقلاب کے حوالے سے کیا کیا باتیں کی ہیں؟ انہیں اپنے الفاظ میں لکھیے۔

جواب: دیکھیے نظم کا مرکزی خیال۔

☆☆☆

مجید امجد ـــــ (1914-1974ء)

شاعر کا تعارف: عبدالمجید نام، امجد تخلص، ادبی دنیا میں مجید امجد کے نام سے شہرت حاصل کی۔ جھنگ میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ عرصہ صحافت کے پیشے سے وابستہ رہے۔ 1944ء میں انہیں محکمہ خوراک میں ملازمت مل گئی۔ عمر کا بڑا حصہ ساہیوال میں گزارا اور اسی شہر میں انتقال کیا۔ مجید امجد جدید اردو نظم کے اہم ترین شاعروں میں سے ایک ہیں۔ ان کے مضامین اور اسلوبِ بیان میں انفرادیت کی شان ہے۔ ان کا سوچنے اور مشاہدہ کرنے کا انداز عام انسانوں اور عام شعرا سے بالکل الگ ہے۔ وہ اردو میں فارسی اور ہندی الفاظ کی آمیزش سے اپنی شعری زبان تشکیل دیتے ہیں جو موسیقیت اور معنویت، دونوں کا شہ کار ہے۔ وہ روزمرہ زندگی اور مناظرِ فطرت سے اپنی شاعری کا مواد اور موضوع حاصل کرتے ہیں اور پھر عام سی بات کو خاص شاعرانہ انداز میں پیش کر کے قاری کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ انسان، اس کے مختلف روپ، اس کے جذبات اور اس کی محرومیوں کو مجید امجد نے بہت فنکارانہ مہارت کے ساتھ موضوعِ سخن بنایا ہے۔ گزرتے وقت نے ان کی شاعرانہ عظمت پر مہرِ تصدیق ثبت کی ہے۔ اکیسویں صدی میں ان کے کلام کی بہتر انداز میں تفہیم اور تشریح ہو رہی ہے اور آج کا نقاد ماضی کے نقاد کی نسبت زیادہ سہولت کے ساتھ مجید امجد کی شاعری کو سمجھ اور سمجھا رہا ہے۔ مجید امجد کی نظموں کو کسی بھی بین الاقوامی زبان کی منتخب شاعری کے مقابلے میں بڑے اعتماد کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔

8۔ مجید امجد ـــــ ایک کوہستانی سفر کے دوران میں

مرکزی خیال

عاجزی و انکساری عظمتِ کردار کی علامت ہے، جو انسان کسی دوسرے انسان کے کام نہیں آ سکتا وہ بظاہر کتنا ہی معزز ہو، درحقیقت وہ بے مصرف زندگی گزارتا ہے۔ انسانوں کے لیے زندگی آسان بنانے والی حقیر سے حقیر چیز بھی معاشرے کے نام نہاد معززین سے زیادہ قابلِ احترام ہے۔

مصرع 1 تا 5 : تنگ پگڈنڈی، سرِ کہسار بل کھاتی ہوئی
نیچے، دونوں سمت، گہرے غار منہ کھولے ہوئے
آگے ڈھلوانوں کے پار اک تیز موڑ اور اس جگہ
اک فرشتے کی طرح نورانی پر تولے ہوئے
جھک پڑا ہے آ کے رستے پر کوئی نخلِ بلند

مشکل الفاظ کے معانی: ○ سرِ کہسار: پہاڑ پر ○ نخلِ بلند: قد آور درخت ○ پر تولنا: پرندے کا اُڑنے پر

آمادہ ہوتا۔

نثر: پہاڑ پر بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی ہے جس کے نیچے دونوں طرف گہرے غار ہیں۔ آگے ڈھلوانوں کے پار ایک خطرناک موڑ ہے جس پر ایک قد آور درخت جھکا ہوا ہے۔ محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی فرشتہ اُڑان بھرنے والا ہے۔

تشریح: مجید امجد کا شمار جدید اُردو نظم کے مستند ترین شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی نظموں میں منفرد مضامین جدید تر اسلوب میں پیش کرتے ہیں۔ ''ایک کوہستانی سفر کے دوران میں'' ان کے فن کی نمائندہ نظموں میں شامل ہے۔ اپنا پیغام پہنچانے کے لیے مجید امجد نے پہاڑی راستے کا ایک منظر ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ نظم کے ابتدائی مصرعے اس منظر کی جزئیات واضح کرتے ہیں۔ پہاڑ کی بلندی پر ایک تنگ پگڈنڈی بل کھاتی ہوئی گزر رہی ہے جس کے نیچے دونوں طرف گہرے غار ہیں۔ پگڈنڈی سے ان غاروں کو دیکھ کر خوف کا احساس ہوتا ہے۔ مجید امجد نے خوف کی تصویر کشی کے لیے انتہائی موثر الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ''نیچے دونوں سمت' گہرے غار منہ کھولے ہوئے'' مصرع کا ہر لفظ غاروں کی گہرائی اور ہولناکی کو واضح کر رہا ہے۔ غار منہ کھولے ہوئے ہیں گویا کسی شکار کے منتظر ہیں۔ کسی کو نگلنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ پگڈنڈی پر آگے ڈھلوانیں ہیں جن کے پار اچانک ایک موڑ نمودار ہوتا ہے۔ یہ موڑ انتہائی خطرناک ہے۔ پہاڑی علاقوں کا سفر کرنے والے لوگ جانتے ہیں کہ ایسے خطرناک موڑ سے گزرنا کتنی ہمت کا کام ہے۔ ایسے مقامات پر حادثوں میں جانی نقصان بھی ہوتا رہتا ہے۔ مجید امجد ہمیں جو موڑ دکھا رہے ہیں اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس پر ایک بلند و بالا درخت جھکا ہوا ہے' جسے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ کوئی فرشتہ اُڑان بھرنے کو ہے۔ خطرناک موڑ پر جھکے درخت کو فرشتے سے تشبیہ دے کر مجید امجد نے درخت کی اہمیت واضح کی ہے' جس طرح رحمت کے فرشتے مشکل حالات میں انسانوں کی مدد کرتے ہیں اسی طرح یہ درخت بھی مسافروں کا مددگار ہے۔ مجید امجد نے صرف پانچ مصرعوں میں ایک پہاڑی راستے کی مکمل تصویر دکھائی ہے۔ لفظوں سے بنائی گئی یہ تصویر کسی مصور کی بنائی ہوئی تصویر سے کم روشن نہیں۔ قاری پہاڑی راستے کے منظر کو اپنی آنکھوں کے سامنے محسوس کرتا ہے اور یہی شعری تصویر کاری کا کمال ہے۔ مجید امجد نے منظر نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

مصرع 7,6: تھام کر جس کو گزر جاتے ہیں آسانی کے ساتھ
موڑ پر سے ڈگمگاتے رہروؤں کے قافلے

نثر: خطرناک موڑ پر ڈگمگاتے مسافروں کے قافلے درخت کی شاخیں تھام کر آسانی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

تشریح: خطرناک پہاڑی موڑ پر جھکا ہوا درخت وہاں سے گزرنے والے قافلوں کے لیے رحمت کے فرشتے سے کم نہیں۔ اس موڑ پر پہنچ کر مسافروں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور وہ اپنی جان کو خطرے میں محسوس کرتے ہیں۔ انہیں کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ایسے میں وہ اس مہربان درخت کی کسی شاخ کو تھام لیتے ہیں اور اس موڑ پر سے گزر جاتے ہیں۔ درخت کی بظاہر کمزور سی ٹہنی انسانی زندگیوں کی حفاظت کا عظیم کارنامہ انجام دے رہی ہے۔

''رہبروں کے قافلے'' کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ ٹہنی کا سہارا لے کر گزرنے والوں کی تعداد دو چار نہیں بلکہ قافلوں کے قافلے موڑ پر سے گزرتے ہوئے ٹہنی کو تھام کر اپنی سلامتی یقینی بناتے ہیں۔ اس مقام پر یہ درخت جھکا ہوا نہ ہو تو کئی مسافروں کو اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ اس درخت کی ٹہنیاں انسانی حیات کی محافظ ہیں۔

مصرع 11,10,9,8: ایک بوسیدہ ' خمیدہ پیڑ کا کمزور ہاتھ

سینکڑوں گرتے ہوؤں کی دستگیری کا امیں

آہ ان گردن فرازان جہاں کی زندگی

اِک جھکی ٹہنی کا منصب بھی جنھیں حاصل نہیں

مشکل الفاظ کے معنی: ○ **خمیدہ:** جھکا ہوا ○ **دستگیری:** کسی کا ہاتھ پکڑ کر اسے سہارا دینا ○ **گردن فراز:** اُونچی گردن والا' مغرور ○ **منصب:** عہدہ' مرتبہ۔

نثر: ایک پُرانا اور جھکا ہوا درخت سینکڑوں گرتے ہوؤں کو سہارا دے رہا ہے۔ دنیا کے ان صاحبانِ اقتدار اور باحیثیت لوگوں کی زندگیوں پر افسوس ہے جو ایک جھکی ٹہنی کی برابری بھی نہیں کر سکتے۔

تشریح: مجید امجد نے کوہستانی پگڈنڈی کے خطرناک موڑ پر مسافروں کو سہارا دینے والے بوسیدہ اور خمیدہ پیڑ کی جھکی ہوئی ٹہنی کو معاشرے کے ان جھوٹے چوہدریوں' نام نہاد سرداروں اور وڈیروں سے زیادہ قابلِ احترام قرار دیا ہے جو زندگی بھر مال و دولت اور جائیداد کے جھوٹے غرور میں مبتلا رہتے ہیں اور رفاہِ عامہ کا کوئی ایک کام بھی نہیں کرتے۔ مجید امجد کہتے ہیں کہ ایک کمزور اور جھکے ہوئے درخت کی ٹہنی سینکڑوں انسانوں کی دستگیری کر رہی ہے۔ انہیں گرنے سے بچا رہی ہے۔ سہارا دے رہی ہے۔ سوال یہ نہیں کہ اس کی اپنی حیثیت کیا ہے۔ وہ خود کمزور ہے مگر دوسروں کی طاقت بنی ہوئی ہے۔ وہ دوسروں کو فیض پہنچا رہی ہے۔ یہ ٹہنی معاشرے کے ہر انسان کو سبق دے رہی ہے کہ کبھی یہ سوچ نہیں رکھنی چاہیے کہ میں تو معمولی سا آدمی ہوں۔ میری ذات سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ میری کوشش اور کاوش کسی کو کیا فیض پہنچا سکتی ہے۔ بعض اوقات کوئی معمولی اور بظاہر غیر اہم وجود کسی بہت بڑے اور غیر معمولی کارنامے کا سبب بن جاتا ہے۔ خلوصِ نیت موجود ہے تو پھر معمولی سے معمولی نیکی بھی غیر معمولی ہے۔ ہر انسان کو چراغ بننا چاہیے جو خود جلتا ہے مگر روشنی پھیلاتا ہے۔ اندھیروں کا مقابلہ کرتا ہے۔ مجید امجد کے خیال میں بڑا آدمی وہی ہے جو انسانیت کی خدمت کرتا ہے۔ وہ صاحبانِ اقتدار اور بارسوخ لوگ بونے ہیں جن کی ذات کبھی کسی انسان کے لیے کسی خوشی' کسی راحت اور کسی منفعت کا باعث نہیں بنتی۔ مجید امجد ان لوگوں کی زندگیوں پر افسوس کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ گردن فرازانِ جہاں مسافروں کی مددگار شاخ سے بھی کمتر ہیں۔ یہ نام نہاد معززین ہرگز قابلِ عزت نہیں۔ یہ آدم زاد ضرور ہیں لیکن انہیں انسان نہیں کہا جا سکتا۔ یہ انسانی جذبات سے عاری ہیں' جو دوسرے کا درد محسوس نہیں کرتا اور مشکل میں اس کی مدد نہیں کرتا وہ اشرف المخلوقات کے منصب پر کیسے فائز ہو سکتا ہے۔ اس سے تو ایک ٹہنی کا منصب کہیں بلند ہے۔ مختصر نظم میں مجید امجد نے

بڑی فکر انگیز بات کہی ہے۔ ان کا اسلوب دلکش ہے۔ نظم کے ابتدائی اشعار شعری تصویر کاری کا عمدہ نمونہ ہیں۔

مشقی سوالات

1: ''ایک کوہستانی سفر کے دوران میں'' میں جو تمثیل بیان ہوئی ہے۔ اسے اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: پہاڑ پر ایک تنگ بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی ہے جس کے نیچے دونوں سمت گہرے غار ہیں۔ ڈھلوانوں کے پار ایک خطرناک موڑ ہے جس پر ایک درخت جھک گیا ہے۔ مسافر اس درخت کی شاخوں کا سہارا لے کر اس خطرناک موڑ سے بحفاظت گزر جاتے ہیں۔

2: اس نظم کا مرکزی خیال لکھیے جو چار پانچ سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

جواب: دیکھیے نظم کا مرکزی خیال۔

3: الفاظ کے متضاد لکھیے:

تنگ، نیچے، آگے، پار، تیز، فرشتہ، بلند، آسان، فراز، زندگی

جواب: ○ تنگ: کھلا ○ آگے: پیچھے ○ تیز: آہستہ ○ بلند: پست ○ فراز: نشیب ○ نیچے: اُوپر ○ فرشتہ: شیطان ○ آسان: مشکل ○ زندگی: موت۔

4: مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب کے ذریعے واضح کیجیے:

الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب
سمت	سِمْت	کہسار	کُہْسار
خمیدہ	خَمِیْدہ	منصب	مَنْصَبْ
نخلِ بلند	نَخْلِ بُلَنْد		

5: درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

جواب: ○ بل کھانا: پہاڑی علاقوں میں بل کھاتے راستے قدرت کا شاہکار ہیں۔

○ منہ کھولنا: اژدھا منہ کھولے راہگیروں پر لپکتا ہے۔

○ پر تولنا: پرندے نے شکاری کے فائر سے پہلے ہی پر تولے اور ہوا میں اُڑ گیا۔

○ جھک پڑنا: پہاڑی راستے پر ایک درخت جھک پڑا تھا جس کی ٹہنی پکڑ کر لوگ آگے گزر جاتے تھے۔

○ ڈگمگا جانا: ہمت سے کام لو پریشانیاں دیکھ کر ڈگمگا مت جاؤ۔

○ دستگیری کرنا: سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی۔

☆☆☆

احسان دانش ـــــ (1914-1982ء)

شاعر کا تعارف: شاعر مزدور احسان دانش کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام احسان الحق اور تخلص دانش ہے۔ ادبی دنیا میں احسان دانش کے نام سے شہرت حاصل کی۔ ناموافق معاشی حالات کے باعث پرائمری کے بعد سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا۔ احسان دانش نے لڑکپن ہی سے محنت مزدوری کی۔ وہ مختلف چھوٹی چھوٹی نوکریاں بھی کرتے رہے۔ رزقِ حلال کمانے کے لیے انہوں نے مٹی اور گارا ڈھونے کی مشقت بھی کی۔ ان کی زندگی کے اس رُخ نے محنت کش طبقے سے ان کی وابستگی اور ہمدردی کو جلا بخشی۔

احسان دانش بچپن ہی سے شعر کہتے تھے۔ فکرِ معاش نے ان کی شخصیت میں سنجیدگی اور بردباری پیدا کر دی تھی۔ یہی خصوصیات ان کے کلام میں بھی ہیں۔ عظمتِ انسان، فطرت اور انسان کا تعلق دیہاتی زندگی اور محنت کش طبقے کے مسائل ان کے خاص موضوعات ہیں۔ انھوں نے دیہات کے اَن پڑھ کسانوں کے مسائل کو موضوعِ سخن بنایا ہے اور ملوں کے مزدوروں کے قلبی جذبات کو زبان عطا کی ہے۔ وہ غزل اور نظم دونوں اصناف میں یکساں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کے لہجے کی سادگی میں ایک کشش ہے۔ عام مسائل کو فطری انداز میں بیان کرنا احسان دانش کا فن ہے اور اس فن میں بہت کم شعرا ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ احسان دانش نے شاعری کی کلاسیکی روایت سے رشتہ توڑے بغیر اپنے لیے نئی راہِ سخن تلاش کی ہے جو بلاشبہ ایک کارنامہ ہے۔

9۔ احسان دانش ـــــ تغیر

مرکزی خیال

زندگی مسلسل تبدیلی کا نام ہے، شب و روز کی گردش، موسموں کا بدلنا اور شمس و قمر کا محوِ سفر رہنا ثابت کرتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز تبدیلی کے عمل سے گزر رہی ہے۔ تغیر پیہم ہی اصلِ حیات ہے۔

شعر:
اے ہم نشیں ! کلام مرا لا کلام ہے
سُن ! زندگی تغیر پیہم کا نام ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ ہم نشیں: ساتھی ○ لاکلام: وہ بات جس میں مزید گفتگو کی گنجائش نہ ہو، قطعی بات ○ تغیر پیہم: لگاتار تبدیلی، مسلسل انقلاب۔

نثر: اے ساتھی! میری اس بات کے متعلق گفتگو کی گنجائش نہیں۔ میری بات سُن۔ زندگی مسلسل تبدیلی کا نام ہے۔

تشریح: نظم کے پہلے شعر میں احسان دانش نے ایک مسلمہ حقیقت بیان کی ہے۔ اسی لیے ان کے لہجے میں بھرپور اعتماد اور کامل یقین کا تاثر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں جو بات بیان کر رہا ہوں اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ ایک تسلیم شدہ سچائی ہے اس لیے اس کے متعلق مزید بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں۔ وہ بات یہ ہے کہ

زندگی مسلسل تبدیلی کا نام ہے۔ دنیا میں مختلف نوعیت کی تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ انسان اپنی زندگی میں کئی رنگ بدلتا ہے۔ اس کی جوانی بچپن سے مختلف اور بڑھاپا جوانی سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح زندگی کے ایک مرحلے میں وہ طالب علم ہوتا ہے لیکن دوسرے مرحلے میں خود استاد بن جاتا ہے۔ کبھی وہ لاڈلا بیٹا ہوتا ہے تو کبھی شفیق باپ۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ انسانوں کی مالی اور سماجی حیثیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ ایک کنگال شخص کروڑ پتی بن جاتا ہے۔ بادشاہِ وقت کو ملک بدر ہونا پڑتا ہے۔ مسلسل تغیر اور تبدیلی کا یہ عمل انسان تک محدود نہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کی زرخیز زمینیں کبھی بنجر تھیں۔ آج کی گنجان آبادیوں کی جگہ پر کبھی سمندر گزرا کرتا تھا۔ گزشتہ دو عشروں سے دنیا کا درجہ حرارت بڑھ رہا ہے یعنی تبدیلی کا عمل جاری ہے۔ سچ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی چیز تبدیل نہیں ہوتی تو وہ خود مسلسل تبدیلی کا عمل ہی ہے۔ اقبال نے یہ بات ان الفاظ میں کہی ہے:

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

انسان کے ساتھ ساتھ حیوانات اور نباتات بھی مسلسل تبدیلی کے اس عمل سے گزر رہے ہیں۔ تغیر پیہم ہی زندگی ہے۔

شعر2: راتوں کو ہے سحر کی تجلی کا انتظار
ہے ہر صدا فراقِ خموشی میں بے قرار

مشکل الفاظ کے معنی: ○ **تجلی:** روشنی، جلوہ ○ **فراقِ خموشی:** خموشی کی جدائی۔

نثر: راتوں کو صبح کی روشنی کا انتظار ہے۔ ہر آواز خاموشی کی جدائی میں بے قرار ہے۔

تشریح: احسان دانش نے مضمون کو لطیف شاعرانہ انداز میں آگے بڑھایا ہے۔ پہلے شعر میں زندگی کو تغیر پیہم قرار دینے کے بعد دوسرے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ خالقِ کائنات کی تخلیقات میں تبدیلی کی خواہش موجود ہے۔ ہر رات صبح کی روشنی کا انتظار کرتی ہے اور ہر آواز خاموشی کی جدائی میں بے قرار رہتی ہے۔ گویا رات کے بعد صبح ہونا قانونِ قدرت ہونے کے ساتھ ساتھ رات کی اپنی خواہش بھی ہے اور یہ خواہش اسے قدرت ہی نے ودیعت کی ہے۔ اسی طرح صدا کا سکوت میں ڈھل جانا صدا کی آرزو ہے۔ آرزو کا یہ سلسلہ دیگر تبدیلیوں میں بھی کارفرما ہے۔ مثلاً دن یہ چاہتا ہے کہ تبدیلی آئے اور رات ہو جائے۔ خاموشی کی یہ خواہش ہے کہ کوئی صدا اُبھرے۔ خالق نے اپنی تخلیقات کو وہی خواہشات عطا کی ہیں جو اس کی مشیت کے عین مطابق ہیں۔ رات کے بعد سحر کا نمودار ہونا معمول کی بات ہے لیکن شاعر نے اس معمول کو ایک منفرد انداز میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

شعر3: سوئے خزاں بہار گلستاں روانہ ہے
ہر برگ کا سکوت سراپا فسانہ ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **سوئے خزاں:** خزاں کی طرف ○ **برگ:** پتا۔

نثر: گلستان کی بہار خزاں کی طرف جارہی ہے۔ ہر پتے کی خاموشی سراپا افسانہ ہے۔

تشریح: گلستان میں بہار کی رنگینیوں اور رعنائیوں کو دیکھ کر یہ حقیقت فراموش نہیں کی جاسکتی کہ بہار کا یہ قافلہ دراصل خزاں کی طرف روانہ ہے۔ ہر پھول کی زندگی چند روزہ ہے۔ آج کھلنے والے چند دنوں کے بعد مرجھا جائیں گے۔

کہا میں نے کتنا ہے گُل کا ثبات
کلی نے یہ سُن کر تبسم کیا

گلستان میں ہر پتے کی خاموشی یہی افسانہ سنا رہی ہے۔ بہار کے جذبات آفرین موسم میں بھی وہ خاموش ہے۔ دراصل وہ بہار کے انجام سے آگاہ ہے۔ اسے معلوم ہے کہ زندگی تغیر پیہم کا نام ہے۔ آج بہار ہے تو کل خزاں بھی آئے گی۔ اسی سوچ نے اسے خاموش کر رکھا ہے۔ اس کی خاموشی آنے والے انقلاب کی نقیب ہے۔ گلشن میں کھلے پھولوں اور خوبصورت پودوں کو یہ احساس نہیں کہ وہ خزاں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہر لمحہ انہیں خزاں سے قریب تر کر رہا ہے۔ وہ تبدیلی کے اس عمل سے بے خبر ہیں لیکن برگِ خاموش سب کچھ جانتا ہے۔

شعر4: کہت کی کوششیں کہ نکلنا نصیب ہو
موسم کو یہ لگن کہ بدلنا نصیب ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ کہت: خوشبو، مہک۔

نثر: خوشبو پھول سے باہر نکلنے کی کوشش میں ہے اور موسم بھی تبدیل ہونا چاہتا ہے۔

تشریح: قدرت کی دیگر تخلیقات کی طرح خوشبو اور موسم بھی تبدیلی کے آرزومند رہتے ہیں۔ خوشبو پھول کے پیکر میں قید ہوتی ہے۔ خوشبو کو بظاہر اس سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے کہ وہ پیکرِ گل میں رہے یا پھر ہواؤں میں اُتر کر فضاؤں میں بکھر جائے لیکن ایسا نہیں۔ احسان دانش کہتے ہیں کہ خوشبو پیکرِ گل سے نکل کر فضاؤں میں بکھرنے کی کوشش کرتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ زندگی مسلسل تبدیلی کا نام ہے۔ ایک پیکر میں محدود ہو کر وقت گزارتے رہنا حیات نہیں، موت ہے۔ تبدیلی کی یہی خواہش موسم بھی رکھتا ہے۔ گرمی کا موسم یہ خواہش رکھتا ہے کہ موسم سرما آئے۔ سردیوں کو بہار کی آرزو رہتی ہے۔ تبدیلی کی یہ لگن ایک موسم کے جانے اور دوسرے کے آنے کا سبب بنتی ہے۔ خوشبو اور موسم کی یہ آرزو ثابت کرتی ہے کہ تغیر پیہم اصل حیات ہے۔ مسلسل تبدیلی اور انقلاب ہی مشیتِ ایزدی ہے۔

شعر5: شمس و قمر کو ضد ہے کہ گرمِ سفر رہیں
بے رنگیوں میں خالقِ شام و سحر رہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ گرمِ سفر: مصروفِ سفر ○ خالقِ شام و سحر: شام اور صبح کا پیدا کرنے والا۔

نثر: سورج اور چاند کو ضد ہے کہ وہ سفر کرتے رہیں اور بے رنگیوں میں شام اور صبح تخلیق ہوتی رہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی دیگر عظیم تخلیقات کی طرح سورج اور چاند بھی مسلسل تبدیلی کی خواہش رکھتے ہیں۔ ان کی یہ آرزو ہماری زمین پر شام و سحر کی آمد کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ زمین کے جس حصے پر سورج ظاہر ہوتا ہے وہاں دِن نکل آتا ہے اور جس حصے تک چاند سورج کی روشنی کو پہنچنے سے روکتا ہے وہاں رات چھا جاتی ہے۔ اس طرح سورج اور چاند دونوں ہی شام و سحر کی گردش کے اہم کردار ہیں۔ دونوں کو یہ ضد ہے کہ دن اور رات کا چکر یونہی چلتا رہے۔ ہر رات صبح میں بدلتی رہے اور ہر دن رات میں ڈھلتا رہے۔ روشنی اور اندھیرے کا یہ کھیل ہی تو انہیں شام و سحر کے خالق کے عظیم مرتبے پر فائز کرتا ہے۔ یہ تغیر پیہم کی برکات ہیں۔ زندگی میں یکسانیت آ جائے تو ہمیشہ دن ہی رہے اور کبھی رات نہ آئے یا پھر ہمیشہ رات چھائی رہے اور کبھی دِن نہ نکلے۔ یہ تبدیلی کا عمل ہے جو انسان کو دِن کی روشنی اور رات کا سکون بخش ماحول فراہم کرتا ہے۔ شاعر نے شمس و قمر کی خواہش تغیر کو ان کی ضد قرار دیا ہے۔

شعر 6: شہروں میں انقلاب' بیاباں میں انقلاب
محفل میں انقلاب' شبستاں میں انقلاب

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **انقلاب:** تبدیلی ○ **بیاباں:** ویرانہ ○ **شبستاں:** تنہائی کی جگہ۔

نثر: شہروں اور ویرانوں میں' محفل اور تنہائی کی جگہ میں تبدیلی کا عمل جاری ہے۔

تشریح: پہلے پانچ اشعار میں احسان دانش نے یہ بات واضح کی ہے کہ مسلسل تبدیلی اور لگاتار انقلاب مشیت ایزدی ہے۔ یہ دنیا اور مظاہر قدرت کی خواہش ہے۔ خالق کائنات کی عظیم تخلیقات تبدیلی کی آرزومند ہیں۔ یہ سب کچھ کہنے کے بعد اب احسان دانش سمجھتے ہیں کہ انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ زندگی دراصل تغیر پیہم ہی کا نام ہے۔ چھٹے شعر میں وہ یقین سے بھرپور لہجے میں کہہ رہے ہیں کہ ہماری زندگی ہر لمحہ تبدیل ہو رہی ہے۔ تبدیلی کا یہ عمل غیر محسوس انداز سے جاری ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر عام شخص کو اس کا ادراک ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ ساری دنیا تبدیلی کے عمل کی زد میں ہے' جس طرح شہروں اور آبادیوں میں تبدیلیاں رُونما ہو رہی ہیں' بالکل اسی طرح ویرانوں میں بھی یہ عمل جاری ہے۔ محفلوں کے انداز بدل رہے ہیں تو خلوت نشینوں کی زندگیاں بھی تبدیل ہو رہی ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی تبدیلی کے اِس عمل سے مستثنیٰ نہیں۔ انسان بدلتا ہے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہوتا رہتا ہے لیکن اکثر اوقات اِسے اِس حقیقت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہمارا ماحول' زمین' فضا' پہاڑ' دریا' سمندر' ستارے اور سیارے بھی مسلسل تبدیلی کے عمل سے گزر رہے ہیں۔

شعر 7: کس پہ یہاں تغیرِ نو کا فسوں نہیں
اس بزم میں نصیب کسی کو سکوں نہیں

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **تغیرِ نو:** نئی تبدیلی ○ **فسوں:** جادو۔

نثر: دنیا میں کون ایسا ہے جس پر نئی تبدیلی کا جادو نہیں چل رہا۔ اس محفل میں کسی کو سکون نصیب نہیں۔

تشریح: تغیر پیہم کو مشیت ایزدی ثابت کرنے کے بعد آخری شعر میں احسان دانش کہتے ہیں کہ دُنیا کا کوئی وجود اس قانونِ قدرت سے مستثنیٰ نہیں۔ تبدیلی کا یہ عمل ایسا جادو ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے اور اس کے وار سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ وہ سوالیہ لہجے میں کہتے ہیں کہ دنیا میں کون ہے جس پر تبدیلی کے عمل کا جادو نہیں چلتا یعنی ایسا کوئی بھی نہیں، جب کائنات کا ہیرو، اشرف المخلوقات، احسن تقویم یعنی حضرت انسان تبدیلی کے اس عمل سے گزرنے پر مجبور ہے تو پھر دیگر تخلیقات تبدیلی کا راستہ کیسے روک سکتی ہیں۔ ساری دنیا کو قدرت کے اس قانون کے تحت ہی آگے بڑھنا ہے۔ رات کے صبح میں ڈھلنے اور دن کے رات میں بدلنے کے عمل کو کوئی نہیں روک سکتا۔ ہم سب بہار کو پسند کرتے ہیں لیکن پت جھڑ کے موسم کا راستہ نہیں روک سکتے۔ جوانی حاصل زندگی ہوتی ہے لیکن اس کے بعد بڑھاپا بھی آتا ہے۔ بچوں کی معصومیت سب کو پیاری لگتی ہے لیکن وہ دیکھتے ہی دیکھتے جوان ہو جاتے ہیں۔ روزمرہ زندگی کے یہ مشاہدات تغیر پیہم کے اصل حیات ہونے کو ناقابلِ تردید حقیقت ثابت کرتے ہیں۔ احسان دانش نے اس حقیقت کے اثبات کے لیے شاعرانہ طرزِ اظہار کو وسیلہ بنایا ہے۔ ''تغیر'' مجموعی طور پر ایک فکر انگیز نظم ہے جس کا مطالعہ سوچ کے نئے در وا کرتا ہے۔

مشقی سوالات

1: مختصر جواب دیجیے۔

الف: احسان دانش نے زندگی کو کس چیز سے تعبیر کیا ہے؟

جواب: احسان دانش نے زندگی کو تغیر پیہم یعنی مسلسل تبدیلی سے تعبیر کیا ہے۔

ب: رات کے سماں کو کس کا انتظار رہتا ہے؟

جواب: رات کو سحر کی تجلی کا انتظار رہتا ہے۔

ج: ہر صدا کس کے فراق میں بے قرار رہتی ہے؟

جواب: ہر صدا فراق خموشی میں بے قرار رہتی ہے۔

د: بہار گلستاں کس جانب روانہ رہتی ہے؟

جواب: بہارِ گلستاں خزاں کی طرف روانہ رہتی ہے۔

ہ: نکہت کی کیا کوشش ہوتی ہے؟

جواب: نکہت کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ (پھول سے) نکلنا نصیب ہو۔

و: موسم کو ہر آن کیا لگن رہتی ہے؟

جواب: موسم کو یہ لگن رہتی ہے کہ بدلنا نصیب ہو۔

ز: شمس و قمر کس بات پر بضد رہتے ہیں؟

جواب: شمس و قمر کو یہ ضد ہے کہ وہ سفر کرتے رہیں۔

2: مناسب الفاظ کی مدد سے مصرعے مکمل کیجیے۔

جواب:

راتوں کو ہے سحر کی تجلی کا انتظار (سحر کی تجلی)

ہے ہر صدا فراق خموشی میں بے قرار (فراق خموشی)

سوئے خزاں بہارِ گلستاں روانہ ہے (بہارِ گلستاں)

شمس و قمر کو ضد ہے کہ گرمِ سفر رہیں (گرمِ سفر)

3: مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب کی مدد سے واضح کریں۔

الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب
تغیر	تَغَیُّرْ	سحر	سَحَرْ
نکہت	نِکْہَتْ	تجلی	تَجَلّی
فسوں	فُسُوْں	بزم	بَزْمْ

4: اس نظم میں مندرجہ ذیل مرکبات استعمال ہوئے ہیں آپ مزید پانچ مرکبات لکھیے:

فراقِ خموشی، سوئے خزاں، بہارِ گلستاں، گرمِ سفر، خالقِ شام و سحر

جواب: حسنِ وطن، رنگِ چمن، نگارِ ناز، تغیرِ نو، شہرِ خموشاں

5: کالم الف اور کالم ب میں سے چن کر متضاد الفاظ کے جوڑے بنائیے اور صحیح جواب کالم ج میں لکھیے۔

جواب:

کالم الف	کالم ب	کالم ج
تغیر	حضر	ثبات
فراق	وصل	وصل
خزاں	ثبات	بہار
سفر	شام	حضر
سحر	بہار	شام

6: اس شعر کی تشریح کیجیے:

کس پہ یہاں تغیرِ نو کا فسوں نہیں
اس بزم میں نصیب کسی کو سکوں نہیں

جواب: دیکھیے شعر نمبر 7 کی تشریح۔

7: اس نظم کا مرکزی خیال لکھیے، جو چار پانچ سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

جواب: دیکھیے نظم کا مرکزی خیال۔

☆☆☆

انور مسعود ـــــ (ولادت 1935ء)

شاعر کا تعارف: انور مسعود گجرات میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد عظیم تھا۔ انہوں نے فارسی میں ایم۔اے کیا اور شعبہ تدریس سے منسلک ہو گئے۔ انور مسعود دورِ حاضر کے مقبول ترین مزاح گو شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں طنز و مزاح کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ وہ طنز کو اتنا شدید نہیں ہونے دیتے کہ نشانہ بننے والا چوٹ برداشت ہی نہ کر پائے اور مزاح کو پھکڑ پن کی حدود میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ فارسی اور اردو شاعری اور کلاسیکل ادب پر گہری نظر نے ان کے تخلیقی رویے کو وقار اور بردباری بخشی ہے۔ ان کا ذخیرہ الفاظ خوبصورت اور وسیع ہے۔ وہ ایک ماہر نفسیات کی طرح عوام کی کمزوریوں اور معاشرے کی خرابیوں کی جڑ تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ مزاح برائے مزاح پر یقین نہیں رکھتے بلکہ شاعری کے ذریعے عوام کی اصلاح کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ایک بیدار مغز تخلیق کار کی طرح انہوں نے حکومتی پالیسیوں اور سرکاری اداروں کی کارکردگی پر بھی گرفت کی ہے لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ ان کے اشعار پڑھ یا سُن کر حکمران اور سرکاری افسر بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اُردو شاعری میں جس روایت کا آغاز اکبر الہ آبادی کے شگفتہ کلام سے ہوا تھا انور مسعود دورِ جدید میں اس کے حقیقی نمائندہ ہیں۔ ان کا شمار ملک بھر میں عوامی مقبولیت کے منصب پر فائز گنے چنے شعرا میں ہوتا ہے۔

10۔ انور مسعود ـــــ قطعات

قطعہ 1: جو چوٹ بھی لگی ہے وہ پہلی سے بڑھ کے تھی
ہر ضرب کربناک پہ میں تلملا اُٹھا
پانی کا، سوئی گیس کا، بجلی کا، فون کا
بل اتنے مِل گئے ہیں کہ میں بلبلا اُٹھا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ ضرب کربناک: دردناک چوٹ ○ تلملانا: تڑپنا ○ بلبلانا: بے تاب ہونا، چلانا

نثر: مجھے لگنے والی ہر چوٹ پہلی چوٹ سے زیادہ شدید تھی۔ ہر دردناک چوٹ نے مجھے تڑپایا۔ پانی، سوئی گیس، بجلی اور فون کے بل دیکھ کر میں بے تاب ہو کر چلانے لگا۔

تشریح: اردو کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں انور مسعود کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ وہ سیاسی، سماجی اور معاشی موضوعات پر بہت گہری اور قابلِ غور باتیں عام سے الفاظ اور پُر لطف انداز میں کہہ جاتے ہیں۔ قطعہ میں انہوں نے وطنِ عزیز کے عام شہری کے ایک اہم مسئلے کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے۔ یوٹیلٹی بلز ادا کرنا غریب اور متوسط طبقے کے لیے انتہائی اہم مسئلہ بن چکا ہے۔ بجلی اور گیس کے نرخوں میں ہر چند ماہ بعد اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ فون ہر شہری کی ضرورت بن چکا ہے۔ پانی جیسی نعمت بھی مفت میں نہیں ملتی بلکہ فراہمی و نکاسی آب کا بھی بل ادا کرنا پڑتا ہے۔ انور مسعود ہر بل کو ایک چوٹ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں کئی چوٹیں برداشت کر چکا ہوں اور

مجھے لگنے والی ہر چوٹ پہلی چوٹ سے زیادہ شدید تھی۔ یعنی ہر بل کی مالیت پہلے والے بل سے زیادہ ہی تھی۔ میں نے پانی کا بل ادا کیا اور مطمئن ہو کر بیٹھ گیا لیکن اس کے بعد مجھے گیس کا بل ادا کرنا پڑا جس کی مالیت پانی کے بل سے زیادہ تھی۔ گیس کا بل ادا کیا تو بجلی کا بل موصول ہو گیا۔ یہ بل گیس کے بل سے بھی زیادہ بھاری بھرکم تھا' جیسے تیسے اس سے جان چھڑائی تو ٹیلی فون کا بل مل گیا۔ ایک مہینے میں چار چار بل وصول کرنے کے بعد میری حالت غیر ہو گئی ہے اور میں بے تابی سے چلا رہا ہوں۔ انور مسعود نے عام شہری کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ عام گھروں میں ہر ماہ جتنی رقم دال روٹی پر اُٹھتی ہے تقریباً اتنی ہی رقم یوٹیلٹی بلز ادا کرنے پر بھی لگ جاتی ہے۔ غریب کا چہرہ پانی' گیس' بجلی اور فون کے بل دیکھتے ہی اُتر جاتا ہے اور وہ واقعی بلبلا اُٹھتا ہے۔

قطعہ 2: **تمہاری بھینس کیسے ہے کہ جب لاٹھی ہماری ہے**

اب اس لاٹھی کی زد میں جو بھی آئے سو ہمارا ہے

مذمت کاریوں سے تم ہمارا کیا بگاڑو گے

تمہارے ووٹ کیا ہوتے ہیں جب 'ویٹو' ہمارا ہے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **مذمت کاری:** برائی کرنا' ہجو کرنا ○ **ویٹو:** سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کا حق جس کے تحت وہ کسی قرارداد کو مسترد کر سکتے ہیں۔

نثر: لاٹھی ہماری ہے اس لیے بھینس سمیت لاٹھی کی زد میں آنے والی سب چیزیں ہماری ہیں۔ ہمیں بُرا کہنے اور ہمارے خلاف ووٹ دینے سے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ ہم ویٹو کا حق رکھتے ہیں۔

تشریح: انور مسعود نے دُنیا کے ترقی یافتہ اور طاقتور ممالک کے طرزِ سیاست اور اقوامِ متحدہ کے ناقابلِ فہم سسٹم کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ جمہوریت اور انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار ممالک آج کی جدید دنیا میں بھی ''جس کی لاٹھی' اس کی بھینس'' جیسے قبیح قانون کو نافذ کیے ہوئے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے اہم ترین ادارے سلامتی کونسل میں پانچ ممالک کو مستقل ارکان کی حیثیت حاصل ہے اور یہ مستقل ارکان ویٹو پاور رکھتے ہیں۔ یعنی ان میں سے کوئی ایک بھی عالمی برادری کی منظور کردہ کسی قرارداد کو مسترد کر سکتا ہے۔ پوری دنیا کی متفقہ رائے ویٹو پاور کا ایک دھچکا برداشت نہیں کر سکتی۔ اسی لیے عالمی معاملات میں پانچ بڑے ممالک ہی کی مرضی چلتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ویٹو کو ہمیشہ ظلم و ناانصافی کی حمایت اور عالمی برداری کی رائے دبانے کے لیے ہی استعمال کیا گیا ہے۔ امریکہ نے اسرائیل کے خلاف کئی قراردادیں ویٹو کے زور پر مسترد کی ہیں۔ قطعہ میں ویٹو پاور رکھنے والا ملک عالمی برادری سے مخاطب ہے اور انتہائی بے شرمی کے ساتھ اپنی ناانصافی اور بے اصولی کا اعتراف کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا میں 'جس کی لاٹھی اس کی بھینس' کا اصول کارفرما ہے۔ طاقتور جو چاہے کر سکتا ہے۔ طاقت خود ایک قانون ہے جو کسی اور قانون کو خاطر میں نہیں لاتی۔ میرے پاس طاقت ہے اس لیے میں اپنی زد میں آنے والی

ہر چیز پر قبضہ کر سکتا ہوں۔ میں افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہوں۔ عراق کو پامال کر سکتا ہوں۔ فلسطینیوں کے قاتل اسرائیل کو تحفظ دے سکتا ہوں اور میری ان حرکات پر دنیا کا اظہارِ مذمت اور عالمی برادری کی قراردادیں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں کیونکہ میں ویٹو کا حق رکھتا ہوں' جو قرارداد میرے یا میرے کسی طفیلی اور اتحادی کے مفادات سے ٹکرائے گی اسے میں ویٹو کر دوں گا۔ انور مسعود نے صرف چار مصرعوں میں دنیا کے سیاسی منظرنامے پر خوبصورت اور جامع تبصرہ کیا ہے۔

قطعہ 3: اُجڑا سا وہ نگر کہ ہڑپہ ہے جس کا نام
اس قریۂ شکستہ و شہرِ خراب سے
عبرت کی اِک چھٹانک برآمد نہ ہو سکی
کلچر نکل پڑا ہے منوں کے حساب سے

مشکل الفاظ کے معانی: ○ قریۂ شکستہ: ٹوٹا پھوٹا گاؤں ○ شہرِ خراب: اُجڑا ہوا شہر' کھنڈر۔

نثر: ہڑپہ ایک اُجڑا ہوا اور ٹوٹا پھوٹا شہر ہے لیکن اسے دیکھ کر لوگوں نے عبرت حاصل نہیں کی بلکہ اس کی تہذیب و ثقافت کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔

تشریح: ایک ذی ہوش اور باشعور آدمی قبرستان کو دیکھتا ہے تو اسے اپنی موت یاد آتی ہے۔ وہ دنیا کے فانی ہونے کی حقیقت کو پہچان لیتا ہے۔ کسی قوم کے زوال اور بربادی کا ذکر ہو تو وہ بربادی کی وجوہات جاننے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناسمجھ اور غیر سنجیدہ لوگوں کا ردِعمل یہ نہیں ہوتا۔ وہ ہر بات کو ہنسی میں اُڑا دیتے ہیں۔ موت کو یاد کرنے کے بجائے وہ قبرستان میں قبروں کے طرزِ تعمیر اور ان کے کتبوں کی نقاشی پر گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہماری قوم میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔ انور مسعود نے اسی تلخ حقیقت کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہڑپہ کے آثارِ قدیمہ کی دریافت پر ہماری قوم نے جس ردِعمل کا مظاہرہ کیا ہے وہ اس کے شایانِ شان نہیں۔ قوم کو غور کرنا چاہیے تھا کہ بسا بسایا شہر کیوں برباد ہو گیا۔ اس کے رہنے والوں نے ایسی کون سی غلطی اور نافرمانی کی تھی جس پر غضب ناک ہو کر قدرت نے عذاب نازل کیا۔ یہ سوچ ہماری قوم کے اعمال کی اصلاح کر سکتی تھی لیکن ہم نے ہڑپہ کی بربادی سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے وہاں کی تہذیب و ثقافت پر ریسرچ شروع کر دی۔ یہ باتیں ہونے لگیں کہ ہڑپہ والے کیسا لباس پہنتے تھے۔ ان کا طرزِ رہائش کیسا تھا۔ وہ کیا کھاتے پیتے تھے۔ شادی بیاہ کی رسوم کیا تھیں۔ مذہبی عقیدہ اور عبادت کا طریقہ کیا تھا۔ گویا ہڑپہ کے اُجڑے شہر کے آثار کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے قوم نے ایک فضول ذہنی مشقت شروع کر دی۔ آثارِ قدیمہ سے عبرت کی ایک چھٹانک بھی برآمد نہ ہو سکی البتہ منوں کلچر نکل آیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم تاریخ سے سبق حاصل کرنے کی صلاحیت کھو رہے ہیں جو قوم کی ذہنی پسماندگی کی علامت ہے۔

قطعہ 4: کلرکوں سے آگے بھی افسر ہیں کتنے
جو بے انتہا صاحبِ غور بھی ہیں
ابھی چند میزوں سے گزری ہے فائل
''مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں''

مشکل الفاظ کے معانی: ○ آہ وفغاں: چیخ پکار، نالہ وفریاد۔

نثر: کلرکوں سے آگے کتنے ہی افسر ہیں جو بہت غور کرنے والے ہیں۔ ابھی فائل چند ہی میزوں سے گزری ہے اور اسے کئی میزوں سے گزرنا ہے۔

تشریح: انور مسعود نے ایک بڑی سماجی برائی کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ حدیث کے مطابق مرتشی اور راشی، دونوں جہنمی ہیں لیکن اس کے باوجود اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رشوت کا چلن عام ہے۔ مسلمان رشوت کو تحفہ، نذرانہ اور جانے کیا کیا نام دے کر اپنے جرم کی شدت کم کرنے کی سعی لاحاصل کرتے رہتے ہیں۔ سرکاری دفاتر میں کوئی جائز کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہوتا۔ انور مسعود کہتے ہیں کہ چند کلرکوں کو رشوت دینے کے بعد مطمئن ہو کر بیٹھ جانا مناسب نہیں کیونکہ کلرکوں کا تعاون خریدنے سے فائل منظوری کی منزل تک نہیں پہنچتی بلکہ اسے صرف افسر کی میز تک رسائی نصیب ہو جاتی ہے۔ یعنی کلرک رشوت کے عوض فائل کا تھوڑا سا ''سفر'' طے کروا دیتے ہیں۔ کلرکوں کے بعد فائل افسروں کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ افسر ایک دو نہیں بلکہ کئی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے نظر انداز کر کے گزارا ممکن ہو۔ ان کے فیصلے پر اثر انداز ہونے کے لیے بھی رقم خرچ کرنا پڑے گی۔ کام کروانا ہے تو رشوت دینا ہوگی لہٰذا خاطر جمع رکھتے ہوئے ان حالات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ کلرکوں سے ''ڈیل'' تو ابتدائے عشق ہے ''عشق'' میں ہمت ہارنا عاشقوں کا شیوہ نہیں بقول میر:

ابتدائے عشق ہے، روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

انور مسعود نے سرکاری دفاتر کے نظام اور طریق کار پر بھرپور چوٹ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فائل کو منظوری کی منزل تک پہنچانا ہے تو رشوت دینے کا تسلسل برقرار رکھنا ہوگا۔ رشوت دینے کو اپنی عادت بنانا ہوگا۔ انور مسعود نے اقبال کے مصرع ''مقاماتِ آہ وفغاں اور بھی ہیں'' کا خوبصورت اور چونکا دینے والا استعمال کر کے قطعہ کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

مشقی سوالات

1: شاعر نے پہلے قطعہ میں کس معاشرتی مسئلے کی نشاندہی کی ہے؟

جواب: وطنِ عزیز میں یوٹیلٹی بلز ادا کرنا غریب اور متوسط طبقے کے لیے ایک بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ تنخواہ دار

لوگوں کی آمدن کا بڑا حصہ ان بلز کی ادائی میں اُٹھ جاتا ہے۔ شاعر نے اِسی مسئلے کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔

2: دوسرے قطعے میں شاعر نے طنز و مزاح کے انداز میں کس عالمی مسئلے کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے؟

جواب: دنیا میں اس وقت طاقت کا قانون رائج ہے۔ جو طاقتور ہے وہ ہر اخلاقی اور قانونی پابندی توڑ سکتا ہے۔ انسانی حقوق پامال کر سکتا ہے۔ سلامتی کونسل میں بھی طاقتوروں کی حکومت ہے۔ پانچ مستقل ارکان کو ''ویٹو'' کا حق حاصل ہے یعنی ان میں ہر ایک اپنی کسی ناپسندیدہ قرارداد کو مسترد کر دے تو وہ قرارداد سلامتی کونسل سے منظور شدہ نہیں کہلا سکتی۔

3: دوسرا قطعہ پڑھتے ہی ذہن میں کون سی معروف ضرب المثل آتی ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: دوسرا قطعہ پڑھ کر مشہور ضرب المثل ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' ذہن میں آتی ہے۔ اس سے مراد ہے کہ دنیا میں طاقتور کسی قانون کا پابند نہیں ہوتا اور جو چاہے' کر سکتا ہے۔

4: اپنے استاد سے معلوم کیجیے کہ ہڑپہ کے کھنڈرات پنجاب میں کہاں واقع ہیں اور ان سے عبرت کا کون سا پہلو نکلتا ہے؟

جواب: ہڑپہ کے کھنڈرات وادیٔ سندھ کی تہذیب کے قدیم آثار ہیں۔ یہ کھنڈرات پنجاب کے ضلع ساہیوال میں واقع ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا طرزِ بود و باش بہت اعلیٰ تھا۔ اس میں عبرت کا پہلو یہ ہے کہ ہر شے کو فنا ہونا ہے اور دُنیا میں کسی چیز کو ثبات نہیں۔

5: شاعر نے چوتھے قطعے میں ہمارے معاشرے کے دفتری نظام کا کونسا المیہ بیان کیا ہے؟

جواب: ہمارے معاشرے کے دفتری نظام میں رشوت دیئے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ ایک کام کروانے کے لیے کئی کلرکوں اور افسروں کی مٹھی گرم کرنا پڑتی ہے۔ چوتھے قطعے میں انور مسعود نے اسی خرابی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

6: مندرجہ ذیل تراکیب کے معنی لکھیے:

- ضربِ کرب ناک: دردناک چوٹ' ایسی ضرب جس سے انسان تڑپ اُٹھے۔
- قریۂ شکستہ: خستہ حال مقام' برباد شہر۔
- شہرِ خراب: تباہ حال شہر' ویران شدہ شہر۔
- صاحبِ غور: کسی معاملے کا بغور جائزہ لینے والا' سوچ بچار کرنے والا۔
- مذمت کاری: کسی کو بُرا کہنا' نفرت کا اظہار کرنا۔
- مقاماتِ آہ و فغاں: افسوس کرنے اور رونے پیٹنے کے مقامات' اظہارِ رنج و غم کے مواقع۔

7: اپنے استاد سے معلوم کیجیے کہ چوتھے قطعے کے آخری مصرعے کو واوین میں کیوں لکھا گیا ہے؟ اصطلاح میں اُسے کیا کہتے ہیں؟

جواب: قطعے کے آخری مصرعے کو واوین '' '' میں اس لیے لکھا گیا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہ الفاظ شاعر

کے اپنے نہیں بلکہ کسی اور شاعر کے ہیں۔ شعری اصطلاح میں اُس کو تضمین (گرہ لگانا) کہتے ہیں۔

8: قطعہ ایسی صنف نظم ہے جس میں کم از کم دو شعر ہوتے ہیں جن میں دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتا ہے اور ہر قطعے میں الگ مفہوم ادا کیا جاتا ہے۔ آپ اپنی لائبریری سے انور مسعود کا کوئی سا مجموعہ کلام حاصل کیجیے اور اس میں سے اپنی پسند کے مزید چار قطعات اپنی کاپی میں لکھیے:

جواب: طالب علم خود کوشش کریں۔

☆☆☆